بسم اللہ الرحمن الرحیم

أفلا يتدبرون القرآن أم على قلوب أقفالها

کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا اُنکے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں۔

سورۃ محمد آیت ۲۴ القرآن الحکیم

تفسیر عزیزی

پارہ تلک الرسل ۳

محمد لقیط خان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہم نے آسان کیا قرآن سمجھنے کے لئے
سو ہے کوئی جو سوچے سمجھے۔ (القرآن)

تفسیرِ عزیزی

پارہ تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

آسان ترجمہ بمعہ ضروری توضیح اور تشریحات کے ساتھ

*

ذوقِ قرآن فہمی اُجاگر کرنے کی سمت ایک کوشش

از

محمد لقیط خان

اِدارہ نشریاتِ ولی
27-9/18 حسن آباد، فیڈرل بی ایریا، کراچی
فون 6300650 موبائل 0320-5041953

طبع اوّل ۱۴۲۵ھ

تعداد ......ایک ہزار

سرورق ......رشید شاہد

باہتمام ......سلمان نشیط، عدنان لطیف

مطبع ......شکیل پریس کراچی

ھدیہ ......۱۵۰/ایک سو پچاس روپے صرف

تقسیم کنندگان

☆ احمد بک سینٹر اردو بازار کراچی فون:۷۷۷۳۲۸۷

☆ ویلکم بک پورٹ اردو بازار کراچی فون:۲۶۳۹۵۸۱_۲۶۳۳۱۵۱

☆ فضلی بک سپر مارکیٹ اردو بازار کراچی فون:۲۶۲۹۷۲۰_۵

☆ رحمٰن بک ہاؤس اردو بازار کراچی فون:۷۷۶۶۷۵۱

☆ دارالاشاعت اردو بازار کراچی فون:۲۶۳۱۸۶۱_۲۲۱۳۷۶۸

☆ بیت القرآن اردو بازار کراچی فون:۲۶۳۰۷۳۳_۲۶۳۳۳۳۲

☆ علمی کتاب گھر اردو بازار کراچی فون:

☆ فرید پبلشرز اردو بازار کراچی فون:۷۷۷۰۰۵۷

☆ البلال بک سینٹر اردو بازار کراچی فون:۲۶۳۲۶۶۳

☆ البدر بک کارنر اردو بازار کراچی فون معرفت:۲۶۳۳۱۳۰

☆ بلال نیوز ایجنسی ریگل صدر کراچی

☆ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور فون:۷۲۱۳۹۵_۷۲۲۴۲۲۸

☆ اشرف بک ایجنسی کمیٹی چوک راولپنڈی فون:۵۵۳۱۶۱۱

☆ جہانگیر بک ڈپو اردو بازار کراچی فون:۷۷۶۵۰۸۶

☆ کتاب گھر اقبال روڈ کمیٹی چوک راولپنڈی فون:۵۵۵۲۹۲۹_۵۵۳۹۳۸۰

☆ ماسٹر فوٹو اسٹیٹ ڈی ایچ اے phase.4 کراچی فون:۵۸۹۸۰۶۰

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

اَلۡحَمۡدُلِلّٰہِ وَحۡدَہٗ

حرفِ سخن

الحمدللہ چالیس برس سے قرآن حکیم میرے شب وروز کے فکر ونظر کا موضوع رہا ہے، اس کی ایک ایک سورت، ایک ایک مقام، ایک ایک آیت، ایک ایک لفظ پر میں نے غور وفکر کرنے کی کوشش کی ہے۔ وادیٔ علم میں قدم رکھنے کے بعد، مرحلوں پر مرحلے طے کئے ہیں، علوم قرآن اور مضامینِ قرآن کے مباحث کا کوئی گوشہ نہیں، جس کی طرف سے حتی الوسیع ذہن نے تغافل اور جستجو نے تساہل کیا ہو، علم ونظر کی راہوں میں آج کل علمی سفر، قدیم وجدید کے عنوانات میں قدرے مشکلات کا باعث ہے، بہرنوع قرآن کا علم ایک وسیع مطالعہ اور فلسفۂ زندگی کا آئینہ دار ہے اور مجھ جیسے طالب علم کے لئے یہ منزل طے کرنا ایک سعادت بابرکت ہے، علم کا ذوق و شوق، قرآن فہمی سے لگاؤ نے اس جذبہ کو حوصلہ دیا۔

اس تمام عرصے کی جستجو وطلب کے بعد، قرآن مجید، فرقانِ حمید کو جیسا کچھ، جتنا کچھ سمجھنے کی اللہ تعالیٰ نے صلاحیت وتوفیق بخشی، اس کتاب کے صفحات پر پھیلا دیا ہے۔

میرا واحد مقصد یہ ہے کہ ایک عام مسلمان، قرآن اور اس کی آیات کا مفہوم خود سمجھ سکے اور تعلیماتِ قرآن سے وہی نتیجہ اخذ کرے جو قرآن کا مدّعا ہے۔

اس کلام پاک کے تراجم، تفاسیر اور علوم کے ہر ہر پہلو پر، ہر زبان میں قیامت تک کام ہوتا رہے گا، انشا اللہ تعالیٰ۔

بے شک کون نہیں جانتا، قرآن کی تلاوت بھی کارِ ثواب ہے، اس کی تلاوت آنکھوں کا نور، دلوں کی فرحت وشادابی، چین، سکون وراحت ہے۔ لیکن اصل بات تو قرآن کو سمجھنا، اس کے لفظ میں چھپے ہوئے وسیع وعمیق معنوں پر غور کرنا، اور اس میں بیان کی گئی ابدی ہدایت کی روشنی میں دینی ودنیوی زندگی بسر کرنا ہے۔ میں نے تفسیرِ عزیزی اُن عام پڑھے لکھے لوگوں کے لئے ترتیب دی ہے جو قرآنی تعلیمات سے منور ہوکر اپنے آپ کو صراطِ مستقیم پر لانا چاہتے ہیں، لیکن انہیں قرآن سے استفادہ کرنا نہیں آتا۔

ہر موضوع میں، آیاتِ مبارکہ اور ان کا ترجمہ، معنیٰ اور مفہوم آپ کے سامنے ہے۔ تفسیرِ عزیزی کی مدد سے ایک مسلمان کا بھی، قرآن حکیم سے قلبی لگاؤ اور حقیقی رابطہ پیدا ہوگیا اور وہ روحِ قرآن کے قریب سے قریب تر آگیا تو یہ بات میرے لئے باعثِ طمانیتِ قلب ہوگی اور میں یہ سمجھ لوں گا کہ میری بخشش کا سامان ہوگیا۔

ایک عام آدمی کی ضرورت کو مدِّنظر رکھتے ہوئے مطالبِ آیات کو عام فہم، اسلوبِ نگارش میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس میں نہ تفسیر کی باریکیاں ہیں نہ تفصیلی مباحث، بلکہ اختصار کے ساتھ، قرآن فہمی کے لئے ایک ترغیب ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ جب تک ہم قرآن اور حدیث پر عمل نہ کریں، نہ تو ہماری دنیا سنور سکتی ہے اور نہ آخرت! بغیر قرآن اور حدیث ہم بھٹکتے ہی رہیں گے۔

مجھے بار بار، بلکہ ہزار بار اعتراف ہے کہ میری مساعی میری اپنی حیثیت سے بہت بڑی ہیں۔ اس لئے کہ قرآن کی تشریح، توضیح اور تفہیم پر قلم اٹھانا' کارِ طفلاں تو نہیں، لیکن والدین کی خواہش اور حکم کے مطابق، اس بارِ گراں کو اٹھانے پر مجبور ہوا، حالانکہ ہمت ساتھ نہیں دے رہی تھی، تاہم تائید غیبی سے حوصلہ ہوا۔

اگر میرے سامنے ہمارے معتقدین کی تفاسیر و تشریحات نہ ہوتیں، جن کی قرآنی خدمت ہمارے لئے علمی خزانہ ہے جنہوں نے قرآن کی ہر زاویہ سے تشریح کی، زیرِ نظر مختصر تشریح و توضیح، انہیں علمائے کرام اور مفسرین کی خوشہ چینی ہے۔

اگرچہ اس میں کوئی خوبی پائی جائے، تو یہ انہیں اکابرینِ ملت کا طفیل اور تحفہ ہے اور اگر کوئی کمی یا خامی پائی جائے تو یہ میری اپنی کم علمی اور کم مائیگی کا نتیجہ ہے۔

باوجود احتیاط کے، اگر کوئی غلطی، اظہارِ بیان، مفہوم و معنیٰ اور مطالب میں ہوگئی ہے تو میں اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرتا ہوں۔

باوجود احتیاط کے بشری تقصیر کی وجہ سے ترجمہ قرآن اور تشریح میں بھی غلطی، کوتاہی اور نقص کا بھی امکان باقی رہتا ہے، اس بناء پر اہلِ دانش اور اربابِ ذی علم سے میری درخواست ہے کہ انہیں اس ترجمہ، تشریح و توضیحات، معنیٰ و مفہوم میں کوئی فروگزاشت نظر آئے، تو ضرور مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں ان استدراکات سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔

آخر میں جناب انور صاحب، بدر الغازی صاحب اور محمد جاوید اقبال صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کے ذریعہ سے یہ کتاب منظرِ عام پر آئی، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے اور ہر پریشانی سے نجات دے۔

دعا فرمایئے اللہ میری اس کاوش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور تفسیرِ عزیزی کی اشاعت کا ثواب میرے والدین کے اعمال میں ثبت فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

احقر العباد

محمد لقیط خان عفی عنہ

۱۹؍ رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ

یوم پیر

۱۸/۹۲۷ سمن آباد، فیڈرل بی ایریا کراچی، پاکستان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُلِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی

احوالِ واقعی

اَلۡحَمۡدُلِلّٰہِ !تفسیر عزیزی کا پارہ تِلۡكَ الرُّسُلُ (۳) اشاعت وطباعت کے مرحلے سے گذر کر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ ذوقِ قرآن فہمی کو اُجاگر کرنے کی سمت، میری تحریر اور کوشش کو آپ نے بہ نظرِ تحسین دیکھا، آپ کی کرم نوازی اور عنایت کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

اے ربِّ جلیل! یہ محض آپ کا فضلِ عظیم اور کرمِ عمیم ہے یہ آپ کی رحمتِ بے پایاں ہے کہ آپ نے اس عاجز ناچیز، بے مایۂ علم وعمل کو ایک والہانہ ذوق وشوق عطا فرما کر تفسیرِ عزیزی کو مرتّب کرنے کی توفیق وسعادت نصیب فرمائی۔

یاذُوالجلال والاکرام! اپنے الطاف ونوازش سے اس تالیف کو بھی اپنی مُربّیانہ بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرما! آمین

یااللہ! جن دیگر نفوسِ قدسیہ کی متبرّک تصانیف سے میں نے اِستفادہ کیا ہے اُن کی ارواح پاک پر اپنی خاص رحمتوں کا دائمانُزول فرماتے رہیے! اور ان سب کو اپنے مقاماتِ قرب ورضا میں بلند درجات عطا فرمایئے۔ آمین

یااللہ! اس تفسیر کے مطالعہ کرنے والوں کو بھی اس کے تمام تر علمی وعملی ذخائر سے بہرہ اندوز فرمایئے اور اطاعت باری تعالیٰ اور اتباعِ اسوۂ رسول حضرت محمد ﷺ کی توفیق عطا فرمایئے۔ آمین

تفسیرِ عزیزی کی اشاعت وترتیب میں جن احباب نے میری رہنمائی کی، مفید مشوروں سے حوصلہ بخشا اور جنہوں نے فکری اور عملی طور پر میری ہمّت افزائی کی اُن کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جزاک اللہ

آخر میں اُن تمام بزرگوں، احباب واغیار کا شکر گذار ہوں جنہوں نے میرے کام میں رہنمائی فرمائی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُدَعۡوَانَااَنِ الۡحَمۡدُلِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ

احقر العباد

محمد لقیط خان عفرلہٗ

الرقوم ۷رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ یوم جمعۃ المبارک

مطابق ۲۱ر اکتوبر ۲۰۰۴ء

۹/۹۲۷ سمن آباد فیڈرل بی ایریا کراچی پاکستان

حرفِ چند

نام	:	محمد لقیط خان
ولدیت	:	مولوی عبد البسیط خانؒ
جائے پیدائش	:	حیدر آباد دکن
وطن	:	کوٹ، فتح پور ہسوہ، یو پی، ہندوستان
تعلیم	:	ایم بی اے۔ ایم اے۔ ایل ایل بی
فیضِ تربیت	:	حضرت مولانا مطلوب الرحمنؒ برادر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

خطیب / جنرل سیکریٹری مسجد اعظم ٹرسٹ، سی ایریا، لیاقت آباد کراچی۔
ناظمِ تعلیمات (جامعہ مدرسہ نور القرآن لیاقت آباد، کراچی)

اچھی تحریر ایک نعمت

''تحریر''

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

وَمَا كَاتِبٍ إِلَّا سَيَفْنٰى	ہر لکھنے والا عنقریب فنا ہوجائے گا
وَابْقَى الدَّهْرَ مَا كَتَبَ يَدَاهُ	لیکن لکھی ہوئی، شے ہمیشہ باقی رہے گی
فَلَا تَكْتُبْ بِكَفِّكَ غَيْرَ شَيْءٍ	تو تو، اپنے ہاتھ سے ایسی شئے کو تحریر کر
يَسُرُّكَ فِي الْقِيٰمَةِ أَنْ تَرَاهُ.	جسے تو روزِ قیامت دیکھ کر خوش ہوجائے

میری تحریر آپ کیلئے!

الحمدللہ، جو کچھ بیان کیا، وہی جو حق تھا، عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار ہے۔ میں نے، آپ کو دعوت دین دیکر حق کے ساتھ سوچنے کی دعوت کی تلقین کی ہے۔

اب فیصلہ آپ پر ہے کیا حق ہے اور کیا ناحق، آپ بخوبی جانتے ہیں حق بات کیا ہے اور ناحق بات کیا ہے، لیکن اپنے نفسانی خواہشات کی خاطر آپ حق بات چھپا کر غلط اور جھوٹی بات کرتے ہیں یہ تو بڑا جرم ہے۔ اللہ آپکا ضمیر روشن کرے، آپ کو ہدایت رحمت باری تعالیٰ مل جائے۔ آمین

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

الکاتب عزیز غلام بقلم خود

۱۴۲۵ھ

المرقوم ۲ر رجب المرجب

فہرست مضامین

سورۃ البقرۃ پارہ (٣) تِلۡکَ الرُّسُلُ

آیت نمبر	خلاصہ مضامین رمتن	صفحہ نمبر
	کے گواہ ہو۔	
۷۱	اہلِ کتاب سے خطاب ہے! کیوں حق کو باطل سے ملاتے ہو اور اس کو کیوں پوشیدہ رکھتے ہو!	
۷۲	منافق اہلِ کتاب کا ایک طریق! صبح دم ایمان لانا اور سرِ شام پھر جانا! اس آیت میں یہودیوں کے مکر کا ذکر ہے جس سے وہ مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے تھے یہ آپس میں ایک دوسرے	۸۵
۷۳	کو کہا کرتے تم بظاہر اسلام کا اقرار اور اظہار کرو، لیکن اپنے مذہب کے سوا کسی اور کی بات پر یقین مت رکھو آپ ﷺ فرما دیجئے ہدایت تو وہی ہے جو اللہ کی طرف سے ہو، فضل تو باری تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جسے چاہے عطا کر دے!	
۷۴	اللہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل و کرم سے مالا مال کر دیتا ہے اور چن لیتا ہے۔	
۷۵	یہود کے خائن اہلِ کتاب کا طریقہ عمل تو یہ ہے کہ وہ امانت میں خیانت کرتے ہیں یہودی لوگوں نے پرایا مال ہڑپ کر جانے کو وطیرہ بنا لیا تھا کہ غیر دین لوگوں کی امانت میں خیانت کرنے میں ہم پر کوئی گناہ نہیں، اللہ کا ارشاد ہے یہ اللہ پر بہتان ہے۔	
۷۶	وہ زعمِ باطل میں مبتلا ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا کوئی مُواخذہ نہ ہوگا! کیوں نہیں ہوگا؟ ان سے مُواخذہ ضرور ہوگا، پس جو تقوٰی اختیار کرے تو اللہ پرہیزگاروں سے محبت رکھتا ہے۔	
۷۷	جو لوگ دنیا کی حقیر دولت و ثروت کے لئے اللہ کے ساتھ اقرار اور عہد توڑتے ہیں ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں! روزِ قیامت اللہ ان سے بات بھی نہیں کرے گا اور وہ اللہ کی نظرِ عنایت سے محروم ہوں گے۔	۸۸
۷۸	اہلِ کتاب کی دنیاوی اُمور میں بددیانتی اور خیانت کا ذکر، اس آیت میں یہود کے اُن لوگوں کا تذکرہ ہے جنہوں نے تورات میں نہ صرف یہ کہ تبدیلی اور تحریف کی بلکہ اور بھی جُرم کے مرتکب ہوئے اوّل یہ کہ ایک تو زبان مروڑ کر کتاب پڑھتے ہیں جس سے عوام کو خلاف واقعہ تأثر دینے میں کامیابی پاتے ہیں، دوئم یہ کہ وہ خود ساختہ باتوں کو من عند اللہ منسوب کرتے ہیں۔	
۷۹	یہ نبی کا کام نہیں کہ اللہ کے بجائے اپنی بندگی کا حکم صادر کرے یہ عیسائیوں کے بارے میں کہا جا رہا ہے انہوں نے عیسیٰ کو خدا بنایا ہوا ہے، حالانکہ وہ ایک انسان تھے۔	
۸۰	نبیوں، فرشتوں یا کسی اور کو ربّ والی صفات کا حامل کہنا کفر کی بات ہے تمہارے مسلمان ہونے کے بعد	۸۹
	بھلا ایک نبی کام کس طرح کر سکتا ہے، نبی کا کام تو ایمان کی دعوت دینا ہے جو باری تعالیٰ کی وحدہٗ لاشریک کی عبادت کا نام ہے۔	
۸۱	اُنبیاء کا سچّا اقرار اور عہد یہ ہے کہ سب ایک ہی دین کے داعی ہیں، ہر نبی سے یہ وعدہ لیا گیا کہ اس کی زندگی اور دورِ نبوت میں، اگر دوسرا نبی آئے گا تو اس پر ایمان لانا، اور اس کے ساتھ معاونت ضروری ہوگی۔	۹۱
۸۲	آخری نبی کی تصدیق و نصرت کا سب سے اقرار، یہ اقرار نبیوں کے واسطے سے اُن کی اُمتوں پر لازم ہے اب کوئی فرد و بشر محمد ﷺ کی نصرت و تائید سے پھر جائے تو وہ فاسق ہی نہیں سراسر کافر ہے۔	
۸۳	مالک ارض و سماء کے اطاعت و حکم کے سامنے کائنات کی ہر شے سرافگندہ ہے خوشی سے یا اظہارِ ناخوشی سے اللہ کے ہر حکم کی تعمیل ہو رہی ہے اور ہر شے کو اللہ کی طرف پلٹ کر جانا ہے	
۸۴	تمام انبیاء نے دین صداقت کی راہ دکھائی ہے سب کی مساوی تصدیق امر لازم ہے کسی ایک کو الگ نہیں کیا جا سکتا، صحیفے، کتابیں یعنی کتب سماوی جو کہ واقعی ربّ کی طرف سے نازل ہوئی ان کی بابت عقیدہ رکھنا ضروری ہے۔	
۸۵	دین اسلام کے علاوہ جو اور دین کا مُتلاشی ہو، اس کا دین قابل قبول نہیں وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں شمار کیا جائے گا۔	
۸۶	ایمان لانے کے بعد، اسلام سے اِنحراف کرنے والے محرومِ ہدایت ہیں اللہ تعالیٰ بے انصاف لوگوں کو راہِ ہدایت نہیں دکھاتا۔	۹۵
۸۷	محرومِ ہدایت لوگ اور ظلم کرنے والوں پر اللہ کی لعنت ہے انہوں نے آخرت میں اپنے لئے دائمی عذاب چُن لیا ہے۔	
۸۸	نہ ان سے عذاب ہلکا ہوگا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔	
۸۹	ہاں! توبہ کی جائے اور اصلاحِ عمل کریں تو بے شک اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے، اس کی توبہ قابلِ قبول ہے۔	
۹۰	اس آیت میں سزا بتائی جا رہی ہے مرتد ہونے کے بعد تو اس کی توفیق سے محروم رہیں گے ان کی توبہ ہرگز ہرگز قبول نہیں کی جائے گی، یہ گمراہ لوگ ہیں۔	
۹۱	جو لوگ منکر ہوئے اور کفر کی حالت میں مر گئے تو عذاب سے نجات پانے کے لئے کوئی ان میں سے زمین پر سونا بھی دے ڈالے تو قابلِ قبول نہیں! یہ ایسا گناہ ہے کہ اس کی سزا بڑی سخت ہے۔	۹۶
	الحمدللہ پارہ تِلْكَ الرُّسُلُ اختتام پذیر ہوا	

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہم نے آسان کیا ،قرآن سمجھنے کے لئے
سو ہے کوئی جو سوچے سمجھے
(القرآن)

احادیث نبوی ﷺ

زَيِّنُوا الْقُرْآنَ بِاَصْوَاتِكُمْ

قرآن کواپنی اچھی آوازوں سے آراستہ کرو۔(ابوداود)

لِكُلِّ شَيْءٍ حلية و حِلية الْقُرْآن حسنُ الصَّوْتِ

ہر چیز کا ایک زیور ہے اور قرآن کا زیور خوش آوازی ہے۔

حَسِّنُوا الْقُرْآنَ بِاَصْوَاتِكُمْ فَاِنَّ الصَّوْتَ الْحَسَنَ يَزِيْدُ الْقُرْآنَ حُسْناً

قرآن کو اچھی آوازوں سے آراستہ کرو بے شک اچھی آواز قرآن کے حسن کو دوبالا کرتی ہے۔(داری)

اقرَؤُا الْقُرْآنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ وَاَصْوَاتِهَا

قرآن کو اہل عرب کے لب ولہجہ اور اُن کی آواز کے مطابق پڑھو۔(طبرانی/بیہقی)

مَنْ قَرَأَ مِنَ الْقُرْاٰنِ حَرْفًا فَلَهٗ عَشْرُ حَسَنَات

جس شخص نے قرآن کا ایک حرف پڑھا اُس کو ایک حرف کے بدلے میں دس نیکیاں ملیں گی۔

اَفْضَلُ الْعِبَادَةِ تِلَاوَةُ الْقُرْآن

جُملہ عبادتوں میں افضل عبادت تلاوت قرآن ہے

(کنز العمال)

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۟ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾

یہ سب رسول ہیں ہم نے اُن کو ایک دوسرے پر فضیلت بخشی، اِن میں سے ایسے بھی ہیں کہ اللہ جلِ شانہٗ نے جن سے کلام کیا اور بعضوں کے درجات/مرتبہ میں بلندی عطا کی اور حضرت مریم علیہا السلام کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روشن نشانیاں عطا کیں اُن کو روح القدس کے ذریعہ مدد پہنچائی، اور اگر اللہ چاہتا تو اُن کے بعد آنے والے، صاف حکم آجانے کے بعد وہ باہم جنگ نہ کر سکتے تھے، لیکن انہوں نے باہم اختلاف کیا، اُن میں سے کچھ تو ایمان لے آئے، اور کچھ انکاری/کافر ہو گئے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کی مَشیّت ہوتی تو یہ آپس میں نہ لڑتے لیکن اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے (ارادہ کرتا ہے) وہی کرتا ہے۔ (۲۵۳)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾

اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے، تم کو رزق دیا ہے اُس میں سے ہماری راہ میں خرچ کرتے رہو، اس سے قبل کہ وہ دن آئے، جس دن، لین دین/تجارت، یارانہ/دوستی اور کسی کی شفاعت کچھ کام نہ آئے گی، اور حق کا انکار کرنے والے ہی بڑے ظالم ہیں۔ (۲۵۴)

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿۲۵۵﴾

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں، وہ زندۂ جاوید ہے، سب کا تھامنے والا/کائنات کو سنبھالنے والا ہے، جسے نہ اُونگھ آئے اور نہ کبھی نیند طاری ہو، زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے اُسی کا ہے کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کی جناب میں سفارش لا سکے، وہ جانتا ہے جو ان کے سامنے ہے اور جو اُن کے پیچھے ہے سب کچھ اُسی کے علم میں ہے اللہ تعالیٰ کی چاہت کے بغیر اس کے علم میں سے کسی بھی چیز پر یہ لوگ حاوی نہیں ہو سکتے۔ اس کی کرسی کی وسعت نے زمین و آسمان کو گھیر رکھا ہے اور ان سب کی نگہبانی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نہ تھکتا ہے اور نہ اُکتاتا ہے، وہ تو بڑا اعالی شان اور جلیل القدر ہے۔ (۲۵۵)

الفاظ معانی آیت ۲۵۳ تا ۲۵۵

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ﴾ یہ سب رسول۔ ﴿فَضَّلْنَا﴾ ہم نے بزرگی دی، مصدر، قواعد کے مطابق فعل ماضی جمع متکلم۔ ﴿تِلْكَ﴾ اسم اشارہ ہے۔ ﴿هُمْ﴾ وہ، اُن کا۔ ﴿اٰتَيْنَا﴾ ہم نے دیا، ان کو مادہ اِیْتَـاءٌ ہے فعل ماضی جمع متکلم۔ ﴿رَفَعَ﴾ بلند کیا۔ ﴿الْبَيِّنٰتِ﴾ روشن نشانیاں، یہ بیان سے مشق ہے، بَیِّـنَة اس کا واحد۔ ﴿اِقْتَتَلَ﴾ اُس نے جنگ کی، فعل ماضی واحد مذکر غائب ﴿عَلٰى﴾ پر۔

﴿ مِنْ ﴾ سے۔ ﴿ لَوْ ﴾ اگر۔ ﴿ مَا ﴾ نہ،نہیں، ﴿ مَنْ ﴾ وہ شخص۔ ﴿ جَاءَتْ ﴾ وہ آئی، ماضی واحد مؤنث غائب کا صیغہ۔ ﴿ اَنْفِقُوْا ﴾ تم خرچ کرو، قواعد کے مطابق فعل امر حاضر جمع مذکر۔ ﴿ يَأْتِيَ ﴾ اِتیـان ، وہ آتا ہے، مضارع واحد مذکر غائب۔ ﴿ كُمْ ﴾ تم کو، اسم ضمیر متصل کا صیغہ۔ ﴿ بَيْعٌ ﴾ خرید و فروخت/سودا۔ ﴿ يَاَيُّهَا ﴾ اے مرد، حرف ندا ہے۔ ﴿ اَنْ ﴾ تا کہ، لِ واسطے، ﴿ خُلَّةٌ ﴾ یارانہ/دوستی اسم ہے۔ ﴿ اِلٰهٌ ﴾ معبود برحق۔ ﴿ حَيٌّ ﴾ زندۂ جاوید۔ ﴿ قَيُّوْمُ ﴾ تھامنے والا/ہمیشہ رہنے والا، اس کے لئے فنا و زوال نہیں ہے۔ ﴿ تَاْخُذُهٗ ﴾ پکڑتی ہے اُس کو۔ ﴿ سِنَةٌ ﴾ اُونگھ۔ ﴿ نَوْمٌ ﴾ نیند، اسم ہے۔ ﴿ عَلِيٌّ ﴾ اس کا مادّہ عـلـو سے ہے، افضل بلند مرتبہ والا، اللہ کا اسم ذات ہے۔ ﴿ اَلْعَظِيْمُ ﴾ جلیل القدر۔ ﴿ كُرْسِيُّهٗ ﴾ اکثر نے مُوْضِعُ قَدَمَيْنِ قدم رکھنے کی جگہ مراد لی ہے، بعض نے کرسی سے علم، بعض نے قدرت و عظمت، بعض نے بادشاہی، اور بعض نے عرش مراد لیا ہے۔

تَشرِیح وتَوضِیحَات آیت ۲۵۳ تا ۲۵۵

اِن آیاتِ بیّنات میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ یہ رسول ہیں ہم نے ایک دوسرے کو افضل کیا اور فضیلت دی اس سے پتہ چلا کہ انبیاء علیہم السلام کے مراتب اور درجات جداگانہ ہیں بعض حضرات سے بعض کو فضیلت اور افضلیت ہے اگر چہ نبوت میں کوئی تفرقہ نہیں وصفِ نبوّت میں شریک یکے بعد دیگر ہیں مگر خصائص و کمالات میں درجات الگ الگ ہیں یہی اس آیتِ مبارکہ کا مفہوم ہے۔
(بحوالہ خازن و مدارک)

تِلْكَ الرُّسُلُ: یہ سب رسول ہیں فرما کر حضرت محمد ﷺ کو ایک طرح سے تسلّی دینا مقصود ہے کیونکہ آپ ﷺ کی رسالت دلیل سے ثابت تھی بے شک آپ ﷺ تو رسولوں میں ہیں بیان کیا گیا پھر یہ منکرین نہ مانتے تھے آپ ﷺ کو اس کا قدرے رنج و ملال تھا اس لئے باری تعالیٰ نے یہ بات سنادی کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف ادوار میں نبی اور رسول مبعوث فرمائے اور پیغمبر علیہم السلام مختلف درجوں کے گذرے ہیں کسی نے موافقت اختیار کی، اور کسی نے مخالفت کا رویّہ اختیار کیا اور اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہوتی ہیں گو کہ ہر شخص پر یہ ظاہر نہ ہوں مگر اتنا عقیدہ رکھنا لازمی ہے کہ کوئی حکمت ضرور ہے۔ اس موضوع کا اظہار پارہ نمبر ۱۵ سُبْحٰنَ الَّذِیْ سورۂ بنی اسرائیل آیت ۵۵ میں آیا ہے۔

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ

''اور ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض پر بہتری اور برتری دی ہے'' (آیت ۵۵ بنی اسرائیل)

بعض نبیوں کی بعض پر فضیلت اور تمام پیغمبروں پر حضرت محمد ﷺ کی افضلیت اور شرفِ مسلّمہ، اہلِ سنّت کا مُتَّفِقہ عقیدہ ہے جو کتاب و سنّت سے ثابت ہے۔ (بحوالہ فتح القدیر)

بعض کو بعض پر کسی نہ کسی نوعیت سے برتری ملی' جیسا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو شرفِ ''ہمکلامی'' عطا ہوا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کُھلے مُعجزات سے سرفراز کیا گیا اور رُوح القُدس (حضرت جبریل امین علیہ السلام) سے ان کی تائید کی، نبی اکرم ﷺ پر رسالت کا خاتمہ ہوا، تاہم اس کے بعد بھی خلفاء اور علماء عظام کے ذریعہ دعوتِ حق اور اَمر بِالمعْرُوف و نَہی عَنِ المُنْکَر کا سلسلہ جاری و ساری رکھا گیا' یہ سب کچھ کس لئے کیا گیا؟ اس کا جواب تو یہ ہے کہ لوگ اللہ جلِ شانہٗ کے پسندیدہ راستے پر چلیں، چونکہ باری تعالیٰ نے

ہدایت اور گمراہی دونوں طریق کی نشاندہی کر کے دعوتِ عام دے دی ہے کوئی راہِ حق کو اپنا کر مؤمن کی صف میں آ جاتا ہے اور کوئی گمراہی اور کُفر اختیار کر کے کافر بن جاتا ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو فطرت بشریت میں اختلاف اور مخالفت کا مادّہ نہ ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ انسان کو ہر راہ اختیار کرنے کی مکمل آزادی ہے۔

آیت ۲۵۴ میں مذکور ہے اے ایمان والو! ان چیزوں میں سے خرچ کرو جو ہم نے تم کو دی ہیں قبل اس کے وہ دن آ جائے یعنی (قیامت) اس میں نہ تو اعمالِ خیر کا بدلہ ممکن ہے اور نہ اس میں لین دین، کاروبار ہوگا اور نہ ایسی دوستی کے امکانات ہیں کہ کوئی تم کو اپنے اعمال نیک دے اور اللہ تعالیٰ کے اِذن کے بغیر کسی کی بھی کوئی سفارش نہیں ہونے کی یہ تو کافر ہی لوگ ہیں جو ظلم کرتے ہیں، اس آیت میں اِنفاقِ مال کا ذکر ہے۔ گویا ابھی وقتِ عمل باقی ہے ابھی نیک عمل کرنے کی مُہلت ہے ورنہ آخرت میں تو نہ عمل اور نہ کوئی دوستی کا سہارا رہتا ہے۔ نہ کوئی سفارش کام آئے گی اور نہ کوئی سفارش سے چھڑا سکے گا جب تک کہ پکڑنے والا نہ چھوڑے، کسی کی بات نہیں بنے گی۔

آیت ۲۵۵ میں اظہارِ بیان ہے کہ اللہ جلِ شانہٗ کی الوہیت اور اس کی توحید کیا ہے! اس کو آیت الکرسی[1] کہتے ہیں احادیثِ مبارکہ میں اس کی خاصی فضیلتیں بیان ہوئی ہیں آیت الکرسی قرآنِ مجید کی عظیم ترین آیت ہے رسول اللہ ﷺ نے آیت الکرسی کو سب آیات سے افضل فرمایا۔ (بروایت مسندِ احمد)

روای حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ سورۃ البقرۃ میں ایک ایسی عظیم آیت ہے جس کو جس گھر میں پڑھا جائے شیطان وہاں سے بھاگ نکلتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کی ذات، توحید اور صفات کا بیان ایک عجیب انداز، اور پُر کیف طور پر بیان کیا گیا ہے: جس میں باری تعالیٰ کا موجود ہونا، زندہ ہونا، شاہد ہے، اس کی صفات سمیع وبصیر کی توضیح ہے تمام کائنات کا کلی بااختیار ہونا، خالق ومالک ہونا صاحبِ عظمت وجلال ہونا یہ سب اللہ کی خوبیاں ہیں اس کے آگے کوئی بغیر اس کی اجازت کے کلام کرنے کا اختیار نہیں رکھتا، اس آیت میں دس جملے ہیں جو بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ لفظ اللہ اسمِ ذات ہے وہ ذات جو تمام کمالات کی جامع ہے اور تمام نقائص سے مبرا اور پاک ہے۔

اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کے اسمائے مبارکہ ہیں حیٌّ قیوم، جو زندہ اور سب کا تھامنے والا ہے اکثر مفسرین نے اس کو ''اسمِ اعظم'' بتایا ہے، خلیفہ چہارم امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں میں نے ایک وقت چاہا کہ سرکارِ دوعالم ﷺ کو دیکھوں کہ آپ ﷺ کیا اُمور سرانجام دے رہے ہیں قریب پہنچا تو میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ حالتِ سجدہ میں ہیں بار بار یَا حَیُّ یَا قَیُّوۡمُ پڑھ رہے ہیں۔ سبحان اللہ، لفظ قیوم کے معنیٰ سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ سارے آسمانوں اور زمینوں کا اور ان میں سمانے والی کُل کائنات کو تھامے اور سنبھالے ہوئے ہے۔

اِس گُفتگو کا ماحَصل یہ ہوا کہ دنیا وآخرت کا واحد مالک اللہ سبحانہٗ تعالیٰ ہے، اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اس کی حکومت و حکمت سے عالمین کا کوئی گوشہ پوشیدہ اور باہر نہیں، اس کا علم ظاہر وباطن پر مُحیط ہے، اللہ نسیان سے پاک ہے اس کو نہ تو اُونگھ دباتی ہے اور نہ نیند[2] طاری ہوتی ہے کون ہے جو اس کے حضور، اس کے اِذن کے بغیر سفارش کر سکے، جو کچھ دنیا والوں، اور مخلوق کُل سے او جھل ہے اللہ تعالیٰ اس سے بھی واقف ہے۔ اس کی حکومت زمین وآسمان پر چھائی ہوئی ہے وہی عالی مرتبت اور بزرگ وبرتر ذات والا ہے۔

۱: آیت الکرسی کے پڑھنے سے رات کو شیطان سے امان ملتی ہے ہر فرض نماز کے بعد پڑھنے کی بڑی فضیلت ہے (بحوالہ ابن کثیر) ۲: یہ ان کے خیال وافکار کی تردید ہے مثال کے طور پر بائیبل کا یہ بیان کہ اللہ تعالیٰ نے چھ دن میں زمین وآسمان کی تخلیق کی اور ساتویں دن آرام کیا۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ڐ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

دین کے بارے میں کسی پر کوئی زبردستی نہیں، ہدایت واضح طور پر، گمراہی سے جُدا ہو کر صاف طور پر روشن ہو چکی ہے تو جو شیطان /طاغوت کو نہ مانے، اور اللہ پر ایمان لائے تو اس نے بڑی مضبوطی سے سہارا تھام لیا، جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں، اور اللہ جل شانہٗ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔ (۲۵۶)

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ڛ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰۗــــُٔــھُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

ایمان والوں کا حامی و مددگار اللہ جلِّ شانہٗ ہے وہ انہیں تاریکیوں سے نکال کر، نور کی طرف لے جاتا ہے اور کافروں کے حمایتی/رفیق شیطان ہیں وہ انہیں نور سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں۔ یہ آگ میں جانے والے لوگ ہیں اور ہمیشہ اسی میں پڑے رہیں گے۔ (۲۵۷)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَاۗجَّ اِبْرٰھٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُـحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ۭ قَالَ اِبْرٰھٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

اے میرے محبوب ﷺ! کیا آپ نے نہ دیکھا تھا اُسے جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جھگڑا/حُجّت کی (اُن کے) ربّ کے بارے میں جب کہ اللہ نے اس کو سلطنت/بادشاہت دی، تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا میرا ربّ تو وہ ہے جس کے دائرۂ اختیار میں زندگی اور موت ہے تو اس نے جواب دیا، میں بھی مارتا اور جلاتا ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا اللہ جل شانہٗ سورج کو مشرق کی سمت سے نکالتا ہے تم اُسے مغرب کی سمت سے نکال لاؤ، یہ سن کر کافر ششدر رہ گیا، اُس کے ہوش اُڑ گئے اور اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو راہِ ہدایت نہیں دکھایا کرتا۔ (۲۵۸)

الفاظ و معانی آیت ۲۵۶ تا ۲۵۸

﴿ اِكْرَاهَ ﴾ زبردستی کرنا، مصدر ہے۔ ﴿ قَدْ ﴾ کبھی/تحقیق۔ ﴿ تَبَيَّنَ ﴾ وہ ظاہر ہوا قواعد کے مطابق فعل ماضی قریب۔ ﴿ رُشْدُ ﴾ ہدایت، مصدر ہے۔ ﴿ الْغَيِّ ﴾ گمراہی/ضلالت۔ ﴿ طَاغُوْتِ ﴾ لغت کے معنیٰ کے لحاظ سے، ہر اس شخص کو طاغوت کہا جائے گا جو اپنی جائز حدود سے بڑھ جائے قرآن کی اصطلاح کے مطابق طاغوت سے مراد وہ بندہ ہے جو بندگی کی حدود سے بڑھ جائے خود خداوند ہونے کا دعویٰ کرے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں سے اپنی بندگی کرائے، اللہ تعالیٰ کے مقابل ایک بندے کی سرکشی کے تین پہلو ہیں۔

اوّل...... یہ کہ بندہ اصولی طور پر اطاعت کو تسلیم کرے، مگر عملی طور پر باری تعالیٰ کے احکامات پر عمل نہ کرے، یہ تو فسق کہلاتا ہے۔

دوئم...... یہ کہ اس کی اطاعت سے اصولاً انکار کرے، اور خود مُختار بن جائے، اس کے سوا کسی اور کی بندگی کرنے لگے یہ کُفر ہے۔

سوئم...... یہ کہ وہ اپنے مالکِ حقیقی سے باغی، سرکش ہوکر اس کے ملک، اس کی رعیّت میں اپنا حکم جاری کرے، اس آخری مرحلے پر جو بندہ پہنچ جائے اسی کا نام طاغوت ہے، کوئی فرد بندہ مؤمن صحیح معنوں میں نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ طاغوت کا انکاری نہ ہوجائے۔﴿ قَدِ اسْتَمْسَكَ ﴾ اُس نے مضبوطی سے تھام لیا، فعلِ ماضی قریب۔﴿ عُرْوَةِ ﴾ دستہ/کسی چیز کا قبضہ، حلقہ/کڑا۔﴿ وُثْقٰی ﴾ مضبوط۔﴿ اِنْفِصَامَ ﴾ ٹوٹنا، مصدر ہے۔﴿ سَمِیْعٌ ﴾ سننے والا۔﴿ عَلِیْمٌ ﴾ جاننے والا۔﴿ وَلِیُّ ﴾ ولی اس کا واحد ہے حمایتی/مددگار، اسم ہے﴿ اَلَمْ تَرَ ﴾ تونے نہیں دیکھا، فعل ماضی۔﴿ اُولٰٓئِكَ ﴾ وہ لوگ، اِسمِ اشارہ ہے۔﴿ اِذْ ﴾ جب/اسم ظرف ہے ماضی کے معنوں میں آتا ہے۔﴿ فَبُهِتَ ﴾ پس حیران/ششدر رہ گیا۔

تشریح وتوضیحات آیت ۲۵۶ تا ۲۵۸

ان آیاتِ مبارکہ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ دینِ اسلام کے قبول کرنے میں زبردستی نہیں، ہدایت یقینی طور پر گُمراہی سے ممتاز ہوگئی ہے اسلام کا برحق ہونا دلائل سے پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا ہے، ہدایت وضلالت اور دین واعتقاد کے سلسلے میں جبر فطری عُنصر نہیں، دین اور اسلام کی راہِ عمل، دراصل دل کے اعتقاد اور یقین کے پانے کی راہ ہے جو شخص طاغوت سے بدعقیدہ ہوا اور اللہ کے ساتھ خوش اعتقادی کے ساتھ اسلام قبول کرلیا گویا اُس نے بڑا مضبوط اور عظیم حلقہ تھام لیا جو کسی بھی طرح ٹوٹنے کا نہیں۔

اسلام کے اس طرزِ فکر وعمل سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ وہ جہاد اور قتال سے لوگوں کو ایمان قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتا، بلکہ اس کے ذریعۂ دعوتِ اسلام کا مُدّعا، دنیا میں ظلم وستم کو ختم کرکے، عدل وانصاف اور امن وامان کا قیام ہے واقعہ یہ ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک نصرانی بوڑھی عورت کو دعوتِ اسلام دی تو جواباً اس نے کہا ''میں ایک قریب المرگ بڑھیا ہوں'' آخری وقت میں کیا خاک مسلمان ہوں گی'' کے مطابق اب آخری وقت اپنا مذہب کیوں ترک کروں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ ''دین میں زبردستی نہیں''

حقیقتِ احوال تو یہی ہے کہ ایمان لانے کے بعد جُبر وزبردستی ممکن ہی نہیں' ایمان کا تعلق ظاہری اعضاء سے نہیں ہوا کرتا، بلکہ اس کا ربط اور تعلق دل کے ساتھ ہے۔ جبر اور زیادتی کا تعلق صرف ظاہری اعضاء سے ہوتا ہے بات یہی ہے جہاد اور قتال سے اعضاء اثر انداز ہوتے ہیں۔ گویا یہ بات پتہ چلی کہ ایمان کے قبول کرنے کے بعد جبر کسی طور ممکن ہی نہیں۔ (بحوالہ، قرطبی، تفسیر مظہری)

یہ بات ذہن نشین رہے کہ کُفر وشرک کے خاتمے اور باطل کے زور وقوت اور خاتمہ کے لئے جہاد[1] ایک الگ اور جبر واستبداد سے مختلف چیز ہے۔ احادیث مبارکہ میں آقا محمد ﷺ نے فرمایا۔

اَلْجِهَادُ مَاضٍ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ''جہاد قیامت تک جاری رہے گا''

''گویا اس سے یہ بات معلوم ہوتی کہ جہاد کا حکم اور اس کی ضرورت بھی قیامت تک رہے گی، خود حضرت محمد ﷺ نے کافروں اور مشرکوں سے جہاد کیا۔

آیت ۲۵۷ میں واضح بیان ہے کہ دعوتِ حق سچائی کا نور، اور روشنی کی کرن ہے اگر ظلم چھا جائے تو نور ورنگ کی روشنی سے اُجالا کیا

---

[1]: جہاد کا تذکرہ اس لئے ہوا کہ جہاد کی اجازت ہو، تاکہ ملک میں ظلم وتشدد نہ پھیلے، اہلِ قریش کا بڑا فتنہ یہی تھا کہ ظلم وزیادتی کے ساتھ دین اور اعتقاد کا فیصلہ کرنا چاہتے تھے، قرآن نے اس کے خلاف جنگ کا حکم صادر کیا۔

جائے بات یہی ہے ع وہ شمع اُجالا کس نے کیا، چالیس برس تک غاروں میں

اللہ تعالیٰ مددگار اور رفیق ہے جو ایمان لائے ان کو کُفر کی ظلمت سے نکال کر نورِ اسلام کی سمت لاتا ہے اور جو لوگ کُفر کرتے ہیں، ان کے ساتھی، شیاطین ہیں خواہ اُن کا تعلق انس/انسان سے ہو یا جنات سے ہو ان شیاطین کا کام یہ ہوتا ہے کہ روشنی سے ہٹا کر تاریکی کی سمت لے جاتے ہیں کُفر اختیار کرنے والے جہنمی ہیں اور یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔

آیت ۲۵۸ میں ارشاد ہے اے مخاطب کیا تم نے اس شخص کے حال پر غور نہیں کیا جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مباحثہ کیا تھا، اپنے ربّ کے وجود کے بارے میں اُس شخص سے مراد نمرود بن کنعان ہے جو عراق کا بادشاہ تھا سب سے پہلے سر پر تاج اسی نے رکھا تھا، جس قصّے کا یہاں ذکر ہے اس کی طرف کوئی اشارہ بائیبل میں تو نہیں ملتا، البتہ تلمُود میں یہ پورا قصہ بیان ہوا ہے۔ ذکر یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد، (آذر) نمرود کی سلطنت میں بڑے عہدے پر فائز تھے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جب شرک کی کُھلم کُھلا مخالفت کی اور دعوتِ توحید پھیلائی اور بُت خانے کے صنم کو توڑ ڈالا تو اُن کے والد نے خود بادشاہ کے سامنے یہ مقدمہ پیش کیا۔

نمرود بن کنعان کو چاہیئے تو یہ تھا کہ اللہ نے کُل زمین کی سلطنت دی تھی تو اللہ کا شکر ادا کرتا، لیکن اس نے فخر وتکبر کیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دریافت کرنے پر نمرود سے کہا کہ میرا ربّ ایسا ہے کہ وہ جلاتا ہے اور مارتا ہے گویا حیات وممات اسی کی دائرہ قدرت میں ہے نمرود نے کہا کہ یہ کام تو میں بھی کر سکتا ہوں، نمرود نے دو آدمیوں کو بلایا، اُن میں سے ایک کو قتل کر دیا اور دوسرے کو چھوڑ دیا، اور فخر وانبساط کے انداز میں کہا ''میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں'' کسی کو گرفتار کر کے چھوڑ دیتا ہوں یہ ''جلانا'' ہے اس کی نہایت ہی غیر معقول احمقانہ بات تھی۔ ذرا دیکھیئے تو سہی کہاں قتل کا ارتکاب کرنا اور چھوڑنا اور کہاں موت وزندگی کا معاملہ۔ زندگی اور موت پر قدرت صرف باری تعالیٰ کو ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا اچھا! تو سن میرا ربِّ جلیل آفتاب کو ہر روز مشرق سے نکالتا ہے اگر تیرا دعویٰ سچا ہے تو ایک ہی دن کی خاطر سورج کو مغرب کی طرف سے نکال کر دکھلا دے۔ اس پر اس کے ہوش اُڑ گئے تقاضا تو یہ تھا وہ ہدایت قبول کر لیتا مگر وہ اپنی گُمراہی پر قائم رہا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام دعوتِ حق کی تاثیر سے فتح مند ہوئے۔ بقول شاعرِ مشرق

ع کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی اقبالؔ

حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک ایسے شہنشاہ کے سامنے، جو اپنے عہد کا ایک بڑا طاغوت سمجھا جاتا تھا تنِ تنہا گئے تھے اور دعوتِ حق دی اور فتح وکامرانی سے ہمکنار ہوئے، مجھے کہنے کی اجازت دیجئے، بقول شاعرِ مشرق

ع آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا اقبالؔ

دعوتِ کہنے پر ستم ظریفی تو دیکھیئے[1] بادشاہ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام قید کر دیئے گئے دس دن جیل میں رہے، پھر بادشاہ کا فرمان صادر ہوا اُن کو زندہ جلانے کا، اور اُن کا آگ میں ڈالنے کا واقعہ پیش آیا، اس واقعہ کی تفصیل سورۃ انبیاء آیت ۶۸ پارہ ۱۷ اِقْتَرَبَ، سورۃ العنکبوت پارہ ۲۱ اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اور سورۃ الصافات پارہ ۲۳ وَمَالِیَ میں وضاحت سے بیان ہوئی ہے۔ ✿

---
[1] تلمُود میں یہ بیان مذکور ہے۔

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّ هِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ كَیْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۵۹﴾

یا پھر بطورِ مثال اُس شخص کو دیکھو، جس کا گذر اُس بستی پر ہوا، جو اپنی چھتوں پر گر چکی تھی، اُس نے کہا آبادی کے ہلاک ہو جانے کے بعد اللہ اُسے کیسے زندہ کرے گا، پس اللہ نے تو اس کی روح قبض کر لی، اور صد سال تک مُردہ پڑا رہا' پھر اسے اُٹھایا اور پوچھا کتنی مدت مُردہ پڑے رہے ہو کہنے لگا ایک یوم یا اس کا کچھ حصّہ، اللہ نے فرمایا، تجھے سو برس گذر گئے اب ذرا اپنے کھانے پینے کی چیزوں اور پانی کو دیکھو، اس میں کچھ تغیّر نہیں آیا / وہ گلی سڑی نہیں اور دیکھ لے اپنے گدھے کو، جو مر کر ہڈی کا چورا ہو گیا تیرے اس قصّہ کو ہم انسانوں کے لئے نمونہ بنانا چاہیں گے۔ اب دیکھ! اِس گدھے کی ہڈیاں کس طرح ہم اُن کو ترتیب دے کر اُس پر گوشت چڑھا کر کھال کا لباس پہنا دیتے ہیں جب یہ معاملہ اس پر ظاہر ہوا تو بول اُٹھا، میں خوب جان گیا اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ (۲۵۹)

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰی وَلٰكِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۶۰﴾

اور جب (حضرت) ابراہیم علیہ السلام نے کہا، اے میرے ربّ مجھے دیکھا دے' تو مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا، ربّ نے فرمایا کیا تجھے یقین نہیں، عرض کیا کیوں نہیں یقین تو خوب ہے مگر طمانیت قلب درکار ہے فرمایا باری تعالیٰ نے اچھا تم، چار پرندے لے آؤ اور اُن کو اپنے طرف مانوس کر لو پھر اُن کا ایک ایک جز (حصّہ) ایک ایک پہاڑ پر رکھ دیجئے، پھر انہیں پکارو، سب دوڑتے ہوئے آپ کے پاس آ جائیں گے۔ اور جان رکھو! اللہ تعالیٰ غلبہ والا اور حکمت والا ہے۔ (۲۶۰)

الفاظ و معانی آیت ۲۵۹ تا ۲۶۰

﴿ اَوْ ﴾ یا۔ ﴿ كَالَّذِیْ ﴾ اسی طرح۔ ﴿ مَرَّ ﴾ وہ گذرا فعل ماضی۔ ﴿ قَرْیَةٍ ﴾ گاؤں۔ ﴿ خَاوِیَةٌ ﴾ کھوکھلی، گری ہوئی خوَآءٌ اسم فاعل ہے۔ ﴿ عُرُوْش ﴾ چھت / تخت، اس کا واحد عرش ہے اسم ہے۔ ﴿ اَنّٰی ﴾ کیسے، کیونکہ۔ ﴿ لَبِثْتُ ﴾ ٹھہرا یا، مَصدر ہے ﴿ یَتَسَنَّهْ ﴾ سڑی گلی، فعل مضارِع ہے۔ ﴿ نَجْعَلَ ﴾ جَعَلَ ہم بنائیں گے، مضارع ہے۔ ﴿ نُنْشِزُهَا ﴾ ہم جوڑتے ہیں / ترتیب دیتے ہیں قواعد کے مطابق جمع متکلم مضارع حرکت دیتے ہیں / کس طرح ان کو رہا کرتے ہیں۔ ﴿ نَكْسُوْهَا ﴾ ہم گوشت چڑھاتے ہیں ﴿ اُدْعُ ﴾ آواز دو پکارو۔ ﴿ اُدْعُهُنَّ ﴾ بلاؤ اُن کو۔ ﴿ یَاْتِیْنَكَ ﴾ چلے جائیں گے۔ ﴿ سَعْیًا ﴾ ڈرتے ہوئے۔

تشریح و توضیحات آیت ۲۵۹ تا ۲۶۰

آیتِ مبارکہ ۲۵۹ میں اظہارِ بیان ہے کہ کیا تم کو اس طرح کے قِصّے کا کچھ علم ہے جیسے ایک شخص تھا ایک بستی پر اس کیفیّت میں

اس کا گذر ہوا کہ اس کے مکانات اپنی چھتوں پر گر گئے، چھتیں گریں پھر اُن پر دیواریں گر گئیں اُس بستی کے آدمی مر گئے۔ یہ شخص کون تھا اس کے بارے میں مختلف اقوال سامنے آتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ حضرت عُزیر علیہ السلام تھے۔ ایک ظالم بادشاہ جس کا نام بخت نصر[1] تھا اس نے بنی اسرائیل کی بستیاں تباہ کر ڈالیں مکانات مسمار کئے ان کو جلا دیا، قتلِ عام کیا، اور بستی ویران ہوگئی ایسی کسی بستی پر حضرت عزیر علیہ السلام کا گذر ہوا تو آپ کو زندگی کے مشاہدے کا احساس ہوا باری تعالیٰ نے انہیں ایک سو برس کے لئے موت کی آغوش میں ڈال کر یہ مشاہدہ کرایا۔

آیتِ مبارکہ ۲۶۰ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ اس وقت کے واقعہ کو یاد کرو جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے باری تعالیٰ کے حضور عرض کیا، اے میرے ربّ مجھ کو یہ دکھلا دیجئے کہ آپ مُردوں کو روزِ قیامت کس حال کس کیفیت میں زندہ کریں گے، مجھے آپ کے زندہ کرنے کا یقین تو ہے لیکن زندگی کے آثار کی مختلف صورتوں اور کیفیتوں کا ادراک نہیں اس لئے جی چاہتا ہے اس کو معلوم کیا جائے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم کے مطابق چار پرندے رجانور، مور، مرغا، کوّا اور کبوتر کو اچھی طرح شناخت کر کے ان کو اچھی طرح مانوس کرلیا۔ تب ذبح کر کے ان کا گوشت باہم ملا دیا پھر فاصلے سے دُور دُور پہاڑ کی چوٹیوں پر الگ الگ یہ ملا ہوا گوشت رکھ کر واپس آگئے اور اللہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اُن کو پکارا تو، فوراً ہڈی سے ہڈی، پَر سے پَر، خون سے خون، گوشت سے گوشت پیوست ہو کر سب زندہ ہو کر اپنی اپنی اصلی صورت اور ہیئت میں دوڑتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آموجود ہوئے۔ باری تعالیٰ نے فرمایا اے ابراہیم علیہ السلام! روزِ قیامت اسی طرح سب اجزا اور اجسام کو اکٹھا کر کے ایک دم سے اُن میں جان ڈال دوں گا۔ (بحوالہ تفسیر روح المعانی، بہ سندِ ابن المنذر بروایت حضرت حسن رضی اللہ عنہ)

❁❁

[1]: خیال کیا جاتا ہے وہ بیت المقدس تھا، جس کو ۵۸۶ ق۔م۔ تباہ کیا گیا تھا۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

جولوگ اپنا مال اللہ جل شانہٗ کی راہ میں صرف کرتے ہیں اُن کے مال کی مثال، اُس دانے جیسی ہے جس میں سے سات بالیاں اُگیں اور ہر بالی میں دانے ہوں سوسو، اور باری تعالیٰ جس مال کو چاہتا ہے کئی گنا بڑھا دیتا ہے اللہ تعالیٰ بڑی کشائش والا اور سب کچھ علم والا ہے۔ (۲۶۱)

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

جولوگ اپنا مال اللہ کے راستے میں صرف کرتے ہیں پھر اس کے بعد نہ تو احسان جتلاتے ہیں نہ کسی کو تکلیف/ایذا دیتے ہیں اُن کا اَجر اُن کے رَبِّ جلیل کے پاس (موجود) ہے نہ اُن کو کچھ خوف ہوگا، نہ کچھ وہ حُزن و مَلال میں رنجیدہ ہوں گے۔ (۲۶۲)

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۭ وَاللّٰهُ غَنِىٌّ حَلِيْمٌ ۝

نرمی سے بات رگفتگو کرنا، اُس صدقے سے افضل ہے جس کے بعد ایذا دی جائے اللہ تعالیٰ بے نیاز اور بُرد بار ہے۔ (۲۶۳)

الفاظ و معانی آیت ۲۶۱ تا ۲۶۳

﴿ حَبَّةٍ ﴾ ایک دانہ۔ ﴿ اَنْۢبَتَتْ ﴾ اُگیں رنکلیں۔ ﴿ سَنَابِلَ ﴾ بالیں۔ ﴿ يُضٰعِفُ ﴾ از ضعف، کئی گُنا اضافہ، فعل مضارع۔
﴿ مَنًّا ﴾ احسان جتانا۔ ﴿ اَذًى ﴾ تکلیف رایذا رسانی۔ ﴿ لَا يُتْبِعُوْنَ ﴾ اس کے پیچھے راس کے بعد۔

تشریح وتوضیحات آیت ۲۶۱ تا ۲۶۳

آیۂ مبارکہ ۲۶۱ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ جو اپنا مال و متاع اللہ جل شانہٗ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں وہ اس عظیم مقصد کی تکمیل کرتے ہیں جو اِنفاق فی سبیل اللہ کے دائرہ عمل میں ہے اگر اس کے معنیٰ کو یوں سمجھا جائے کہ صرف کرنا ہے مال کارِ خیر میں، مثلاً، جہاد میں، حج میں مساکین اور بیواؤں کی مدد کے طور پر یتیموں کی پرورش پر یا اپنے عزیز و اقارب کی مالی اعانت کے لئے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی فرد و بشر، ایک دانہ گندم کا زرخیز زمین میں بوئے جس سے گیہوں کا ایک پودا، نکلے جس میں سات خُوشے گندم کے پیدا ہوں اور ہر خُوشہ میں سوسو دانے ہوں تو معلوم یہ ہوا کہ اس دانے سے سات سو (۷۰۰) دانے حاصل ہو سکتے ہیں۔

احادیثِ مبارکہ میں مذکور ہے کہ ایک نیکی کا ثواب، اس کا دس گنا زیادہ ثواب ملتا ہے اور سات سو گنا بڑھ کر ملتا ہے حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ نے فرمایا کہ جہاد اور حج میں ایک درہم صرف کرنے کا اجر، سات سو درہم خرچ کرنے کے برابر ہے۔ (بحوالہ ابن کثیر/مسندِ احمد)

یہ بات ذہن نشین کرنے کی ہے کہ صالح اور نیک عمل، خاص طور پر انفاق فی سبیل اللہ کی زیادتی اور اضافہ اجر کے لئے تین شرائط ہیں

اوّل...... جو مال اللہ جلِ شانہٗ کی راہ میں خرچ کیا جاتا ہے وہ حلال اور پاک ہو۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ باری تعالیٰ حلال اور پاک کے سوا کسی چیز کو قبول نہیں فرماتا۔

دوئم...... یہ کہ خرچ کرنے والا نیک طینت اور صالح ہو نمود و نمائش کا طلب گار نہ ہو۔

سوئم...... یہ کہ جس پر مال خرچ کیا جائے وہ صدقہ کا اصل مستحق ہو۔

یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ آیت ۲۶۱ سے سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۸۳ تک، جس میں مجموعی طور پر کُل ۲۳ آیاتِ مبارکہ ہیں جن میں مالیات (Finance) سرمایہ کاری کے بارے میں خاص ہدایات اور احکامات ہیں اگر آج ماہر اقتصادیات ان پر کامل توجہ کے ساتھ غور وفکر کریں تو معاشی نظام اور اقتصادی ضرورت کا مسئلہ خود بخود حل ہو سکتا ہے کیا کہا جائے آج کی جدید دنیا، کائنات کے رنگ وبو میں کھو کر چار سو بھٹک رہی ہے کہیں نظام سرمایہ کاری (Capitlism) تو کہیں اشتراکیت (Socialism) کا نظام ہے اور ملکی معیشت شیرازہ کا بکھیرا ہے یہ کہنا بے موقع نہ ہوگا کہ ان جدید نظاموں کے ٹکراؤنے دنیا کو قتل وقتال اور جنگ وجدال کی لپیٹ میں لے لیا ہے اس سے نجات ممکن ہے بشرطیکہ دنیا اسلام کے معاشی پہلو پر سنجیدگی سے غور وفکر کرے، اسلامی تعلیمات نے واضح طور پر اپنی ضرورت سے فاضل مال کو اللہ کی رضا کی خاطر حاجت مندوں اور مفلس اور غریب لوگوں پر خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے جس کو اسلام نے صدقہ اور خیرات کا نام دیا ہے اور سود (ربٰو) (Interest) کے لین دین کو حرام قرار دے کر اس سے محفوظ رہنے کی ہدایت دی ہے۔

آیت ۲۶۲ میں بیان ہے کہ جو لوگ اللہ کے راستے میں مال خرچ کر کے احسان نہیں جتاتے اور نہ کوئی کلمہ تضحیک زبان سے ادا کرتے ہیں جس سے کسی کو آزار یا ایذا پہنچے اُن لوگوں کو اُن کے عمل کا اجر ملے گا، جو قیامت کے دن اُن کے ربِّ کریم کے یہاں موجود ہے ان کے لئے نہ تو کوئی خوف وخطر ہے نہ حزن وملال، اور نہ وہ مغموم ہوں گے، کیونکہ کسی کی عزتِ نفس کو مجروح کرنا اور احسان جتانا ایک جرم ہے۔ حضرت محمد ﷺ کا فرمان ہے۔

''قیامت والے دن اللہ تعالیٰ تین آدمیوں سے ہمکلام نہیں ہوگا اُن میں سے ایک احسان جتانے والا''

(بحوالہ مسلم شریف، کتاب الایمان)

آیت ۲۶۳ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ لوگوں سے نرم لہجہ میں بات کرنا اور ان کی غلطی پر درگزر کرنا اور عفو سے کام لینا ایک اَحْسن عمل ہے شفقت سے پوچھنا، دعائیہ کلمات ادا کرنا، لوگوں کی پردہ پوشی کرنا، حُسنِ سلوک کے ساتھ چشم پوشی سے کام لینا اور کوئی نازیبا بات زبان سے نہ کہنا اس صدقے سے افضل عمل ہے، جس کے بعد لوگوں کی تذلیل کی جائے یا ان کو کمتر سمجھا جائے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔

اَلْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ

''پاکیزہ بات صدقہ ہے'' (بحوالہ صحیح مسلم شریف کتاب الزکوٰۃ)

حدیث مبارکہ کے الفاظ ہیں

''تم کسی بھی نیکی کو حقیر مت جانو، اگرچہ اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملنا ہی کیوں نہ ہو'' (بحوالہ مسلم شریف کتاب البر)۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَاۗءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ

اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور ایذا دے کر، اس آدمی کی طرح اکارت/ضائع مت کرو جو اپنا مال محض لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے اور اللہ، اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتا، تو اس کی مثال، اُس چٹان کی مانند ہے جس پر کچھ مٹی کی پرت جمی ہو، پھر زُور سے، رحمتِ باراں برسے، تب تمام مٹی بہہ کر، چٹان صاف ہو جائے، ایسے ریاکاروں کی محنت کی کمائی، کچھ بھی ان کے ہاتھ نہیں لگتی اور اللہ تعالیٰ منکر قوم کو راہ ہدایت نہیں بتایا کرتا۔ (۲۶۴)

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ

اور اُن لوگوں کی مثال، جو اپنا مال، محض اللہ کی رضامندی کی طلب میں، دل جمعی اور خوشنودی سے خرچ کرتے ہیں اس باغ جیسی ہے جو کسی سطح مرتفع (اونچی زمین) پر ہو، اور زوردار رحمتِ باراں برسے، تو دوگنا پھل لائے اگر زُور کی بارش نہ ہو، پس ایک پھوار ہی کافی ہے تم جو کام کر رہے ہو، اللہ سب دیکھ رہا ہے۔ (۲۶۵)

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاۗءُ ښ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ

کیا تم میں کوئی یہ چاہتا ہے کہ اُس کا کھجور اور انگور کا ہرا بھرا باغ ہو جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں، اور اس کے لئے اس میں ہر طرح کے پھل ہوں، اور باغ والے کو ضعیفی/بڑھاپا آ چکا ہو، اور اس کے ننھے، ننھے/کم سن بچے بھی ہوں۔ اور یکا یک، اس باغ پر آگ بگولے والی آندھی آ پڑے، اور وہ جل کر خاکستر ہو جائے، اس طرح اللہ تعالیٰ تم کو اپنی آیتیں سمجھاتا/بتاتا ہے تاکہ تم دھیان کرو، سوچو! (۲۶۶)

الفاظ و معانی آیت ۲۶۴ تا آیت ۲۶۶

﴿لَا تُبْطِلُوْا﴾ آکارت نہ کرو/ضائع ربرباد نہ کرو۔ ﴿صَفْوَانٍ﴾ پتھر، چٹان، اسم ہے۔ ﴿تُرَابٌ﴾ مٹی۔ ﴿اَصَابَ﴾ برسے فعل ماضی ﴿وَابِلٌ﴾ تیز بارش۔ ﴿بِرَبْوَةٍ﴾ سطح مرتفع، اُونچی زمین کو کہتے ہیں ﴿صفوان﴾ سخت چٹان۔ ﴿اِبْتِغَاۗءَ﴾ طلب کرنا مانگنا۔ ﴿مَرْضَاتِ﴾ اظہار رضامندی۔ ﴿يَوَدُّ﴾ پسند کرتا ہے، چاہتا ہے، مضارع۔ ﴿اُكُلَ﴾ پھل۔ ﴿طَلٌّ﴾ شبنم، اُوس اسم ہے۔ ﴿اِحْتَرَقَتْ﴾ حرق، جل جائے، فعل ماضی مؤنث غائب کا صیغہ۔ ﴿اِعْصَارٌ﴾ تیز تند ہوا، آندھی کا بگولہ۔

تشریح و توضیحات آیت ۲۶۴ تا ۲۶۶

ان آیاتِ مبارکہ میں اظہار بیان ہے کہ صدقات اور خیرات کر کے اِحسان جتلانا، اور ایسا طرزِ تکلم اختیار کرنا جس سے دوسروں کے جذبات اور احساسات مجروح ہوں یہ قطعی ایمان والوں کا شیوہ نہیں! بلکہ یہ عمل تو منافق اور ریاکار کا ہے جو (بقیہ اگلے صفحہ پر)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۗ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۗ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۲۶۷﴾

اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ چیزوں سے خرچ کیا کرو، جو تم نے کمائی ہیں اور اُس میں سے بھی، جو کچھ ہم نے تم کو نکال کر دیا، ایسا نہ ہو کہ اللہ کی راہ میں دینے کے لئے خراب سے خراب چیز چھانٹنے کی کوشش کرنے لگو اور اگر تم کو ایسی ہی چیز دی جائے تو لینا گوارہ نہ کرو گے بجز اس کے کہ لیتے وقت آنکھیں بند کرلو، اور اس کو بھی نہ لو اور جان رکھو! اللہ کو کچھ بھی پرواہ نہیں، وہ تو بڑی خوبیوں والا ہے۔ (۲۶۷)

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۸﴾

شیطان تمہیں مفلسی کے خوف سے ڈراتا ہے اور بے حیائی/فحش باتوں پر اکساتا ہے اور اللہ تم سے اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے (۲۶۸)

(بقیہ گذشتہ صفحہ سے آگے) صرف دکھاوے کی خاطر مال خرچ کرتے ہیں۔ تمثیل یوں بتائی گئی کہ جس طرح پتھر پر مٹی دکھائی دیتی ہے اور جب بارانِ رحمت برستا ہے ابرِ کرم کے ساتھ، بارش کے قطرے اس خاک کے ذرّات کو بہا کر لے جاتے اور وہ پتھر یا چٹان صاف شفاف ہوجاتی ہے۔ جس طرح بارش اس پتھر کے لئے سودمند نہیں اس طرح ریاکار سے بھی صدقات اور خیرات کا فائدہ نہیں! اگر اس تمثیل میں بارش سے مراد، صدقات وخیرات لئے جائیں اور پتھر اور چٹان سے مطلب یہ لیا جائے جو نیت اور احساسِ جذبہ کی برائی ہے مٹی کی تہہ کو نیکی سمجھ لیا جائے تو ظاہری کیفیت ظاہر ہوجائے گی جس کے اندر نیت کی برائی پوشیدہ ہے بارش کا فطری عمل احساس اس باغ کی کھیتی میں زیرگی کا عمل[1] Pollination تیز تر اور کھیتی میں نشوونما بڑھے گی، گویا زرخیز زمین ہر حال میں خوب پھیلتی ہے اسی طرح پُرخلوص مؤمن کا صدقہ اور انفاق خواہ کم ہو یا زیادہ اللہ تعالیٰ اس کو خوب بڑھاتا ہے (بحوالہ قرطبی)

اِن آیاتِ مبارکہ میں ریاکاری کے نقصانات کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح ایک شخص باغ کا مالک ہو جس میں قسم قسم کے پھل ہوں اور جیسے آمدنی ہونے کے امکانات ہوں اور وہ شخص ضعیف ہوجائے اور اس کی اولادیں کم سن ہوں لیکن وہ شخص مطمئن ہے کہ اب وہ اپنی زندگی بھر کی محنت اور کمائی کا ثمر پائے گا لیکن ایک تیز بگولے کی زد میں آکر باغ جھلس جائے اور اس کی عمر بھر کا سرمایہ "ذرا سی دیر میں کیا ہوگیا زمانے کو" کے مصداق خاک کا ڈھیر بن جائے تو عزیزانِ گرامی! آپ کی توجّہ، مرکوز کرنے کی دعوت فکر اس میں مضمر ہے کہ ریاکار خرچ کرنے والوں کا یہی حال روزِ قیامت ہوگا نفاق اور فریب دہی کے سبب ان کے سارے عمل اکارت ہو جائیں گے ذرا غور تو فرمایئے یومِ قیامت ان کی حسرت ویاس، ندامت وشرمندگی، دل سوزی اور اندوہناک کیفیت کا کیا عالم ہوگا، اللہ اللہ، کیسی صورتِ حال ہوگی، قیامت کے روز نیکیوں کی شدت سے ضرورت ہوگی اور تو اور اب دوبارہ اعمال نیک کرنے کی مہلت اور فرصت کہاں ہوگی غور فرمایئے حضرت ابن عباسؓ اور امیر المؤمنین، حضرت عمر فاروقؓ نے اس مثال کا مصداق اُن لوگوں کو بتایا ہے جو تمام عمر نیکیاں کرتے رہتے ہیں اور آخری وقت شیطان کے مکروفریب میں پھنس کر اللہ کے نافرمان ہوجاتے ہیں جس سے تمام عمر کی نیکیاں رائیگاں ہوجاتی ہیں (بحوالہ صحیح بخاری شریف، کتاب التفسیر اور تفسیر ابن جریر طبری) اس طرح اللہ آیات بیان کرتا ہے تاکہ تم غور کرو؟

[1]: علم نباتات کی اصلاح میں اس کو عملِ زیرگی کہا جاتا ہے جس سے سائنسی علوم کے مطابق پودے کی نشوونماء ہوتی ہے اور پودے میں جو نشوونما ہوتی ہے اس کو سبز رنگ کا مادّہ کلوروفل کہا جاتا ہے۔

يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٢٦٩﴾	وہ جس کو چاہتا ہے حکمت/ دانائی عطا کرتا ہے اور جس کو حکمت ملی، درحقیقت بڑی دولت مل گئی۔ نصیحت کی بات تو وہ سمجھتے/ جانتے ہیں جن کو عقل ہوتی ہے۔ (۲۶۹)
وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿٢٧٠﴾	اور تم جتنا کچھ خرچ کرو یعنی خیرات دو، اس سے اور جو کچھ نذر مانو، اللہ تعالیٰ اس سے بہت خوب واقف ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔ (۲۷۰)

الفاظ و معانی آیت ۲۶۷ تا ۲۷۰

﴿ الْحِكْمَةَ ﴾ صحیح[1] بصیرت، صحیح قوت فیصلہ۔ ﴿ مَاكَسَبْتُمْ ﴾ جو کماتے ہو تم۔ ﴿ تَيَمَّمُوا ﴾ قصد کرنا، ارادہ کرنا/ چھانٹو۔ ﴿ تُغْمِضُوْا ﴾ آنکھیں بند کرلو، چشم پوشی کرو۔ ﴿ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴾ عقل والے۔

﴿ نَذْرٍ ﴾ نذر رمنّت کسی ایسی عبادت کو اپنے اوپر لاگو/ مکلّف کر لینے کو کہتے ہیں کہ اگر وہ عبادت اپنے اوپر واجب نہ کرے تو وہ عبادت اس پر لازم نہیں۔ (بحوالہ قرطبی) نذر خاص اللہ کے لئے ہوتی ہے اور یہ جائز ہے کہ اللہ کے لئے نذر کرے۔ حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ جو اللہ کے سوا کسی دوسرے کی منت مانے گا وہ مشرک ہے۔ پس واضح ہوا کہ مسلمان کو چاہئے کہ نذر رمنّت صرف اللہ کے نام کی مانے۔

﴿ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ ﴾ اور جسے عطا کی گئی حکمت، حِکْمَتْ کا مفہوم وہ علم صحیح ہے جو متحد و پُختہ اور پُر طاقت ہو کہ وہ انسانی ارادہ کو عمل خیر کی طرف راغب کرے، حقیقت تو یہ ہے کہ یہ باری تعالیٰ کا وہ احسان ہے جیسے قرآن نے خیر کثیر بیان کیا ہے اور دنیا کو متاعِ قلیل کہا گیا ہے اگر کوئی صاحب علم فہم وذکا، اُمراء اور دولت وغنی والوں سے اپنے آپ کو کمتر جانے تو یہ اس کی اپنی کم نگاہی تصوّر کی جائے گی، حِکْمَت سے مراد اکثر کے نزدیک عقل وفہم، قوت فیصلہ اور بعض کے نزدیک صرف سنت یا کتاب وسنت کا علم اور ادراک ہے۔ اس کی وضاحت حدیث صحیحین کے ایک مطالعہ سے واضح ہو جاتی ہے "دو شخصوں پر رشک کرنا جائز ہے ایک وہ جس کو رب نے مال دیا اور وہ اسے راہِ حق میں صَرف کرتا ہے دوسرا وہ جسے اللہ تعالیٰ نے حکمت عطا کی جس سے وہ فیصلے کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہے" (بحوالہ صحیح بخاری، باب الا غتباط فی الحلم والحکمت، بحوالہ مسلم شریف کتاب صلاۃ المسافرین)۔

تشریح و توضیحات آیت ۲۶۷ تا آیت ۲۷۰

آیتِ مبارکہ ۲۶۷ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ اے ایمان والو! نیک کام میں صرف کرو عمدہ چیز کو اپنی کمائی میں سے، طَيِّبًا سے مراد وہ پاک چیزیں ہیں جو عمدہ بھی ہوں اور حلال بھی، اور جن کو حاصل کرنے کیلئے حلال طریقہ اختیار کیا گیا ہو کیونکہ اس طرح سے خرچ کرنے سے تین مقاصد کی تکمیل ہوتی ہے۔

اوّل......غریب کو نفع ملتا ہے۔

[1]: حکمت سے مراد قرآن حدیث اور فقہ کا علم ہے، تقویٰ نبوت۔ (بحوالہ مدارک، خازن)

دوئم......اپنے نفس کی اصلاح ہوتی ہے۔
سوئم......باری تعالیٰ کی رضا ملتی ہے۔

ارشاد ہے کہ گندی چیز یعنی خَبِیث چیزوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا ارادہ مت کرو کیونکہ جب تم نکمّی اور بُری چیز کو خود اپنے لئے پسند نہیں کرتے' تو اللہ کب اِن بُری چیزوں کو پسند کرے گا' تم دوسروں کے ساتھ وہی سلوک اور برتاؤ رکھو جو اپنے لئے چاہتے ہو۔

مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ

''جو چیزیں ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالی ان میں سے خرچ کرو''

اس میں اشارہ ہے ادائیگی عشر کا زمین پر عشر واجب ہے۔ اس آیت کے مفہوم پر امام ابو حنیفہؒ نے استدلال کیا کہ زمین کی ہر قلیل وکثیر پیداوار پر عُشر واجب ہے۔

آیت ۲۶۸ میں واضح بیان ہے کہ جب کسی کے دل میں گمان آجائے، کہ اگر خیرات کروں گا تو مُفلس اور قلّاش ہو جاؤں گا گویا شیطان طرح طرح کے وسوسے ڈال کر راہِ حق میں خرچ کرنے سے روکتا ہے اور تمہیں فُحش باتوں کا حکم دیتا ہے غور طلب بات تو یہ ہے قرآن نے بُخل کو فَحْشَآءِ، سخت بے حیائی رب غیرتی کے لفظ سے ''تعبیر'' کیا ہے حقیقت اور سچی بات تو یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر بے حیائی کی صورت کیا ہے کہ انسان خود تو عیش وطرب میں رہے اور اپنے مُفلس بھائی کی مدد کا اُس کو خیال تک نہ آئے۔ غریبوں کی مدد کی وجہ سے تم پر نعمتِ رِزق کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔ اگر یہ خیال غالب آجائے کہ صدقہ وخیرات سے گناہ معاف ہو جائیں گے اور مال میں برکت ہوگی تو سمجھ لیجئے / جانیئے یہ مضمون اللہ کی طرف سے آیا ہے۔ ربّ کا شکر بجالائے' اللہ کے خزانے میں کوئی کمی نہیں۔ اللہ نیت عمل کو جانتا ہے۔

آیتِ مبارکہ ۲۶۹ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے حکمت دیتا ہے اور جس کو حکمت ملی، درحقیقت اسے بڑی دولت مل گئی، انسان کی سمجھ بہت بڑی نعمت ہے جس کو دین کی سمجھ، حکمت ودانائی مل گئی اس کو اور کیا چاہیئے حکمت ودانائی انبیاء کی میراث ہے، اِنفاق، حکمت کے خزانے کی کلید (کُنجی) ہے۔

یُؤْتِی الْحِكْمَةَ مَنْ یَّشَآءُ قرآن مجید میں لفظ حکمت بار بار آیا ہے اور ہر مقام پر اس کی تفسیر میں مختلف مفہوم بیان کئے گئے ہیں۔ تفسیر بحرِ محیط میں تقریباً ۳۰ تیس اقوال کو مفسرین کرام نے یکجا کر کے اس کی وضاحت کی ہے۔ سورۃ البقرۃ آیت ۲۵۱ پارہ ۲ سے قول

وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا یَشَآءُ

''اور اللہ نے اُسے سلطنت سے نوازا اور جن جن چیزوں کا چاہا اس کو علم دیا''

بحرِ محیط میں آیت ۲۵۱ جو حضرت داؤد علیہ السلام سے متعلق ہے۔ بیان کیا گیا کہ حکمت کا اصل مفہوم ہر شے کو اس کے محل میں رکھنے کے ہیں اور اس کا کام صرف نبُوّت سے ممکن ہے۔ اس لئے یہاں حکمت کی تفسیر نبُوّت سے کی گئی ہے۔

مُفرداتِ قرآن میں امام رَاغِب اصفہانیؒ رقم طراز ہیں کہ لفظ حکمت جب اللہ کیلئے استعمال کیا جائے تو معانی تمام اشیاء کی پوری معرفت اور مستحکم ایجاد کے ہوتے ہیں اور جب غیر اللہ کی طرف اس کی نسبت کی جاتی ہے تو موجودات کی صحیح معرفت اور اس کے مطابق عمل لیا جاتا ہے۔ گویا اسی مفہوم کی تعبیریں مختلف اندازِ فکر سے مختلف الفاظ میں کی گئی ہیں کسی مقام پر اس سے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۲۷۱﴾

اگر تم صدقے/خیرات کو ظاہر کر دو تو وہ بھی بہتر ہے اور اگر چھپا کر، مخفی طور پر، اور حاجت مند کو جا کر پہنچا دو تو یہ تمہارے لئے اور بھی بہتر ہے اور صدقہ کی برکت سے، اللہ تمہارے گناہوں کو دور کر دے گا (مٹا دے گا) اور تمہارے سب کاموں کی اللہ کو خبر ہے (۲۷۱)

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنْفُسِكُمْ ۚ وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۚ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴿۲۷۲﴾

نہیں ہے آپ (ﷺ) کے ذمہ، اُن کو سیدھی راہ پر چلانا، لیکن کسی کو ہدایت پر لانا صرف اللہ تعالیٰ کے چاہنے سے ہوگا، اور جو کچھ مال، تم خیرات میں خرچ کرو گے تو اس میں تمہاری اپنی منفعت ہے اور تم جو کچھ بھی خرچ کرو اللہ کی رضا چاہنے کی خاطر کرو اور جو کچھ خیرات تم دیتے رہو گے، اس کا اجر تمہیں پورا پورا دیا جائے گا۔ اور تم کبھی خسارے میں نہیں رہو گے۔ (۲۷۲)

(بقیہ گذشتہ صفحہ سے آگے) مراد، قرآن ہے کسی مقام پر حدیث مبارکہ کسی جگہ علم صحیح، کہیں عمل نیک، کہیں قولِ فیصل وصادق اور کہیں عقل سلیم، تو کہیں فِقہ فِی الدِّیْن مراد لی گئی ہے کہیں تو خشیۃُ اللّٰہ، حدیث مبارک کے الفاظ میں "گویا اس سے وضاحت ہوئی حکمت کی تفسیر صحابہؓ اور تابعین سے اور حدیث وسنت سے منقول ہے۔ بعض مفسرین کا تو خیال ہے کہ آیۃ زیرِ مطالعہ میں **یؤتی الحکمۃ** میں سب چیزیں مراد ہیں (بحوالہ بحر محیط جلد دوئم ۲)

آیت مبارکہ ۲۷۰ میں واضح بیان یہ ہے کہ جو کچھ تم خرچ کرو اور جس طرح بھی، جہاں کہیں خرچ کرو اور جیسی نذر مانو اور جس کے لئے مانو، باری تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے اور تمہاری نیّت کو ملحوظ رکھ کر ثواب وعذاب کا مستحق قرار دے گا نذر کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے۔

هو ما او جبه المكلف على نفسه ☆ من عبادات لو لم يو جبه يلزمه (بحوالہ قرطبی)

نذر یا منّت سے مراد یہ ہے آدمی اپنی کسی مراد کے پورا ہونے پر کسی ایسے صرف یا کسی ایسی خدمت کو اپنے اوپر ضروری سمجھے جو اس کے ذمّے فرض نہ ہو، بشرطیکہ وہ حلال اور جائز امر کی ہو اور اللہ سے طلب کی گئی ہو عمل کرنے کا عہد آدمی نے کیا ہو، وہ اللہ ہی کے لئے ہو تو اس کا پورا کرنا اَجر کا مُوجب ہے۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِى الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ

صدقات/ خیرات کے مستحق صرف وہ غرباء (محتاج) ہیں جو اللہ کی راہ میں (محصور) گھیر لئے گئے ہوں ملک میں آزادی سے چل پھر نہیں سکتے، ناداں لوگ ان کے دست سوال دراز نہ کرنے کے سبب، انہیں مال دار خیال کرتے ہیں، اے حبیب (ﷺ!) آپ ان کو ان کے چہرے سے پہچان لوگے، وہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے، اور تم جو کچھ بہتر سے بہتر خرچ کرو گے، اپنے مال میں سے، یقیناً اللہ تعالیٰ اُسے خوب جاننے والا ہے (۲۷۳)

الفاظ و معانی آیت ۲۷۱ تا ۲۷۳

﴿ تُبْدُوْا ﴾ ظاہر کرو، اِبْدَاءٌ، تم عیاں کرو سے مضارع۔ ﴿ فَنِعِمَّا ﴾ ف، پس نِعْمَّا، کیا ہی خوب ہے۔ ﴿ اَلْفُقَرَآءِ ﴾ اہلِ حاجت۔ ﴿ يُكَفِّرُ ﴾ دور کردے گا، مٹادے گا۔ ﴿ سَيِّاٰتِ ﴾ گناہ اس کا واحد، سَيِّئَةٌ، ہے اِسم ہے۔ ﴿ لَيْسَ ﴾ نہیں ہے۔ ﴿ اُحْصِرُوْا ﴾ محصور کئے گئے۔ ﴿ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴾ طاقت نہیں رکھتے۔ ﴿ يَحْسَبُ ﴾ گمان کرتا ہے/ خیال کرتا ہے۔ ﴿ اَلتَّعَفُّفِ ﴾ عفت سے کام لینا، نہ مانگنا، تھوڑی چیز پر اکتفا کرنا۔ ﴿ تَعْرِفُ ﴾ پہچان لینا۔ ﴿ سِيْمَا ﴾ چہرے، علامت، نشانی۔

تشریح و توضیحات آیت ۲۷۱ تا ۲۷۳

آیت ۲۷۱ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ اگر تم خیرات ظاہر، کر کے دو تو وہ بھی خوب ہے اور اگر مخفی طور پر چھپا کر دو تو یہ بھی بہت ہی بہتر عمل ہے اس آیت مبارکہ کی روشنی میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ مخفی انداز میں، صدقہ کرنا افضل ہے، سوائے ایسی صورت حال کے پیش نظر کہ دکھا کر/ ظاہر کر کے صدقہ دینے میں ترغیب کا پہلو ہو، مفسرین کی یہی رائے ہے کہ فرضی صدقات ظاہر کر کے دینا افضل ہے اور نفلی صدقات کو پوشیدہ رکھ کر دینا بہتر ہے۔ ایک قول جو حکمت و دانائی سے پر ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب سے منقول ہے نیکی تین خصائل کے بغیر مکمل نہیں ہوتی' نیکی کرنے میں پہل اور جلدی کی جائے، اُسے حقیر جانے اور مخفی رکھے، جب تم نے نیکی کرنے میں جلدی کی تو گویا اسے خوش نما بنا دیا، جب اسے حقیر جانا تو اس کی قدر و منزلت بڑھا دی اور جب اسے مخفی رکھا تو اسے پایۂ تکمیل تک پہنچا۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جن لوگوں کو قیامت کے روز، عرشِ الٰہی کا سایہ نصیب ہوگا، ان میں ایک شخص وہ بھی ہوگا جس نے اتنے پوشیدہ طریقہ سے صدقہ کیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو یہ خبر نہیں ہو کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا دیا۔

صدقہ میں مخفی انداز کی افضلیت کو اکثر علماء نے صرف نفلی صدقات تک محدود رکھا اور زکوٰۃ کی ادائیگی میں اظہار کو اچھا سمجھا ہے، لیکن قرآن کے مفہوم کے مطابق صدقات نافلہ اور واجبہ دونوں شامل ہیں۔ (بحوالہ ابن کثیر)

آیت مبارکہ ۲۷۲ میں واضح بیان ہے کہ اے حبیب (ﷺ) انہیں راہِ ہدایت پر لا کھڑا کرنا، آپ کے ذمہ لازم نہیں، آپ ﷺ بشیر و نذیر اور داعی بنا کر بھیجے گئے ہیں آپ کا فرض دعوت پر تمام ہو جاتا ہے اور اس سے زیادہ جہدِ فکر آپ پر ضروری نہیں، اللہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ پر چلاتا ہے۔ بات یہ ہے کہ انصار کے کئی عزیز و اقارب نے اسلام قبول نہیں کیا تھا، اور انصار اُن کی مدد بہر نوع کرنا چاہتے تھے لیکن

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾

اور جو لوگ اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ شب و روز، چُھپا چُھپا کر یا کُھلے طور پر، عیاں کر کے، اُن کیلئے، اُن کے رَبّ کے ہاں بڑا اَجر ہے اور اُن کو نہ کوئی خوف ہوگا نہ حزن اور وہ کبھی دُکھی نہ ہوں گے (۲۷۴)

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۚ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۚ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾

جو لوگ سود/ بیاج کھایا کرتے ہیں۔ وہ قیامت کے دن، اِس طرح کھڑے ہوں گے جیسے کسی کو شیطان نے لپٹ کر/ چُھو کر، باؤلا مخبوط الحواس کر دیا ہو، یہ حالت ان کی اِس واسطے ہوگی، کہ انہوں نے کہا کہ تجارت/ لین دین کرنا بھی ویسا ہی ہے جیسا سُود/ بیاج، حالانکہ اللہ نے حلال کیا تجارت کو، اور سود کو حرام کیا۔ جس کو اس کے رَبّ کی طرف سے نصیحت پہنچ جائے وہ سود لینا چھوڑے جو پہلے ہو چکا سو ہو چکا، اور اُس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور جو کوئی بھی سود کھانے لگیں تو وہ لوگ جہنمی ہیں اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ (۲۷۵)

(گذشتہ صفحہ سے آگے) وہ سامان نہیں اس خیال سے ان کی مدد نہ کرتے اور از خود محمد ﷺ نے مسلمانوں کو تلقین کی کہ وہ مسلمان، حاجت مندوں کو اپنے صدقات دیں، لیکن قربان جایئے آقا ﷺ کی جانِ رسالت کے، رحمۃ للعالمین ہوتے ہوئے ان کے کُفر کے سبب ان کو بھوکا مرتے دیکھنا آپ ﷺ کو گوارہ نہ ہوا، چنانچہ اس آیت مبارکہ کے نزول کے بعد غیر مسلموں کو بھی صدقات دیئے گئے لیکن یہ بھی بات ذہن نشین رہے کہ یہ نفلی صدقات و خیرات کا حکم ہے جس کا ذِمّی کافر کو دینا جائز ہے زکوٰۃ مراد نہیں ہے کیونکہ وہ سوائے مسلمان کے کسی دوسرے کو دینا جائز نہیں۔ (بحوالہ تفسیر مظہری)

آیت کریمہ ۲۷۳ میں وضاحت سے بیان ہے کہ اصل میں مدد کے حق دار وہ تنگ دَست لوگ ہیں جو اللہ کے کاموں میں اس قدر مصروف ہیں کہ اپنی ذاتی کسبِ معاش کے لئے زمین میں کوئی دوڑ دھوپ بھی نہیں کر پاتے، گویا بتایا یہ گیا کہ صدقات کے صحیح مستحق وہ افراد ہیں جنہوں نے اپنی زندگی اور زندگی کا عمل خدمتِ دین کے لئے وقف کر رکھا ہے جن کو غمِ روزگار نہیں، بلکہ یوں کہیے انہیں اتنی فرصت کہاں کہ وہ اپنی معاش کی فکر میں مُنہمک رہیں یہ ایک حقیقت ہے کہ حضور ﷺ کے عہدِ رسالت میں قریب قریب تین چار سو ایسے مہاجر تھے جن کے پاس نہ مال تھا اور نہ سر چُھپانے کیلئے کوئی جگہ، اُن کی رہائش کے لئے مسجد میں حضور اکرم ﷺ نے ایک چھپرا بنوا دیا تھا فقر و فاقہ کشی کے باوجود عزّتِ نفس اور عِفّتِ مزاج اور خود داری کا یہ عالم کہ کسی کے سامنے سوال نہ کرتے، جیسے گزرتی، صَبر، تحمّل اور خاموشی کے ساتھ بسر کرتے۔ اس آیہ مبارکہ کے ذریعے باری تعالیٰ نے مسلمانوں کی توجّہ اس طرف (دلائی) مرکوز کی ہے کہ حکم ان ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اب جو بھی اس خدمت پر مامور ہے اور کسب معاش کے لئے فرصت نہیں ان کے متعلق یہی حکم ہے۔

اہلِ ایمان کی خوبی یہ ہے کہ فقر اور تنگ دستی میں دَستِ سوال دراز نہیں بلکہ سوال کرنے سے قدرے گریز کرتے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے جس کے پاس اتنا مال ہے جس سے اس کی کفالت ہو جائے اس کے باوجود وہ لوگوں سے سوال کرے تو روزِ قیامت اس کے چہرے پر زخم ہوں گے۔ (بحوالہ ترمذی شریف کتاب الزکوٰۃ)

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾	اللہ سبحانہ تعالیٰ سود/ بیاج کو مٹاتا ہے اور صدقہ کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے، گنہگار کو پسند نہیں فرماتا (۲۷۶)
اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾	بے شک جو لوگ ایمان لائے، اور نیک عمل کئے نمازوں کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ کی ادائیگی کرتے رہتے ہیں، ان کے لئے ان کے رَبّ کے پاس اَجر/ ثواب موجود ہے۔ انہیں نہ کوئی خوف ہے اور نہ کوئی حزن وملال، ہوگا (۲۷۷)

الفاظ ومعانی آیت ۲۷۴ تا آیت ۲۷۷

﴿ يُنْفِقُوْنَ ﴾ خرچ کرتے ہیں۔ ﴿ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً ﴾ پوشیدہ/مخفی اور ظاہر کھلا ہوا۔

﴿ اَلرِّبٰوا ﴾ لغت کے اعتبار سے اس کے معنی، اضافے اور زیادتی کے ہیں اصطلاح میں اس مقرّر کی ہوئی زیادتی کو ربا کہا جاتا ہے جو کسی رقم کی ادائیگی میں تاخیر کرنے پر ادا کی جاتی ہے شریعت اس کا نفاذ، ربا الفضل اور ربا النسیئۃ پر موَقوف ہے، ربا الفضل اس سود/ بیاج کو کہا جاتا ہے جس کی کئی اشکال ہیں۔ اس میں کمی واضافہ یا نقد وادھار کی وجہ سے ہوتا ہے احادیثِ مبارکہ میں اس کی تفصیل آتی ہے مثال اس کی یہ ہے کہ گیہوں کا تبادلہ گیہوں سے کرنا ہے تو بتایا یہ گیا کہ ایک تو مساوی، مساوی اور دوسرے ہاتھوں ہاتھ ہو، اس میں کمی وزیادتی ہو تب بھی اور ہاتھوں ہاتھ ہونے کے بجائے ایک نقد سودا ہو اور دوسرا ادھار یا قرض پر یا دونوں ہی ادھار ہوں تب بھی یہ سود/ بیاج ہے۔

﴿ ربا النسیئہ ﴾ کی مثال یوں سمجھئے کہ کسی کو چند ماہ کے لئے اس شرط پر صد (۱۰۰) روپے دینا کہ واپسی پر ۱۱۵ رقم طلب کی جائے یعنی ۱۰۰ روپے اَصل زر اور ۱۵ روپے اضافی رقم جو سود کہلاتی ہے گویا قرض/ اُدھار دینے کے بعد جو نفع ملا وہ سود ہے۔ (بحوالہ فیض القدیر شرح الجامع الصغیر۔ جلد پنجم)

كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ نَفْعًا فَهُوَ رِبًا

یاد رکھئے قرآن نے ہر ربا کو حرام قرار دیا ہے کہیں، آپ تجارتی سود لینے کی اجازت نہیں دکھا سکتے۔ ﴿ يَقُوْمُ الَّذِيْ ﴾ اٹھے گا وہ شخص۔ ﴿ يَتَخَبَّطُهُ ﴾ پاگل بنادیا ہوا اس کو، فعل مضارع ہے۔ ﴿ الْبَيْعَ ﴾ لین دین/ تجارت۔ ﴿ مَوْعِظَةٌ ﴾ کوئی نصیحت۔ ﴿ سَلَفَ ﴾ جو پہلے ہو چکا۔ ﴿ يَمْحَقُ ﴾ یہ محق سے ہے، وہ مٹاتا ہے فعل مضارع۔ ﴿ يُرْبِي ﴾ یہ ربٰو سے ہے وہ بڑھاتا ہے فعل مضارع۔

تشریح وتوضیحات آیت ۲۷۴ تا ۲۷۷

اِن آیاتِ بینات میں رِبا/ سود کی حُرمت اور اس کے احکامات کا بیان ہے یہ مسئلہ کئی نوعیتوں سے بڑی اُہمیت اور اَفادیت کا حامل ہے ایک طرف تو سود/ بیاج پر قرآن وسنت کی شدید مذمت آئی ہے اور اِن آیاتِ مبارکہ میں سود کو قطعی حرام قرار دیا گیا۔ حدیثِ مبارکہ میں حضرت محمد ﷺ نے سود کی یہ تعریف کی ہے۔

كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ نَفْعًا فَهُوَ رِبَا
''یعنی جو قرض نفع حاصل کرے وہ سود ہے''

اور وہ دورِ جدید میں، دوسری طرف دنیا کی معاشی اور اقتصادی صورت حال میں اس کا جزو لازم بن جاتا ہے اور سودی سرگرمیوں سے نجات کی مشکلات کا مسئلہ عجیب وغریب نوعیت کا حامل ہے اور مختلف صورتوں سے اس پر غور وفکر ضروری ہے پہلی ضروری بات تو یہ ہے کہ قرآن کی آیات کی صحیح تفسیر اور احادیثِ صحیحہ کے ارشادات پر غور وفکر کر کے یہ طے کرنا ہے کہ قرآن اور سنّت کی اصطلاح میں سود/ بیاج کیا ہے اور کن کن معاملات میں یہ ہماری طرزِ زندگی پر اَثر انداز ہے اور اس میں کس قسم کے نقصانات مُضمر ہیں۔

دوسری ضروری بات یہ کہ اس کی عملی اور اقتصادی کیا حیثیت ہے! کیا واقعی ایسا ہے کہ سود ایسی چیز ہے جو دنیا کی معاشی اور اقتصادی ترقی کا ضَامن ہے اور جس کو نظر انداز کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ تجارت اور عام مَعاشی ترقی کی تباہی اور بربادی ہو ہمیں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ سارا کا سارا معاملہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ اور آخرت سے بے نیاز، غَافل دماغوں کی اِختراع ہے۔

حقیقتِ احوال تو یہ ہے کہ اس کے بغیر بھی معاشی مسائل حل کئے جا سکتے ہیں یقین جانئے امن وامان کی بحالی اور اطمینان سود کے ترک کرنے پر ہے سود تو دنیا کے معاشی مسائل کے حل میں رکاوٹ ہے اور اقتصادی مصائب کا مُوجب سود ہے آیت ۲۷۵ کے پہلے جملے میں سود لینے والوں کے اَنجام پر اور روزِ حشر، ان کی رُسوائی، ضَلالت اور گمراہی کا تذکرہ ہے جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے روز اس طرح کھڑے ہوں گے جیسے کسی کو شیطان جن نے مس/ لپٹ کر، خبطی یا مخبوط الحواس کر دیا ہو، حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ کھڑے ہونے سے مراد بروزِ محشر قبر/ لحد سے اُٹھنا ہے سود لینے والا، جب قبر سے اٹھایا جائے گا تو اس دیوانہ اور مجنون کی طرح جس کو کسی شیطان نے ہراساں اور مدہوش کر دیا ہو اور یہ سزا اس لئے ہوگی کہ اس کا کہنا تھا، تجارت/ لین دین بھی سود کی مانند ہے۔

یہ بات بھی سمجھ میں آئی کہ جنّات وشیاطین کے اثر سے انسان، مدہوش، بے ہوش اور مجنون ہو سکتا ہے حافظ ابنِ قیم جوزیؒ رقمطراز ہیں کہ حکماء، اور فلاسفہ نے بھی اس کو مان لیا ہے کہ بے ہوشی اور جنون کی کیفیت کے کئی اسباب ہیں ان میں بسا اَوقات جنات وشیاطین کا اثر اور غلبہ بھی اس کا مُوجب ہے۔ اس کے بعد دوسرے جملے میں ''وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ'' جو شخص پھر سود کھانے لگے تو وہ جہنمی ہے۔ گویا یہ سود کھانے والوں اور لینے والوں کی سزا کا ذکر ہے اِن لوگوں نے دو جرم کا ارتکاب کیا ایک تو سود کے ذریعہ حرام مال کھایا، دوسرے اُس کو حلال سمجھا اور اس کو حرام کہنے والوں کے جواب در جواب میں یہ کہا کہ بیع/ تجارت بھی تو ربوا کی مثل ہے، ستم بالائے ستم تو دیکھئے! کہتے ہیں اگر سود حرام ہے تو بیع بھی حرام ہونی چاہئے۔

تیسرے جملے میں وضاحت ہوئی، اللہ کے حکم کے مطابق دونوں میں زمین وآسمان کا سا امتیاز ہے اللہ نے ایک کو حلال قرار دیا اور دوسرے کو حرام بھلا، دونوں یکساں/ مساوی کیونکر ہو سکتے ہیں۔

آیت ۲۷۶ میں اظہار بیان یہ ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں اور صدقات میں اضافہ کرتے ہیں یہاں سود کے ساتھ صَدقات کا ذکر، خاص اندازِ فکر کی دعوت دیتا ہے صدقہ میں تو بغیر کسی معاوضہ کے اپنا مال دوسروں کو دیا جاتا ہے اس کے برعکس سود میں بغیر کسی معاوضہ کے دوسرے کا مال لیا جاتا ہے صدقہ محض اللہ کی رضا اور ثوابِ آخرت کی خاطر ہے اور سود لینے والا اپنے موجودہ مال پر اضافہ کا خواہش مند ہے سود سے حاصل شدہ مال ررقم کو اس کی برکت سے مٹا دیتا ہے اور صدقہ سے اس میں برکت (بقیہ اگلے صفحہ پر)

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿۲۷۸﴾

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو، اور جو کچھ سود باقی رہ گیا ہے وہ چھوڑ دو۔ اگر تم واقعی ایمان والے ہو۔ (۲۷۸)

فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿۲۷۹﴾

پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا، تو سنو رسن لو، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔ اب بھی توبہ کرلو، (سود چھوڑ دو) تو تمہارے اصل مال تم کو ملیں گے (اصل مال کے تم حق دار ہو) نہ تم ظلم کرو، کہ تم پر ظلم کیا جائے۔ (۲۷۹)

وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۚ وَأَن تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۸۰﴾

اور اگر تمہارا مقروض تنگ دست ہو تو فراغت تک اس کو مہلت دو، اور اگر قرض معاف کر دو تو تمہارے لئے اچھا ہے اگر تم سمجھو تو۔ (۲۸۰)

وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ۖ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۲۸۱﴾

اور اس دن کی رسوائی اور ذِلّت سے ڈرو جب اللہ کے پاس لوٹائے جاؤ گے پھر وہاں ہر شخص کو جو بھی اُس نے کمایا ہے پورا پورا صلہ ملے گا اور کسی پر ظلم ہرگز نہ ہوگا۔ (۲۸۱)

(بقیہ گذشتہ صفحہ سے آگے) ہوتی ہے۔ مفسرین نے بیان کیا کہ سود کو مٹانا اور صدقہ[۱] میں اضافہ ہونا آخرت کے لئے تو ہے ہی۔ مگر اس کے کچھ آثار، دنیا میں بھی مشاہدے میں آتے ہیں۔

آیت ۲۷۷ میں اظہار بیان ہے اہلِ ایمان اور نیک وصالح، جو اللہ کی رضا کی خاطر، اپنے عملِ زندگی کو باری تعالیٰ کی رضا کے لئے وقف کر دیتے ہیں اور محمد ﷺ کی سنت پر عمل کرنے کو اپنے لئے باعث سعادت ورحمت جانتے ہیں ان کے بارے میں بتایا جارہا ہے کہ جو نماز کی پابندی کا اہتمام وانصرام کرتے ہیں اور یہ جانتے ہیں۔ ع اوّلین پُرسش نماز بود

اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے پابند ہیں، ان کے اجر وثواب اور آخرت میں راحت وطمانیت قلب کا ذکر ہے یہ بات یاد رکھئے کہ اس سے پہلی آیت میں سود لینے والوں کے لئے آگ کے عذاب اور اُن کی ذِلّت، رسوائی اور تذلیل کا بیان تھا، چنانچہ فرقانِ حمید کے عام اسلوب کے مطابق اس کے ساتھ ہی ساتھ اہلِ ایمان اور نیکوکار، پابند صوم وصلوٰۃ اور زکوٰۃ ادا کرنے والوں کے اجر اور درجاتِ آخرت کا ذکر کر دیا گیا۔

الفاظ ومعانی آیت ۲۷۸ تا آیت ۲۸۱

﴿وَذَرُوا﴾ تم چھوڑ دو۔ ﴿مَا بَقِيَ﴾ جو کچھ باقی بچا۔ ﴿تَفْعَلُوا﴾ تم کرتے ہو۔ ﴿فَأْذَنُوا﴾ پس تم تیار ہو جاؤ یا اجازت دو۔ ﴿حَرْبٍ﴾ جنگ۔ ﴿تُبْتُمْ﴾ تم توبہ کرتے ہو۔ ﴿رُءُوسُ﴾ اصل مال۔ ﴿تُظْلَمُونَ﴾ تم ظلم کرتے ہو۔ ﴿عُسْرَةٌ﴾ تنگی۔ ﴿فَنَظِرَةٌ﴾ مہلت۔ ﴿تَصَدَّقُوا﴾ تم صدقہ کرتے ہو۔ ﴿تُرْجَعُونَ﴾ تم لوٹائے جاؤ گے۔ ﴿تُوَفَّىٰ﴾ پورا بدلہ دیئے جاؤ گے۔

تشریح وتوضیحات آیت ۲۷۸ تا ۲۸۱

آیت ۲۷۸ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ سود کی حُرمت نازل ہونے کے بعد سود کی بقایا رقم، جو کسی کے بھی ذِمّہ واجب الادا تھی اُن کا

[۱]: آقائے نامدار، رسول اقدس، حضرت محمد ﷺ کا ارشاد پاک ہے ''صدقہ پریشانیوں کو دُور کرتا ہے''

لینا بھی حرام کر دیا گیا۔ پہلے زمانہ جاہلیت میں سود کا لینے اور کھانے کا عام رواج پھیلا ہوا تھا اس آیت کے آغاز میں اللہ سے ڈرنے، اتقوا اللّٰہ کا حکم دیا گیا اس کے بعد اصل مسئلہ کے بارے میں تاکید آئی، سُبْحَانَ اللّٰہ! قرآن حکیم کا کیا خوب اور خاص طرزِ بیان ہے جو کائناتِ ہستی کے قانون کی کتابوں سے مُمتاز اور مُنفرد ہے جب کوئی ایسا قانون وضع کیا جاتا ہے جس پر عمل پیرا ہونے پر، لوگوں کو دُشواری محسوس ہونے لگے تو اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی اعمال کے حساب و کتاب اور آخرت کے اجر و عذاب کا بیان بتا کر مسلمانوں کے دلوں اور اُن کی سوچ کے پہلو کو بدل کر اس پر عمل کرنے کی دعوت دی جاتی ہے تا کہ طبعِ انسانی پر بارِ خاطر محسوس نہ ہو اس لئے بتایا گیا جو سود باقی رہ گیا ہے اُسے چھوڑ دو۔ اگر واقعی تم ایمان والے ہو۔ کس قدر لطیف اشارہ ہے کہ ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی فرمانبرداری کی جائے اور کسی بھی حکم کی خلاف ورزی ایمان کے قطعی منافی ہے۔

آیت ۲۷۹ میں بیان ہے اور اگر تم نے سود کو نہ چھوڑا تو جان لو! اچھی طرح سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب ﷺ کی طرف سے اعلان جنگ ہے آیت مبارکہ کے آخری الفاظ کے مطابق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حسن بصریؒ، ابن سیرین اور ربیع بن انس رضی اللہ عنہ کی یہ آراہیں کہ جو شخص دارالاسلام میں سود کھائے اسے توبہ پر مجبور کیا جائے اور اگر اس سے باز نہ آئے تو اس کو قتل کرا دیا جائے۔ (بحوالہ ابن کثیر) دیگر فقہاء کی یہ رائے ہے کہ ایسے فرد کو قید کر دینا چاہیئے۔

آیت ۲۸۰ میں واضح بیان ہے کہ اگر کوئی تنگدست یا مُفلس ہے تو سود لینا تو الگ رہا' اسے آسانی سے مہلت دو، اور قرض بالکل معاف کر دو تو یہ اَحْسن عمل ہے اور تمہارے لئے بہتر ہے" جو شخص کسی تنگدست مُفلس کو مُہلت دے گا تو اس کو ہر روز اتنی رقم کے صدقے کا ثواب ملے گا، اور جو شخص قرض ادا کرنے کی صلاحیت/استطاعت میں نہ ہو تو اس وقت اگر مزید مُہلت دے گا تو اس کو ہر روز اس کی دُگنی رقم صدقہ کرنے کا اجر/ثواب ملے گا'' (صحیح مسلم شریف اور مسندِ احمد)

آیت ۲۸۱ میں مذکور ہے کہ خوف کھاؤ اُس دن سے جب تم سب اللہ کے حضور پیش کئے جاؤ گے اور پھر ہر شخص کو اپنے اپنے عمل کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔

حضرت عبداللہ بنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ آیتِ نزول کے لحاظ سے سب سے آخری آیت ہے اس کے بعد کوئی آیت نازل نہیں ہوئی اس کے بعد آپ ﷺ دنیا سے رَحلت فرما گئے۔ (بحوالہ ابن کثیر)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ ۚ وَلْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ ۚ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَن يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ ۚ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا ۚ فَإِن كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَن يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ ۚ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ ۖ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَن تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ ۚ وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا ۚ وَلَا تَسْأَمُوا أَن تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِندَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا ۖ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا ۗ وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ ۚ وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ ۚ وَإِن تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٨٢﴾

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو جب تم آپس میں معاملہ کرو اُدھار کا کسی وقتِ مقرر تک تو اس کو تحریر کر لیا کرو، اور لکھنے والے کو چاہئے کہ تمہارے مابین انصاف وعدل سے لکھ دے اور نہ انکار کرے لکھنے والا تحریر لکھنے سے اُکتائے نہیں، جب اللہ نے اسے لکھنے پڑھنے کی صلاحیت بخشی تو اسے چاہیے کہ ٹھیک سے لکھ دیا کرے اور جس پر حق/قرضہ واجب ہے معاملہ خود بتا کر دستاویز تحریر کرائے اور اللہ سے جو اس کا ربّ ہے ڈرے، لکھواتے وقت کسی چیز میں کمی اور نُقص والی بات نہ کرے، اگر کوئی شخص جس پر حق واجب ہے کم عقل یا ناداں/ضعیف ہو، یا املا نہ کر سکتا ہو تو اس کا ولی/وارث انصاف کے ساتھ املا کرائے اور خود سے اپنی پسند کے دو مردوں کو گواہ بنالو، پھر اگر دو آدمی دستیاب نہ ہو سکیں تو ایک آدمی اور دو عورتیں/خواتین باہمی رضا مندی سے گواہ بنالو تاکہ ایک بھول جائے تو دوسری اُسے یاد دلادے اور گواہوں کو چاہئے کہ جب وہ بلائیں تو انکار نہ کریں، اور نہ اُکتایا کرو اسے لکھنے سے میعادِ مقررہ کی دستاویز، خواہ چھوٹی ہو یا بڑی اُسے لکھنے سے تُساہل (کاہلی) نہ کرو اللہ کے نزدیک یہ انصاف کی بات ہے اس سے گواہی قائم کرنے میں بڑی سہولت ہوگی اور شک وشبہ اس طرح نہیں پڑے گا ہاں یہ بات اور ہے کہ وہ تجارت دست بہ دست، ہاتھوں ہاتھوں/یعنی نقد تجارت کی صورت میں ہو تو تم پر نہ لکھنے پر کوئی گناہ نہیں، اور جب لین دَین/سودا کرو تب بھی گواہ بنالیا کرو اور گواہی/شہادت دینے والے کو دستاویز لکھنے والے کو ضرر نہ پہنچایا جائے، اور اگر ایسا کرو تو یہ تمہاری نافرمانی ہوگی/یعنی گناہ کے مرتکب ہوں گے، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور اللہ تمہیں صحیح اور بھلے طریقوں کی تعلیم دیتا ہے، اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ (۲۸۲)

وَإِن كُنتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَّقْبُوضَةٌ ۖ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ ۗ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَن يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٢٨٣﴾

اگر تم حالتِ سفر میں ہو اور دستاویز لکھنے والا نہ پاؤ تو رہن/گِروی کی چیز قبضہ میں دے کر معاملہ کر لیا کرو پھر اگر تم ایک دوسرے پر بھروسہ کرو تو جس کو امانت سپرد کی گئی ہے اس پر لازم ہے کہ امانت برابر واپس کر دے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے، جو اس کا ربّ ہے اور شہادتوں کو چھپاؤ نہیں اور جو بھی گواہی چھپاتا ہے اُس کا دل گناہ میں آلودہ ہے اور تمہارے سب کاموں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ (۲۸۳)

الفاظ ومعانی آیت ۲۸۲ تا ۲۸۳

﴿ إِذَا ﴾ جب ﴿ تَدَايَنْتُمْ ﴾ (دَيْنٍ / اُدھار سے ہے) جب تم آپس میں معاملہ کرتے ہو، لین دین کرتے ہو، فعل ماضی دَنَ یَدِیْنُ کا مصدر ہے۔ مُسَمًّى ﴿ مقرر۔ ﴿ يَأْبَ ﴾ وہ انکار کرے، فعل مضارع۔ ﴿ يُمْلِلْ ﴾ وہ لکھوائے، اِمْلَال، مصدر سے قواعد کے مطابق فعل واحد مذکر غائب مضارع۔ ﴿ يَبْخَسْ ﴾ بَخَسٌ سے مصدر ہے وہ کم کرتا ہے، مضارع واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ ﴿ رجل ﴾ ایک مرد ﴿ اِمْرَأَتٰنِ ﴾ دو عورتیں / خواتین۔ ﴿ تَضِلَّ ﴾ بھول جائے، فراموش کردے۔ ﴿ تَسْئَمُوْٓا ﴾ سستی / کاہلی اُکتانا۔ ﴿ اَجَلِهٖ ﴾ اس کی میعاد۔ ﴿ تَرْتَابُوْٓا ﴾ رَیْبٌ، تم شک میں پڑتے ہو، فعل مضارع۔ ﴿ جُنَاحٌ ﴾ گناہ۔ ﴿ تَبَايَعْتُمْ ﴾ تم لین دین / تجارت کرتے ہو فعل ماضی کا صیغہ جمع مذکر حاضر۔ ﴿ مَقْبُوْضَةٌ ﴾ قبضہ رکھ لو۔ ﴿ اٰثِمٌ ﴾ گنہگار، اسمِ فاعل۔

تشریح وتوضیحات آیت ۲۸۲ تا ۲۸۳

آیت ۲۸۲ میں واضح طور پر اظہار بیان ہے کہ جب تم اُس میں اُدھار کا لین دین کرو، تو اسے ضبطِ تحریر میں لایا کرو، گویا قرض اور تجارتی کاروباری قرار دادوں کو دستاویزی شکل میں لکھ لینا چاہیے قرآن نے سودی نظام کی سختی سے مذمّت کی ہے اور صدقات اور خیرات دینے کی تلقین کی ہے موجودہ معاشرہ، میں جہاں تجارتی سرگرمیاں عروج پر پہنچ گئیں ہیں، وہاں قرضہ کی ضرورت اور اہمیت وافادیت بڑھ گئی ہے ضرورت اور احتیاج کی تکمیل کے لئے قرض ایک ناگزیر ضرورت ہے اس لئے احادیثِ مبارکہ میں قرض دینے کا بڑا اَجر ہے یہ آیات بیّنات جسے ''آیۃ الدین'' کہا جاتا ہے قرآن مجید کی سب سے طویل آیتِ مبارکہ ہے اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے قرض / اُدھار لینے کے سلسلے میں ضروری ہدایات بتائی ہیں پہلی ہدایت مُدّت کا تعیّن ہے، دوسری ہدایت ضبطِ تحریر، دستاویز کی تحریری شکل، تیسری ہدایت تحریر کے سلسلے میں یہ کہ دو مسلمان مردوں کو یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنالو۔

وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ ص تمہارے درمیان کوئی لکھنے والا، انصاف کے مطابق لکھے، بتایا جارہا ہے کہ جو شخص وثیقہ نویس / راقم ہے اُسے ایسی تحریر لکھنی چاہئے جو ہر طرح کے ابہام سے پاک ہو اور ذُو معنیٰ الفاظ کے استعمال سے پرہیز کرے، وثیقہ نویس ایسا ضرور ہونا چاہئے جو فریقین کے مقصد کی صحیح اور اَحسن انداز میں ترجمانی کر سکے وہ لکھنے سے انکار نہ کرے۔

اُدھار اور قرض کے معاملات، مکان کی خریداری، تجارتی معاہدہ، کاروباری دستاویز لکھنے کا حکم اس آیت مبارکہ میں دیا گیا ہے جس کے ذمّہ حق واجب ہے وہ خود ہی دستاویز لکھوادے تحریر کے ساتھ گواہ مقرر کرنے کا بھی حکم دیا گیا تا کہ معاملہ میں کسی وقت بھی کوئی دشواری یا گڑبڑ پیدا نہ ہو اس کے بعد واضح کیا جارہا ہے کہ یہ مقروض اگر ناداں، کم عقل، یا مجنوں ہے تو اس کے والی وارث کی ذمہ داری ہے کہ انصاف کے تقاضا کے ساتھ دستاویز تحریر کرائے تا کہ صاحبِ حق / قرض دینے والے کو بھی ضَرر نہ پہنچے۔ اور اپنے میں سے دو مردوں کی شہادت رکھ لو، اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جنہیں تم شہادت کے لئے پسند کرتے ہو، تا کہ ایک عورت سے نِسیاں / بھول ہو جائے تو دوسری یاددہانی کرادے ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتوں کو گواہ بنانے کی حکمت اور عِلّت یہ ہے کہ عورت فہم وادراک اور یادداشت میں مرد کے مقابلے میں قدرے کمزور ہے۔

اس کے بعد لوگوں کو تاکید کی گئی ہے کہ جب اُن کو کسی معاملہ میں شہادت دینے کے لئے بلایا جائے تو وہ آنے سے انکار نہ کریں

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾

اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے یا تم اُسے پوشیدہ رکھو! اللہ تم سے حساب لے گا پھر بخش دے گا جسے چاہے گا اور جسے چاہے گا عذاب دے گا اور اللہ تعالیٰ ہر شے/چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ (۲۸۴)

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۫ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾

ایمان لایا رسول ﷺ اس کتاب پر جو نازل کی گئی اس کی طرف اس کے ربّ کی طرف سے، اس وحی کو جنہوں نے تسلیم کرلیا، وہ ایمان والے بن گئے اور سب کے سب اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر بھی ایمان لائے اور کہا ہم فرق نہیں کرتے، کسی میں اس کے رسولوں سے، اور انہوں نے کہا ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی، تیری بخشش چاہتے ہیں۔ اے ہمارے ربّ اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ (۲۸۵)

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا

کسی جان/شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف دینا اللہ کا دستور نہیں، جو نیکی اُس نے کمائی اس کو اُس کا اَجر ملے گا، اور جو بُرائی اُس نے کی/کمائی تو اس کا وَبال اُسی پر پڑے گا۔ اے ہمارے ربّ! اگر ہم بھول جائیں یا خطاٗ کر بیٹھیں تو ہماری پکڑ نہ فرما، اے ہمارے ربّ! ہم پر وہ بوجھ/بار مت ڈال، جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا،

شہادت ہی احیائے حق کا ذریعہ اور فساد و جھگڑے ختم کرنے کا طریقہ ہے گواہی دینے سے بلا عذر شرعی انکار گناہ ہے۔

آج کل تو دنیا والوں کا یہ دستور بن گیا ہے کہ اس قرآنی اُصول کو نظر انداز کرنے لگے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ سارا کا سارا نظامِ عدالت مَفلوج ہو کر رہ گیا ہے حقیقت تو یہ ہے کہ اصلی اور سچے گواہوں کا فُقدان ہے۔

آیت کے آخر میں ارشاد ہے اللہ سے ڈرو اور اللہ جلِ شانہٗ تمہیں اصول صیحہ کی تعلیم دیتا ہے۔ سبحان اللہ کس قدر احسان ہے اللہ کا، اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

آیت ۲۸۴ میں ہے کہ اگر تم حالتِ سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ پاؤ تو رہن/تحویل میں رکھ لیا کرو۔ اس میں دو اہم موضوع بتائے گئے ہیں پہلا یہ کہ قرض/اُدھار کے سلسلے میں اگر کوئی یہ چاہے کہ اعتماد کی بحالی کی خاطر کوئی چیز رکھ لی جائے تو اس کی اجازت ہے لفظ ''مَقْبُوضَةٌ'' سے لطیف اشارہ یہ ہے کہ اس سے نفع لینا اس لئے جائز نہیں کہ، رہن رکھنے والے کو اتنا استحقاق ہے کہ وہ اُدھار وصول ہونے تک اس چیز پر اپنا قبضہ رکھے اور منافع اور سب اصل، درحقیقت مالک کا حق ہے۔

دوسری بات یہ بتائی گئی کہ جس شخص کو کسی معاملہ کا صحیح علم ہو وہ شہادت کو نہ چھپائے اگر اس نے چھپایا تو اس کا دل گناہ میں آلودہ ہے کوئی اس کو صرف زبان کا ہی گناہ نہ جانے بلکہ گناہ دل کا بھی ہے۔

مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۟ وَاغْفِرْ لَنَا ۟ وَارْحَمْنَا ۟ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾

اے ہمارے رَبّ! وہ بوجھ ہم پر نہ ڈال جس کے اُٹھانے کی قوت / طاقت ہم میں نہ ہو، ہم کو درگذر فرما، ہمارے گناہ بخش دے اور ہم پر رحم کر تو ہی ہمارا کارساز / دوست ہے، کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔ (۲۸۶)

الفاظ و معانی آیت ۲۸۴ تا آیت ۲۸۶

﴿تُبْدُوْا﴾ تم ظاہر کرو۔ ﴿مَا﴾ جو۔ ﴿فِيْٓ﴾ میں۔ ﴿اَنْفُسِكُمْ﴾ تمہارے دلوں میں۔ ﴿تُخْفُوْهُ﴾ اسے پوشیدہ رکھو / چھپاؤ گے۔ ﴿لَا نُفَرِّقُ﴾ ہم فرق نہیں کرتے۔ ﴿سَمِعْنَا﴾ سنا ہم نے ﴿اَطَعْنَا﴾ فرمانبرداری کی ہم نے ﴿مَا كَسَبَتْ﴾ جو کام کئے ﴿اِكْتَسَبَتْ﴾ جو خراب کام کئے۔ ﴿تَحْمِلْ﴾ نہ ڈال ہم پر۔ ﴿اِصْرًا﴾ بوجھ / بار۔ ﴿اِغْفِرْ لَنَا﴾ مغفرت فرما ہماری۔

تشریح و توضیحات آیت ۲۸۴ تا ۲۸۶

آیت ۲۸۴ میں اظہار بیان یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ احادیث میں آتا ہے جب یہ آیۂ کریمہ اتری تو صحابۂ کرامؓ قدرے بے چین اور بے قرار ہوگئے، رنجیدہ رنجیدہ، افسردہ افسردہ بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہو کر التجا کی اے اللہ کے محبوب (ﷺ) آج تک جو احکامات نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور جہاد ہمیں بتائے گئے ہم بجالاتے ہیں لیکن دل میں پیدا ہونے والے خیالات اور وَسوسُوں پر تو ہمارا اختیار ہی نہیں ہے انسان کے دل میں دو طرح کے خیال اُبھرتے ہیں ایک وسوسہ، اُن سے دل کا خالی ہونا انسان کے دائرہ قدرت میں نہیں، لیکن وہ اس کو بُرا تصوّر کرتا ہے اور عمل کرنے کا ارادہ نہیں کرتا ۱؎ کو حدیثِ نفس اور وسوسہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اس پر مؤاخذہ نہیں، حضرت محمد ﷺ نے فرمایا "میری اُمّت کے دلوں میں جو وسوسے گزرتے ہیں باری تعالیٰ ان سے تجاوز کرتا ہے جب تک کہ وہ انہیں عمل میں نہ لائیں" (بحوالہ مسلم شریف، بخاری شریف)۔

آیت ۲۸۵ میں واضح بیان ہے رسولِ کریم ﷺ ایمان لائے اس چیز پر جو ان کی طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی۔ اس آیت کریمہ میں ان ایمانیات کا اظہارِ بیان ہے جن پر اہلِ ایمان کو ایمان قائم رکھنے کا حکم ہے وضاحت کی گئی کہ باری تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک مانو! فرشتوں کو نوری اور اللہ کی اطاعت گذار مخلوق سمجھو، تمام کتب سماوی کو صحیح تسلیم کرو، تمام رسولوں کی رسالت پر بلا تفریق و امتیاز ایمان لاؤ، اور یومِ قیامۃ پر یقین رکھو، یہ ایمان کی صفت اور علامت ہے اس کے بعد وضاحت کی گئی کہ اس اُمّت کے مؤمنین پہلی / سابقہ اُمتوں کی طرح ایسا نہ کریں گے کہ اللہ کے رسولوں کے مابین باہمی تفرقہ پیدا کریں بعض نبی کو مانیں اور بعض کو نبی اور رسول تسلیم نہ کریں جیسے یہود نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی مانا مگر آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ خاتم الانبیاء کو نبی نہ مانا۔

آیت ۲۸۶ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ قرآن مجید میں باری تعالیٰ نے مسلمانوں کو خاص دُعا کی تلقین کی ہے جس میں بُھول، چوک اور نسیان و خطا سرزد ہونے کی معافی طلب کی گئی ہے یہ سورۃ البقرۃ کی آخری آیات ہیں احادیثِ صحیحہ میں ان دونوں آیات کے فضائل بیان ہیں رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

"جس شخص نے رات کو یہ دو آیتیں پڑھ لیں تو یہ اس کے لئے کافی ہیں" (بحوالہ صحیح بخاری اور ابن کثیر)

حضرت ابن عباس ﷺ کی روایت میں خاتم الانبیاء نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے دو آیتیں جنّت کے خزائن میں سے نازل کی ہیں جن کو تمام مخلوق کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے خود رحمٰن نے اپنے ہاتھ سے لکھ دیا تھا جو شخص ان کو بعد نماز عشاء پڑھ لے تو وہ اس کے لئے قیام الّیل میں تہجد کی قائم مقام ہو جاتی ہیں''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

''اور اللہ نے سورۂ بقرۃ کو ان دو آیتوں پر ختم فرمایا ہے جو مجھے اس خزانہ خاص سے ملی ہیں جو عرش کے نیچے ہے''

(بحوالہ مستدرک حاکم اور بیہقی)

سورۃ البقرۃ اختتام پذیر ہوئی

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اَوَّلَهٗ وَآخِرَهٗ وَظَاهِرَهٗ وَبَاطِنَهٗ وَهُوَ الْمُسْتَعَانُ

بندہ عاجز محمد لقیط خان عفا اللہ عنہ

المرقوم ۶ جمادی الثانی ۱۴۲۵ھ

مطابق ۲۴ جولائی ۲۰۰۴ء

❁❁

سلسلہ وار ۳، آیات ۲۰۰، رکوع ۲۰
ترتیب نزول ۸۹

سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرَانَ [۱]

یہ سورۃ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی،
کلمے ۳۴۸۰، حروف ۱۴۵۲۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے آغاز (کرتا ہوں) جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے

الٓمّٓ ۝۱	الف، لام، میم، حروف مقطعات ہیں سِرٌّ بَيْنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ یہ وہ راز ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے مابین ہیں۔ (۱)
اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝۲	معبود تو بس، اُس ایک اللہ کے سوا کوئی بھی نہیں، وہی جو زندہ اور سب کا تھامنے والا ہے۔ (۲)
نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝۳	جس نے آپ ﷺ پر حق کے ساتھ اِس کتاب کو اتارا ہے جو اُن کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں اِس سے پہلے، لوگوں کی ہدایت کیلئے اس نے توراۃ اور انجیل بھی نازل فرمائی تھی۔ (۳)
مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۬ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝۴	اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے اس نے وہ کسوٹی جو حق وباطل کا فرق دکھانے والی ہے اتاری ہے اور جو انکاری ہیں اللہ کی آیات کے، ان کے لئے سخت عذاب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ غالب اور سختی سے انتقام لینے والا ہے۔ (۴)
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ۝۵	بے شک، اللہ پر زمین اور آسمان کی کوئی چیز پوشیدہ/مخفی اور چُھپی ہوئی نہیں ہے۔ (۵)
هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاۗءُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۶	وہ تمہاری صورت بناتا ہے رحِم مادر (شکم) میں جس طرح چاہتا ہے اس کے سوا کوئی مَعبود برحق نہیں، وہی غالب اور حکمت والا ہے۔ (۶)

الفاظ ومعانی آیت ۱ تا ۶

﴿اَلْحَيُّ﴾ یعنی زندہ ہے۔ ﴿قَيُّوْمُ﴾ ہر چیز اس سے قائم ہے۔ اللہ اپنے قیام کے لئے کسی کا محتاج نہیں ہے اللہ کی خاص صفات میں حی سے مراد یہ ہے کہ وہ ازل سے ہے اور تا ابد قائم اور دائم رہے گا۔ نہ اسے موت ہے نہ فنا، قیوم کا مفہوم یہ ہے کہ کُل

[۱]: اس صورت میں، ایک مقام پر آل عمران کا تذکرہ آیا ہے اسی کو علامت کے طور پر نام آل عمران دے دیا گیا۔ اس سورۃ میں ان تمام امور کے بارے میں بتایا گیا کہ اگر انسانوں کی ان برسرپیکار جماعتوں میں اتحاد اور اتفاق ممکن ہے تو صرف اسلام کے سایہ کے نیچے اور محمد ﷺ کی اطاعت اور تعلیمات میں مضمر ہے۔

کائنات کا قائم، رکھنے والا وہ زندہ جاوید ہستی جو نظام دنیا کو سنبھالے ہوئے ہے احادیث مبارکہ میں بیان ہے تین آیتوں میں اللہ کا اسم اعظم ہے جس کے ذریعہ دعا مانگی جائے تو وہ رد نہیں ہوتی۔ یہی آل عمران کی آیت ۲، دوسری، آیت الکرسی میں سورۃ البقرۃ میں، اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ تیسری سورۃ طٰہ پارہ ۱۶، قالَ الٓمّٓ میں۔ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَیِّ الْقَیُّوْمِ ط

(بحوالہ تفسیر، آیت الکرسی، ابن کثیر۔)

﴿ مُصَدِّقًا ﴾ جو تصدیق کرتی ہے۔﴿ ذُو انْتِقَامٍ ﴾ بدلہ لینے والا ہے۔﴿ یَخْفٰی ﴾ پوشیدہ، چھپا ہو۔﴿ یُصَوِّرُكُمْ ﴾ صورتیں بناتا ہے۔﴿ اَرْحَامِ ﴾ رحم مادر، شکمِ مادر۔

تشریح وتوضیحات آیت ۱ تا ۶

آیت الف لام میم حروف مقطعات ہیں۔سِرٌّ بَیْنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِه، یہ وہ پوشیدہ/مخفی راز ہیں جو باری تعالیٰ اوراس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ہیں۔آیت ۶ میں اظہار بیان ہے لا الٰہ الا ھو دعویٰ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود لائق عبادت اور پرستش نہیں۔معبود حقیقی ربرحق تو وہی ہوسکتا ہے جو سدا زندہ ہو اور سدا زندہ رہنے والا ہو۔کوئی تثلث کا قائل، کوئی کاہُن پرستی کے مصداق، عیسائی بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا، مانتے تھے یا تین میں سے ایک مانتے تھے واضح طور پر بتایا جارہا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ کی مخلوق ہیں۔وہ اللہ کے بیٹے نہیں اس کی تردید کی گئی ہے۔وہ شکم مادر میں رہے ان کی ولادت باسعادت کا زمانہ بھی تخلیقِ کائنات کے کافی عرصہ کے بعد کا ہے پھر انہیں اللہ کا بیٹا کیسے کہا جاسکتا ہے۔

آیت ۳ میں اظہارِ بیان ہے کہ نازل فرمائی یہ کتاب، آپ ﷺ پر حق کے ساتھ، کتاب سے یہاں مراد قرآن الحکیم ہے۔حق کے ساتھ! سے مراد اس کتاب میں ایسی دلیلیں پیش کی گئی ہیں جن کا کوئی جواب نہیں، (بحوالہ الحجۃ الغالبۃ)، از علاّمہ قرطبی، سوال یہ پیدا ہوتا ہے حق کا مفہوم کیا ہے، اس کا مفہوم علامہ راغب اصفہانی کے مطابق یوں سمجھئے کوئی قول وفعل اس وقت دائرہ حق میں آتا ہے جب وہ اس طرح پایا جائے۔جیسے چاہئے، اُس طرح انداز سے پایا جائے جس قدر مناسب ہو، اس وقت پایا جائے جب اس کی ضرورت محسوس کی جائے کہ قرآن الحکیم کو''بالحق'' کی صفت سے مزیّن کرکے باری تعالیٰ نے اس حقیقت کا اظہار کردیا ہے روحانی احتیاجات کی تسکین کیلئے انسان کو''الکتاب'' اور''الفرقان'' عطا کیں''الکتاب'' اللہ کی وحی ہے جو رسول کریم ﷺ کے قلب اطہر پر نازل ہوئی جو انسان کو ہدایت اور رہنمائی کا راستہ دکھاتی ہے اور الفرقان نے حق وباطل میں امتیاز کرنے کا جوہر نایاب ہے۔

آیت ۴ میں اظہار بیان یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام پر جو کتابیں اتاری گئی ہیں یہ کتابیں اس کی تصدیق کرتی ہے اور اپنے اپنے زمانے اور دور میں تورات اور انجیل بھی لوگوں کے لئے ہدایت کا موجب تھیں ان کے نازل کرنے کا مقصد بھی یہی تھا دوبارہ کہہ کر وضاحت اس امر کی کی گئی کہ حق اور باطل کو جدا جدا کرنے کو فرقان کہا جاتا ہے امام ابن جریر طبریؒ نے کیا خوب کہا کہ''حق وباطل میں امتیاز کرنے والی قوّت کو فرقان کہا جاتا ہے۔''

امام رازیؒ کا قول ہے''فرقان، معجزات ہیں، اور بعض مفسرین کا خیال ہے کہ اس سے مراد عقل ہے کیونکہ عقل سے بھی حق وباطل میں تمیز ہوسکتی ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ ڤ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ڤ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

وہی اللہ ہے، جس نے آپ پر کتاب اتاری، اس کی کچھ آیتیں محکم/ واضح مضبوط ہیں جو اصل کتاب ہے اور دوسری کچھ آیات ہیں جو معنیٰ میں ملتی جلتی ہیں سو، جن کے دل میں کجی/ ٹیڑھا پن ہے وہ فتنے/ شورش کی تلاش میں، ہمیشہ متشابہات/ ملتی جلتی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں حالانکہ اس کا خلاصہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکے گا۔ اور علم میں کامل اور مکمل عبور رکھنے والے لوگ یوں کہتے ہیں مان لیا ہم نے کہ یہ سب آیات ہمارے ربّ کی طرف سے ہیں۔ (۷)

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَھَّابُ ۝

اور نصیحت تو وہی قبول کریں گے جو لوگ، سمجھ دار/ دانش مند ہیں، اے ہمارے ربّ! جب تو نے ہمیں ہدایت بخش دی، تو اب ہمارے دلوں میں کجی نہ آنے دے، ہمیں اپنی رحمتِ خاص سے سرفراز کردے، یقیناً سب سے بڑھ کر دینے والا تو ہی ہے۔ (۸)

اس آیت کریمہ میں تخاطب، نجران کے نصاریٰ سے ہے کہ تم تورات اور انجیل کو کلام اللہ تسلیم کرتے ہو تو قرآن کو کلام اللہ کیوں نہیں مانتے، جو لوگ اللہ کی آیتوں کے انکاری ہیں وہ کفر کرتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

آیت ۵ میں اظہارِ بیان ہے کہ اللہ ایسا خبیر و بصیر ہے کہ کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے نہ زمین میں اور نہ آسمان میں، اس آیۂ مبارکہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت بطلان (ماں کے پیٹ میں رہنے کی) دلیل بیان کی جارہی ہے اللہ تو وہ ہے جس کا علم اس قدر وسیع، بسیط اور محیط ہے کہ کوئی چیز کسی وقت بھی ان سے پوشیدہ نہیں، حضرت مسیح علیہ السلام اللہ کے نیک بندے ہیں لہٰذا نصاریٰ کا اُن کے بارے میں الوہیت اور ابنیت کا دعویٰ درست نہیں!

آیت ۶ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کارفرمائی کا عالم یہ ہے کہ انسان کی پیدائش سے قبل ہی اس کی مناسب، متناسب صورت دے دیتا ہے یہ بات جان جایئے کہ جب رحمِ مادر میں سارے تصرفات کا کرنے والا صرف اللہ ہی ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کس طرح الٰہ ہوسکتے ہیں جو خود بھی ماں کے پیٹ میں مرحلۂ تخلیق سے گزر کر کائنات میں وجود میں آئے ہیں۔

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا، تمہارا مادۂ تولید/ پیدائش ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک اکٹھا ہوتا ہے، پھر اتنے ہی روز ''علقہ'' گویا خونِ بستہ کی شکل اختیار کرتا ہے، پھر اتنے ہی یوم، پارہ گوشت کی شکل میں رہتا ہے پھر اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو نازل کرتا ہے جو اس کا رزق، اس کی عمرِ عزیز، اس کے عمل اور اس عمل کے انجام کار کو تحریر کرتا ہے پھر اس میں روح ڈالتا ہے۔ (بحوالہ مسلم شریف اور بخاری شریف)

رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝ ۹

اے ہمارے رَبّ! بے شک تو اکٹھا کرنے والا ہے تمام انسانوں کو ایک ایسے روز، جس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ یقیناً اللہ، اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ (۹)

الفاظ ومعانی آیت ۷ تا ۹

﴿ مُحْكَمٰتٌ ﴾ پکی/مُحکم مُحکم سے مراد وہ مطلب ہے جن کا مفہوم، واضح اور اٹل ہے یہ آیات کتاب کی اصل، اساس ہیں مطلب یہ کہ قرآن جس مقصد کے لئے نازل ہوا ہے اس غرض کو یہی آیات پورا کرتی ہیں۔ انہی آیتوں میں دعوت اِسلام دنیا کو دی گئی ہے انہی میں عبرت اور پند ونصائح کی باتیں ہیں۔ انہی میں گُمراہی کی تردید ہے اور راہِ ہدایت کی توضیح کی گئی ہے امام راغب اصفہانی نے محکم کی یہ تعریف بنائی ہے محکم وہ آیت ہے جس کا مفہوم صاف صاف واضح ہو۔

﴿ مُتَشٰبِهٰتٌ ﴾ متشابہات وہ آیات ہیں جن کے مفہوم میں اشتباہ کی گنجائش ہے متشابہ سے مراد وہ مطلب ہے جن کا تعلق ماورائے عقل وخرد، اور حواس کے حقائق سے ہے۔

جن کے دلوں میں، شورش، فتنہ ہے وہ آیات متشابہات میں اُلجھتے رہتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا جب آپ ایسے لوگوں کو دیکھیں جو مُتشابہات کی تفتیش میں کھوئے ہوتے ہیں تو آپ اُن سے کَنارہ کَش رہیں کیونکہ یہ وہی لوگ ہیں جن کا ذکر قرآن میں باری تعالیٰ نے کیا ہے۔ (بحوالہ بخاری شریف جلد دوئم)

﴿ زَيْغٌ ﴾ کجی، اعتدال سے ہٹا ہو، زَاغَ، يَـزِيغُ، کا مصدر ہے۔ ﴿ تَاْوِيْلِهٖ ﴾ تاویل کے ایک معنیٰ تو یہ ہوئے کہ کسی شئے کی اصل حقیقت کیونکہ ہر چیز کی اصل حقیقت، صرف اللہ ہی جانتا ہے تاویل ان معنوں میں بھی آتا ہے کہ جس میں کسی شے کی تفسیر، توضیح اور بیان واضح ہو، کیونکہ ”کامل اہل علم ہی صحیح تفسیر وتوضیح کا ادراک رکھتے ہیں، تَـاوِیـل کے یہ دونوں معنیٰ قرآن کے استعمال سے ثابت ہیں“۔ (بحوالہ ابن کثیر) ﴿ الرّٰسِخُوْنَ ﴾ علم میں مکمل عبور رکھنے والے لوگ/ ثابت قدم یہ رسوخ سے ہے کسی شے کا استوار اور مضبوط ہونا گرائمر/قواعد کے مطابق اِسم فَاعل ہے۔ ﴿ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴾ اہلِ دانش/فہیم۔ ﴿ تُزِغْ ﴾ کجی۔ ﴿ هَدَيْتَنَا ﴾ ہدایت عطا کی۔ ﴿ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴾ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

تشریح وتوضیحات آیت ۷ تا آیت ۹

آیت ۷ میں واضح بیان ہے کہ ہر دَور میں کتاب اللہ کی تعلیم، دو اُصولی مؤقف پر مشتمل رہی ہے۔ گویا اس آیۃ کریمہ میں، آیات مُحکمات اور مُتشابہات کی بات بتا کر ایک عام اصول اور کُلیّہ کی طرف لطیف اشارہ کر دیا گیا۔ جس کو جاننے اور سمجھ لینے کے بعد، بہت سے شُبہات اور نزاع دُور ہو سکتے ہیں۔ آیات محکمات، ایسی آیات میں جو ہر ایسے شخص پر ظاہر عیاں ہیں جو قواعد عربیہ سے پوری طرح واقفیت رکھتا ہو، اور جن آیات کی تفسیر، معانی ومفاہیم ایسے شخص پر ظاہر نہ ہوں ان کو متشابہات کہا جاتا ہے۔ (بحوالہ تفسیر مظہری جلد دوئم)

گویا قرآنِ الحکیم میں دو طرح کی آیات ہیں ایک تو حکم صادر کرنے والی، یعنی کیا کرنا چاہئے اور کیا نہیں کرنا چاہئے۔ اسی طرح دیگر آیات ہیں مُتشابہات یعنی ملتے جُلتے، معنیٰ سے حقیقت کا اظہار کرنے والی۔

نبیٔ اکرم ﷺ کا ارشاد پاک ہے ''مجھے اپنی اُمت پر تین باتوں کا خوف ہے پہلی یہ کہ مال کی کثرت ہوجائے جس کی بنا پر باہمی حسد کرنے لگیں، خون وغارت گری کرنے لگیں، دوسری یہ کہ کتاب اللہ کو سامنے رکھ کر ترجمہ کر کے عام اور جاہل آدمی اس کے سمجھنے کا دعویٰ دار بن جائے اور اس میں جو باتیں اس کے فہم وادراک کے ماسوا ہیں یعنی متشابہات ان کو سمجھنے کی کوشش کرے حالانکہ ان کے معنی اور مفہوم صرف اللہ ہی جانتا ہے تیسری بات یہ کہ علم میں اضافہ ہوجائے تو اسے رائیگاں کردے اور علم کو بڑھانے کی جستجو کو چھوڑ دیں،'' (بحوالہ طبرانی، ابنِ کثیر)

وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ

اور جو لوگ علم میں دَستگاہ کامل رکھتے ہیں، اُن کا کہنا ہے ہم نے تسلیم کرلیا، یہ سب آیات ہمارے رَبّ کی طرف سے ہیں اور نصیحت تو وہی مانتے ہیں جو اہلِ دانش ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ اصل سبق صرف عقلمند لوگ ہی حاصل کرتے ہیں علماء کرام اور مفسرین کا ایک مُروّج قول یہ ہے کہ ان سے مراد اہل السنہ والجماعۃ ہیں جو قرآنِ حمید اور سنّت کی اِتباع کے لئے اُسی تعبیر اور تشریح کو صحیح جانتے ہیں جو صحابۂ کرامؓ، اَسلاف صَالحینؒ اور اِجماع اُمّت سے منقول اور رائج ہے۔

آیت ۸ میں بیان ہے کہ وہ اللہ سے دعا کرتے ہیں اے اللہ، ہمارے دلوں کو کجی میں مبتلا نہ کردیجیو! ہم کو اپنے پاس سے رحمتِ خاص عنایت کر۔

اللہ قادرِ مطلق ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اس لئے جن لوگوں کو دین پر دائم اور قائم رہنے کی فکر دامن گیر ہوتی ہے وہ ہمیشہ اللہ سے استقامت کی دعا طلب کرتے ہیں حدیث میں ہے نبی کریم ﷺ نے بھی استقامت طلب کرتے ہوئے یہ دعا مانگی۔

یَامُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قُلُوْبَنَا عَلٰی دِیْنِكَ

''اے دلوں کو پھیرنے والے، ہمارے قلوب کو اپنے دین پر قائم رکھ'' (بحوالہ تفسیر مظہری جلد دوئم)

آیت ۹ میں اظہارِ بیان ہے کہ اے ہمارے ربّ حق پر قائم رہنے کی دعا ہم کسی دنیاوی غرض اور نفع کی خاطر نہیں طلب کررہے ہیں یہ محض آخرت کی نجات کی خاطر ہے کیونکہ ہمارا پختہ عَقیدہ ہے کہ باری تعالیٰ آپ بلاشبہ تمام انسانوں کو میدانِ حشر میں اکٹھا کرنے والے ہیں۔ اس دن کے آنے میں قطعی کوئی شک نہیں! یوم قیامۃ پر شک نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے آنے کا، ہونے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا، اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا بے شک! اس لئے قیامت کا آنا ضرور ہے۔ عزیزانِ گرامی......اب ہمارا کام ہے اس کی فکر کے سامان کئے جائیں اور توشۂ آخرت کی تیاری میں منہمک ہوجائیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۝

بے شک جو کافر ہوئے اُس دن، اُن کا مال اور اُن کی اولاد، اللہ تعالیٰ کے حضور، کچھ بھی کام نہیں آئیں گے اور ایسے لوگ آگ کا ایندھن بنتے رہیں گے۔(۱۰)

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَھُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

ان کا انجام ویسا ہی ہوگا جیسے آلِ فرعون کا ہوا، اور اُن کا جو اس سے پہلے تھے، انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، پھر اللہ نے، ان کے گناہوں کے سبب اُن کو پکڑ لیا اور اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے(۱۱)۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝

اے میرے محبوب (ﷺ)، کہہ دیجئے کافروں سے، تم عنقریب مَغلوب کئے جاؤ گے/ یعنی کچل کر دھکیل دیئے جاؤ گے دوزخ کی طرف، اور کیا ہی برا ٹھکانہ ہے جہنم۔(۱۲)

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَھُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۭ وَاللّٰهُ يُـؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝

تمہارے لئے نشانِ عبرت تھا اِن دو جماعتوں میں جو ملے تھے، (میدانِ بدر میں) جب دونوں آپس میں بھڑ گئے، ایک جماعت اللہ کی راہ میں لڑی تھی اور ایک منکرین کا ٹولہ تھا، جو دیکھ رہا تھا، اُس کو کھلی آنکھ سے دُوگنا، (اور باری تعالیٰ جسے چاہے اپنی مدد سے قوی کرتا ہے) دیدہ بینا رکھنے والوں کے لئے اس میں بڑا مفید سبق ہے۔(۱۳)

الفاظ ومعانی آیت ۱۰ تا آیت ۱۳

﴿ تُغْنِيَ ﴾ بچاسکیں گے۔﴿ وَقُوْدُ النَّارِ ﴾ ایندھن ہوں گے آتش کا۔﴿ سَتُغْلَبُوْنَ ﴾ مغلوب ہوگئے۔﴿ كَدَاْبِ ﴾ جیسا حال۔﴿ فَاَخَذَھُمُ اللّٰهُ ﴾ اللہ نے ان کو پکڑ لیا/ گرفت کی۔﴿ الْتَقَتَا ﴾ دونوں ملیں، بھڑ گئے، قواعد/ گرائمر کے مطابق، فعل ماضی تثنیہ، مؤنث غائب ﴿ تُقَاتِلُ ﴾ وہ لڑے گی، قتال کرتی ہے یہ، مُقَاتَلَةً، سے ہے بمعنی باہمی جنگ، مضارع کا صیغہ ﴿ فِئَتَيْنِ ﴾ فِئَةٌ، کا تثنیہ، دو جماعتیں/ باہم گروہ، اسم ہے۔﴿ رَاْيَ الْعَيْنِ ﴾ دیکھنا آنکھ کا۔﴿ لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴾ اہلِ بصیرت۔

تشریح وتوضیحات آیت ۱۰ تا ۱۳

آیت ۱۰ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ جو لوگ کُفر کی روش اختیار کئے ہوئے ہیں، ہرگز کام نہیں آسکتے اُن کے مال، دولت اور نہ ان کی اولاد، ایسے لوگ دوزخ کا ایندھن ہیں۔ یہ بات مشاہدہ میں آتی ہے کہ مال اور اولاد کی کثرت انسان میں، غُرور اور تکبّر پیدا کردیتی ہے اس آیت میں بیان ہے کہ مال وزر اہل وعیال انہیں اللہ کی گرفت سے نہیں بچاسکتے۔

آیت ۱۱ میں مثال کے ساتھ، واضح کیا گیا ذرا فرعون کی جاہ وجلال اور حشمت پر نگاہ ڈالو، جب باری تعالیٰ کا عذاب آیا تو پھر کوئی چیز اسے نہیں بچاسکی، اور فرعون جیسا سنگدل اور طاقت ور بادشاہ، قہرِ خداوندی میں مبتلا ہوگیا۔

آیت ۱۲ میں بیان ہے کہ اِن کافروں، یعنی یہودیوں سے کہہ دیجئے اے میرے رسول (ﷺ) تم یہ نہ سمجھنا کہ یہ دَار وگیر (بقیہ اگلے صفحہ پر)

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾

لوگوں کیلئے زینت بنا دی گئی/ آراستہ کی گئی، اِن خواہشوں کی محبت اور رغبت، یعنی عورتیں اور بیٹے جوڑ کر رکھا ہوا مال، سونے اور چاندی کے ڈھیر اور گھوڑے نشان لگائے ہوئے/ چُنے ہوئے انہیں بہت پسند ہیں۔ اسی طرح مویشی اور کھیتیاں بھی۔ یہ سب کچھ دنیاوی زندگی کا حقیر سامان ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس پلٹ کر جانے پر، اس سے بھی بہتر سامان اور خوبصورت جگہ ہے۔ (۱۴)

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾

اے میرے محبوب ﷺ کہہ دیجئے! کیا میں تم کو بتا دوں، بہترین چیزیں کیا ہیں! اہلِ تقویٰ کیلئے، ان کے ربّ کے یہاں جنت کے باغات ہیں، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جہاں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے وہ رہیں گے پاک اور ستھری بیویاں ہوں گی اور انہیں اللہ کی خوشنودی حاصل ہوگی۔ اللہ تو بندوں کو اچھی طرح دیکھ رہا ہے۔ (۱۵)

(بقیہ گذشتہ صفحہ سے آگے) صرف آخرت میں ہوگی بلکہ دنیا و آخرت دونوں جگہ ہوگی، عنقریب تم مسلمانوں سے مغلوب کئے جاؤ گے اور آخرت میں دوزخ کی جانب اکٹھا کر دیئے جاؤ گے اور دوزخ بُرا ٹھکانہ ہے۔ بات یہ ہے کہ حضور رسالت مآب حضرت محمد ﷺ نے غزوۂ بدر میں فتح و نصرت پانے کے بعد، یہود کو دعوت اسلام دی، اگر تم نے اسلام قبول نہ کیا تو تمہارا انجام کار بھی قریشِ مکّہ کی طرح ہوگا اس پر یہود غُصّہ سے برہم ہو گئے اور کہا کہ قریش تو فنونِ حرب سے ناواقف ہیں اگر ہم سے مقابلہ ہوا تو آپ کو معلوم ہو جائے گا، ابنِ عباس ؓ سے یہ روایت مروی ہے اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی اور انہیں خبر دی گئی کہ وہ مغلوب ہوں گے اور مارے جائیں گے، گرفتار کئے جائیں گے ان پر جزیہ مقرّر ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا، رسول اللہ ﷺ نے ایک دن میں چھ سو کی تعداد کو قتل کیا اور کافی لوگوں کو گرفتار کیا اور اہلِ خیبر پر جزیہ مقرّر فرمایا۔

آیت ۱۳ میں اظہارِ بیان ہے تمہارے لئے ان دو جماعتوں میں ایک نشانِ عبرت تھا، جو بدر میں ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوئے، یہاں غزوۂ بدر کا واقعہ ہے اتنی کثیر فوج کا اتنی قلیل اور غیر مسلح فوج سے ہار جانا اللہ کے قدرت کی کھلی نشانی ہے۔

ع ہو معرکۂ حق و باطل تو فولاد ہے مومن (اقبال)

ذرا غور تو فرمایئے جبکہ بدر میں مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳ تھی، جن میں صرف چھ زرہ پوش تھے ساز و سامان انتہائی کم تھا، صرف دو گھوڑے، ستر اونٹ اور آٹھ تلواریں تھیں اس کے مقابلہ کفّار کا لشکر ۹۵۰ نفوس پر مشتمل تھا ہر شخص اَسلحہ سے پوری طرح لیس تھا ان کے ہمراہ سو گھوڑے اور سات سو اونٹ تھے کفارِ مکّہ اپنی طاقت اور کثرت مال و اسلحہ کے گھمنڈ میں تھے، معرکہ بدر کا واضح بیان تو سورۃ الانفال آیت ۴۴ پارہ ۱۰ وَاعْلَمُوْا میں بیان ہوا ہے۔ اس میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی خصوصی حمایت/ مدد حاصل ہوئی اور کافروں کو عبرتناک شکست ہوئی۔

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٦﴾

یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں، اے ہمارے ربّ! ہم ایمان لائے، پس ہمارے گناہ بخش دے، اور ہم کو آتشِ جہنم سے محفوظ رکھ۔ (۱۶)

اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿١٧﴾

یہ مصیبتوں میں صبر کرنے والے ہیں، سچ بولنے والے ہیں، فرمانبردار اور عبادت میں عجز و انکساری کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے والے ہیں اور رات کی پچھلی ساعتوں میں/ رات کے آخری حصے میں (اپنے گناہوں کی) معافی مانگنے والے/ بخشش طلب کرنے والے ہیں۔ (۱۷)

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١٨﴾

اللہ تعالیٰ نے خود شہادت دی ہے کہ، اس کے سوا کسی کی بندگی مت کرو، اور یہی گواہی، فرشتوں اور اہلِ علم نے بھی دی ہے، وہ انصاف/ عدل کو قائم رکھنے والا ہے۔ بس حق یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی زبردست حکمت والا ہے۔ (۱۸)

الفاظ و معانی آیت ۱۴ تا آیت ۱۸

﴿ زُيِّنَ ﴾ یہ لوگوں کے لئے زینت بنادی گئی۔ ﴿ حُبُّ الشَّهَوٰتِ ﴾ مرغوب چیزوں کی محبت الشَّھوات سے مراد یہاں مشتہیات ہیں گویا ایسی چیزیں جو طبعی طور پر انسان کی پسندیدہ ہیں ﴿ بَنِيْنَ ﴾ بیٹے، صیغہ جمع ہے ابنٌ کی۔ ﴿ قَنَاطِيْرِ ﴾ خزانے، قِنطارٌ صیغہ واحد ہے گویا سونے چاندی اور مال و ثروت کی کثرت۔ ﴿ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ ﴾ ایسے گھوڑے جن کو چراگاہ میں چرانے کے لئے چھوڑ دیا گیا یا نشان زدہ گھوڑے جو جہاد کے لئے تیار کئے گئے ہوں۔ (بحوالہ فتح القدیر) ﴿ الذَّهَبِ ﴾ سونے۔ ﴿ الْفِضَّةِ ﴾ چاندی۔ ﴿ اَنْعَامِ ﴾ چوپائے۔ ﴿ حَرْثِ ﴾ کھیتی۔ ﴿ شَهَادَة ﴾ یہ آگاہ کرنا، بیان کرنا، گویا اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا، اور بیان کیا اس کی وضاحت سے اللہ نے اپنی واحدنیت کی طرف رہنمائی کی۔ (بحوالہ فتح القدیر) ﴿ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴾ یعنی یہ تمام چیزیں دنیوی زندگی میں صرف امور کی تکمیل کیلئے ہیں دل لگانے کیلئے ہیں اور اللہ کے پاس ہے بہترین ٹھکانہ ہمیشہ ہمیشہ کا ہے اور جس کی نعمتیں اور لذتیں نہ فنا ہونے والی ہیں۔ ﴿ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ﴾ وہی حاکم ہے انصاف کا۔

تشریح و توضیحات آیت ۱۴ تا آیت ۱۸

آیت ۱۴ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی محبت فطری اور طبعی طور پر انسانوں کے دلوں میں پیدا کردی ہے جس میں ہزاروں حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ ہر شے کی تزئین زینت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور آزمائش ہے۔ دنیا کی چند اہم پسندیدہ چیزوں کا نام لے کر وضاحت کی جارہی ہے کہ لوگوں کی نظروں میں اُن کی محبت کو خوشنما اور دل آویز بنادیا گیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد پاک ہے۔ حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ "دنیا کی رغبت اور محبت ہر برائی کا سرچشمہ ہے"

بات دراصل یہ ہے کہ دنیا کی محبت فطری امر ہے مگر اس میں غلو خطرہ کی علامت ہے۔

اگر آپ کی نظر پارہ ۱۵ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ سورۂ کہف آیت ۷ پر جائے تو معلوم ہوتا ہے۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَی الْاَرْضِ زِیْنَۃً لَّھَا لِنَبْلُوَھُمْ اَیُّھُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝

''روئے زمین پر جو کچھ ہے ہم نے اسے زمین کی زینت بنا کر بڑی رونق کے ساتھ اس کی سجاوٹ کردی ہے اور ہم آزمانا چاہتے ہیں کہ لوگوں میں کون اچھا عمل کرتا ہے'' (آیت ۷ سورۃ الکہف)

اس گفتگو کا ماحصل یہ نکلا کہ دنیا کی دل پسندیدہ چیزوں کو انسان کے لئے خوش نما اور دیدہ زیب بنا دیا گیا ہے تا کہ انسان کی آزمائش کی جائے انسان کے امتحان کے لئے سب سے پہلے مِنَ النِّسَآءِ عورت کا ذکر آیا۔

علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔　　ع　　وجودِ زن سے ہے تخلیقِ کائنات میں رنگ

کون نہیں جانتا، ہر بالغ انسان کی ضرورت اور تسکین کا باعث عورت ہے، آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے۔

وَحُبِّبَ اِلَیَّ النِّسَاءُ وَالطِّیْبُ ''عورت اور خوشبو مجھے محبوب ہیں'' (مسندِ احمد)

رسول اللہ ﷺ نے نیک عورت کو دنیا کی بہتر متاع بتایا ہے۔

خَیْرُ مَتَاعِ الدُّنْیَا الْمَرْاَۃُ الصَّالِحَۃ

اگر عورت کی محبت کا دائرہ کار حدودِ شریعت میں ہے تو یہ بہترین شریکِ زندگی ہے اور زادِ آخرت بھی، ورنہ یہی انسان اگر ''صنم کدۂ کائنات'' میں کھو جائے تو یہی عورت فتنہ گر بھی ہے اور فتنہ ساز بھی،

حضرت محمد ﷺ کی حدیثِ مبارکہ ہے۔

مَا تَرَکْتُ بَعْدِیْ فِتْنَۃً اَضَرَّ عَلَی الرِّجَالِ مِنَ النِّسَآءِ

''میرے بعد جو فتنے رونما ہوں گے، ان میں مردوں کے لئے سب سے بڑا فتنہ عورتوں کا ہے'' (بحوالہ صحیح بخاری شریف کتاب النکاح)

دنیا میں تقاضائے زیست کی تکمیل کے لئے باری تعالیٰ کی حکمت کا یہ انداز ہے کہ مال و زر کی کثرت، اولاد اور بیوی، چاندی سونے کے کثیر ذخائر اور دولت کی فراوانی، انسان کے لئے مرغوب اور زینت سے پُر بنا دی گئی ہے اس لئے کہ متاعِ کائنات کی طلب، زندگی کی فطری طلب ہے۔

کائنات میں کثرت ایسے افرد کی ہے جو عیش وطرب میں مبتلا ہو کر اور اللہ کے احکامات کو یکسر فراموش کر کے اپنے انجام کو بھول جاتے ہیں اس لئے وضاحت سے بیان کیا جا رہا ہے کہ ابدی صلاح و فلاح اِن چیزوں سے حاصل ہونے کی نہیں یہ متاعِ دنیا کا نفع عارضی ہے کامیاب اور کامران مستقبل اور بہتر ٹھکانا تو اللہ کے پاس ہے لہٰذا اللہ کی خوشنودی اور قُرب حاصل کرنے کی فکر کرو۔

آیت ۱۵ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ اہلِ تقویٰ کیلئے رَبّ کے پاس نعمت بہشت اور باغات ہیں جن کے تلے نہریں بہتی ہیں اور وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے گویا یہ بتانا مقصود ہے کہ دنیا کی کیف و سرور اور لذت میں مت کھو جانا، بلکہ اس سے بہتر متاعِ آخرت ہے اس لئے اگر تم نے راہِ تقویٰ اختیار کر لیا تو یقینی طور پر دین و دنیا کی تمام تر بھلائیاں تمہارے دامن میں سمٹ آئیں گی وہاں پرہیزگاروں کے لئے پاکیزہ بیویاں ہوں گی جو حیض و نفاس اور دیگر آلودگیوں سے مبّرا ہوں گی اور پاک دامن ہوں گی اور انہیں اللہ کی خوشنودی حاصل ہوگی۔

ذرا غور تو فرمایئے اللہ کی طرف سے اُن مخصوص نعمتوں کو جو بلا طلب ہر اہلِ جنت کو ملیں گی، بہشت کے سرسبز و شاداب باغات، حسین و جمیل دلرُبا عورتیں، اِن مربوط نعمتوں کے بعد ایک عظیم نعمت کا ذکر آیا جس کا تصور بھی کرنے سے انسان قاصر ہے اور وہ نعمتِ خاص ہے اللہ سبحانہ تعالیٰ کی دائمی رضا اور خوشنودی، قربان جایئے اللہ کی شانِ کریمی کے، حدیثِ مبارکہ میں آتا ہے "جب سب اہلِ بہشت، جنت پا کر مسرور و مطمئن ہوں گے اور دل میں کوئی تمنا اور آرزو ایسی نہ ہوگی جو تشنہ رہ گئی ہو تو اس وقت باری تعالیٰ کا خطاب اہلِ جنت سے: ہوگا اب تم کو اِن سب نعمتوں سے بڑھ کر ایک نعمت عظیم دیتا ہوں" وہ یہ کہ تم سب کو میری رضا اور قرب دائمی طور پر حاصل ہے"

آیت ۱۶ میں اظہارِ بیان ہے 'ایک التجا ہے! اے ہمارے رَبّ اور ہم ایمان لے آئے۔ ہماری خطأ اور تقصیر کو معاف فرما اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچالے، اس آیۂ کریمہ سے اس بات کا علم ہوا کہ گناہ معاف ہونے کے لئے ایمان لانا شرط اوّل ہے۔

آیت نمبر ۱۷ میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا جارہا ہے کہ اہلِ تقویٰ وہ ہیں جن کے لئے جنّت اپنی تمام تر زیب و زینت اور دل آویزی کے ساتھ سجادی گئی ہے اور رضائے باری تعالیٰ سایۂ فگن ہے اس لئے داعیِ حق کے چند اوصاف کا تذکرہ ہورہا ہے تاکہ تقویٰ کا قرآنی مفہوم و مدعا واضح ہوجائے داعیِ حق کے اوصاف حسبِ ذیل ہیں۔

۱)......صبر: استقامت راہِ حق میں اچھے اور بُرے حالات میں ثابت قدم رہنا۔

۲)......صدق: سچّائی قول وعمل اور ظاہر باطن میں باہمی مطابقت۔

۳)......قنوت: اللہ کی یکسوئی سے اطاعت، یہ خوبی اللہ کی بے پایاں نعمتوں اور اس کی عظمت کے احساس سے اُجاگر ہوتی ہے یہ عجز وانکساری کی علامت ہے۔

۴)...... اِنفاق/ فیاضی: اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اِنفاق کی خوبی اسی وقت اُجاگر ہوگی جب دنیوی اور پسندیدہ چیز کی خواہش باقی نہ رہے بخل و کنجوسی سے اجتناب کیا جائے اور صدقات اور خیرات دینے میں پہل کی جائے۔

۵)......توبہ: رات کے پچھلے پہر وقتِ سحر اللہ کے حضور طمانیت قلب اور خشوع وخضوع کے ساتھ اپنے گناہوں اور خطاؤں کی معافی طلب کی جائے رات کی تاریکی میں پوری یکسوئی کے ساتھ بندے کا تعلق رَبّ سے جڑ جاتا ہے۔

شاعرِ مشرق اقبالؔ نے کیا خوب کہا ہے

عطارؔ ہو، رومیؔ ہو کہ رازیؔ ہو کہ غزالیؔ ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا ہے آگاہِ سحر گاہی

گویا یہ وہ صفات ہیں جو داعیِ حق کے تزکیہ اور تزکیۂ نفس کی ترقی کے مراتب میں اضافے کا مُوجِب ہیں، مجھے کہنے دیجئے!

ع قہاری غفاری وقدسی وجبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلماں (اقبالؔ)

یہ وہ عوامل ہیں جن کے سبب راہِ حق میں' آنے والی جملہ مشکلات پر قابو پایا جا سکتا ہے اور بندۂ مومن اللہ کی رضا حاصل کرسکتا ہے۔
آیت ۱۸ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لا

''اللہ نے شہادت دی کہ اس کے سوا کسی کی بندگی مت کرو''

گویا توحیدِ باری کا مضمون ایک خاص اندازِ فکر سے بیان کیا جارہا ہے۔اس آیتِ شہادت کی اپنی ایک خاص شان ہے اس میں تین شہادتوں کا ذکر واضح بیان ہے۔ایک تو خود اللہ تعالیٰ کی شہادت ہے کون نہیں جانتا کائنات کی سب سے بڑی اور عظیم شہادت ''توحید'' کی شہادت ہے رَبِّ جلیل خود اپنی وحدانیت کا سب سے بڑا شاہد ہے، دوئم اس کی معصوم مخلوق فرشتے، سوئم اہلِ علم اس واضح صداقت کے گواہ ہیں۔علامہ بیضاویؒ کا یہ قول کس قدر جامع ہے کہ ''اللہ نے کائنات کی کتاب کے ہر صفحہ پر اپنی توحید کے ایسے واضح، روشن اور اٹل دلائل ثبت کردیئے جن سے کوئی صاحبِ فہم وذکا انکار نہیں کرسکتا۔''

گفتگو کا خلاصہ یہ کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کے تمام تر مظاہرِ کائنات، اللہ تعالیٰ کی توحید کی کُھلی نشانیاں ہیں اس کے علاوہ یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ کے بھیجے/ارسال کئے ہوئے رسول، نبی صحیفہ سماوی اور اس کی نازل کردہ کتابیں بھی اس کی توحید پر گواہ ہیں۔

اس آیتِ مبارکہ کا شانِ نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہود کے دو بڑے عالم ملکِ شام سے مدینہ منورہ آئے یثرب کی بستی کو دیکھ کر کہنے لگے مدینہ کی بستی تو ایسی معلوم ہوتی ہے جس کے لئے توراۃ میں مذکور ہے کہ اس میں خاتم النبین ﷺ قیام پذیر ہوں گے، جب آستانہ رسول ﷺ کو پہچان لیا اور کہا، کیا آپ ﷺ احمد ہیں، حضور ﷺ نے جواباً ارشاد فرمایا،''ہاں'' انہوں نے کہا اگر آپ (ﷺ) نے ہمارے سوال کا ٹھیک جواب دے دیا تو ہم آپ ﷺ پر ایمان لائیں گے۔انہوں نے کہا کتاب اللہ میں سب سے بڑی شہادت کون سی ہے۔اس سوال کے جواب کے طور پر اس آیتِ شہادت کا نزول ہوا۔آپ ﷺ نے ان کو پڑھ کر سنادی اسی وقت دونوں مسلمان ہوگئے۔

حضرت سعید بن جبیرؓ سے روایت ہے کہ خانہ کعبہ تین سو ساٹھ (۳۶۰) بُت تھے جب مدینہ منورّہ میں یہ آیت اتری کعبہ کے اندر وہ سب سجدہ میں گر گئے۔

مسندِ احمد کی حدیث میں مذکور ہے عرفات میں حضور اکرم ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی اور اس کے بعد ارشاد فرمایا۔

وَاَنَاعَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ يَارَبِّ

''اے میرے رَبّ! میں اس پر شاہد ہوں'' (بحوالہ ابن کثیر)

حضرت ابوایوب انصاریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص ہر نماز فرض کے بعد آیت الکرسی اور آیت شَهِدَ اللّٰهُ اور سورۂ آلِ عمران کی آیت ۲۶۔۲۷ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ سے بِغَيْرِ حِسَابٍ تک پڑھے تو رَبِّ جلیل اس کے سب گناہ معاف فرمائیں اور بہشت میں جگہ دیں گے اور اس کی ستر (۷۰) حاجات پوری فرمائیں گے جس میں کم از کم اس کی حاجت مغفرت ہے۔'' (روح المعانی بحوالہ دیلمی)

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ۗ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾

بے شک دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہے اور کتاب پانے والوں نے علم آجانے کے بعد جو آپس کی سرکشی اور حسد کی بناء پر ہی اختلاف کیا ہے اور جو کوئی بھی انکاری ہوا اللہ کی آیات سے ،تو اللہ بے شک جلد حساب لینے والا ہے۔(۱۹)

فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۗ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ۗ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾

پھر بھی یہ لوگ اگر آپ ﷺ سے جھگڑا کریں تو کہہ دیجئے! اللہ تعالیٰ کے حضور میں نے تو اپنا سر جُھکا دیا ہے اور انہوں نے بھی جنہوں نے میری پیروی کی ،اور کہہ دیجئے! اُن لوگوں سے جن کو کتاب عطا کی گئی اور ان پڑھوں سے کیا تم اللہ کے مطیع ہوتے ہو پس اگر یہ لوگ بھی سر تسلیم خم کر دیں اللہ کے حضور تو راستہ پالیں گے اور اگر نہ مانیں گے تو آپ کے ذمہ صرف اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے اور اللہ اپنے بندوں کو خود ہی دیکھ رہا ہے۔(۲۰)

الفاظ ومعانی آیت ۱۹ تا ۲۰

﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ قف﴾ ﴿اِنَّ﴾ بے شک۔ ﴿عِنْدَ اللّٰهِ﴾ اللہ کے نزدیک۔

دِيْـــن :عربی لغت میں لفظ ''دین'' کے کئی معنی ہیں، ان میں ایک معنی طریقہ اور روش کے ہیں۔اصطلاحِ قرآن میں لفظ ''دین'' ان اصول اور احکامات کی ترجمانی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو سیدنا آدم علیہ السلام سے خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ تک سب انبیاء علیہم السلام میں قدر مشترک ہے دین تمام انبیاء علیہم السلام کا ایک ہی تھا، یعنی اللہ کی ذات کے جامع کمالات اور تمام نقائص سے مُبرّا اور اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، پر دل سے ایمان، زبان سے اقرار، یومِ حساب، جزا اور سزا پر اور بہشت وجہنم پر دل سے ایمان لانا اور نبی اور رسول پر اور ان کے لائے ہوئے احکام پر ایمان لانا۔

اِسْلَام :لفظ اسلام کا اصل مفہوم تو یہ ہے کہ اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دینا اور اس کے مطیع اور فرمانبردار ہو جانا۔اس کا مطلب تو یہ ہوا ہر نبی اور رسول کے دَور میں جو لوگ اِن پر ایمان لائے ان کے احکامات کو تسلیم کیا، وہ سب مسلمان اور مسلم کہلانے کے مستحق ٹھہرے اور ان کا دین، دینِ اسلام تھا،اس کی وضاحت قرآن کے ۱۱ پارہ یَعْتَذِرُوْنَ سورۃ یونس آیت ۷۲ سے ہو جاتی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (۷۲)

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا ''اور مجھے تو حکم دے کر بھیجا گیا ہے کہ میں اسلام لانے والوں میں شامل ہوں''

بعض مرتبہ یہ لفظ خصوصیت سے اس دین وشریعت کے لئے مستعمل ہے جو سب سے آخر میں خاتم النبیین ﷺ لے کر آئے۔ایسی صورت میں یہ لفظ صرف دین محمدی ﷺ اور اُمتِ محمدیہ کے لئے مخصوص ہو جاتا ہے خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ اللہ کے نزدیک مقبول دین صرف دین اسلام ہے یعنی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان بنانا اور اب حضرت محمد ﷺ کے زمانے کا اسلام وہ ہے جو قرآن

وسنّت کے بتائے ہوئے ضابطہ کے مطابق ہو یہ مضمون قرآن مجید کی بے شمار آیات میں مختلف عنوانات سے آیا ہے چنانچہ پارہ ۳ تِلۡكَ الرُّسُلُ سورۃ آل عمران آیت ۸۵ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَنۡ يَّبۡتَغِ غَيۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِيۡنًا فَلَنۡ يُّقۡبَلَ مِنۡهُ ۚ

''اور جو کوئی اس طریقہ اطاعت اسلام کو چھوڑ کر کوئی دین کا متلاشی ہو تو اس کا دین ہرگز قبول نہ ہوگا'' (آیت ۸۵ آل عمران)

جو شخص اصول اسلام میں سے کسی ایک چیز کا منکر ہے وہ بے شک اللہ کا باغی اور اس کے رسولوں کا دشمن ہے نجاتِ آخرت کا انحصار سب سے پہلے اللہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت پر موقوف ہے۔ ﴿سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ﴾ جلد حساب لینے والا۔ ﴿حَآجُّوۡ﴾ جھگڑا کریں۔ ﴿ اُمِّيّٖنَ ﴾ اَن پڑھ۔ ﴿ بَصِيۡرٌ ﴾ دیکھ رہا ہے۔

تشریح وتوضیحات آیت ۱۹ تا ۲۰

آیت ۱۹ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ بلاشبہ اللہ کے نزدیک اسلام ہی دین ہے اس کے سوا کوئی دین قبول نہیں، یہود ونصاریٰ اور کُفار جو اپنے دین کو بہتر اور مقبول جانتے ہیں اس آیتِ مبارکہ میں ان کے دعویٰ کو باطل قرار دیا گیا، یہ آیت یہود ونصاریٰ کی تلقین کے لئے وارد ہوئی جنہوں نے اسلام کو چھوڑا اور انہوں نے خَاتم النّبیّن حضرت محمد ﷺ کی نُبوّت پر اختلاف کیا ان کے اختلاف کا مُوجب ان کا حَسد، بغض اور دنیوی نفع کی طمع ہے اور جو اللہ کی آیات کا منکر ہو تو بلاشبہ اللہ کو اس سے حساب لینے میں کوئی دیر نہیں لگتی۔

آیت نمبر ۲۰ میں واضح اظہارِ بیان ہے کہ آپ ﷺ اُن پر یہ واضح کر دیں کہ ہم تم کو جو دعوتِ اسلام بار بار دے رہے ہیں اس کا یہ سببِ قطعی نہیں کہ تمہاری سنگت سے ہم اپنی تقویت چاہتے ہیں بلکہ دعوتِ اسلام قبول کرنے میں تمہارے لئے ہی بہتر ہے۔ اگر تم ضد پر قائم رہے اور اِس کو تسلیم نہ کیا تو تم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے بلکہ اپنی دنیا وآخرت کے لئے بَربادی کے سامان خود ہی مُہیّا کرو گے۔

بات دراصل یہ ہے کہ یہود ونصاریٰ میں گروہ بندی اور تفرقہ یوں پیدا ہوا کہ نے وہ اصل دین کے انکاری رہے اور ضِد اور تعصّب میں مبتلا ہوئے۔ کچھ علاج اس کا اے چارہ گراں ہے کہ نہیں کے مصداق، آج بھی گروہی رفرقہ بندی کا علاج یہی ہے کہ اصل دعوت کی طرف پلٹ آئیں تو وہ لوگ بھی راہِ راست پر آجائیں گے اگر وہ لوگ بدَستور اس سے رُوگَردانی کریں تو آپ بھی اس کا ملال نہ کیجئے کیونکہ آپ کے ذمّہ صرف احکام باری تعالیٰ پہنچا دینا ہے اللہ تو خود سمجھ رد یکھ لیں گے اپنے بندوں کو آپ ﷺ سے کوئی باز پُرس نہیں ہے۔

❀❀

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۲۱

بے شک جو لوگ، اللہ کی آیات کے انکاری ہیں، اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے ہیں اور عدل وانصاف کی بات کہنے والوں کو بھی قتل کرتے ہیں۔ بس ایسے لوگوں کو، دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے۔ (۲۱)

اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝۲۲

یہ ہیں وہ (بدنصیب) لوگ، جن کے سب اعمال دنیا وآخرت میں اکارت/ضائع گئے، اور انکا کوئی حمایتی/مددگار نہیں۔ (۲۲)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَھُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْھُمْ وَھُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝۲۳

کیا آپ نے انہیں نہ دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ ملا، انہیں دعوت دی جا رہی ہے اللہ کی کتاب (تورات) کی طرف تا کہ اُن کے فیصلے ہو جائیں،/ تصفیہ کر دے ان کے باہمی تنازعات کا پھر بھی انکا ایک گروہ اس سے رُوگرداں ہو کر پھر جاتا ہے۔ (۲۳)

ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۠ وَغَرَّھُمْ فِيْ دِيْنِھِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝۲۴

یہ اس لئے ہوا کہ، وہ تو بے باکی سے کہے جا رہے ہیں، ہم کو ہرگز آتش جہنم نہ مَس کریگی۔ آگ اگر چھوئے بھی تو گنتی کے چند دن، اُن کی مَن گھڑت باتوں نے انہیں فریب میں مُبتلا رکھا، جو یہ دین کے بارے میں بُہتان باندھتے رہے ہیں۔ (۲۴)

الفاظ ومعانی آیت ۲۱ تا ۲۴

﴿ وَيَقْتُلُوْنَ ﴾ قَتَلَ، سے ہے وہ قتل کرتے ہیں قواعد کے مطابق جمع مذکر غائب فعل مضارع۔ ﴿ بِالْقِسْطِ ﴾ انصاف کے ساتھ۔ ﴿ حَبِطَتْ ﴾ اکارت گئے/برباد ہو گئے، صیغہ ماضی مؤنث غائب۔ ﴿ نَصِيْبًا ﴾ حصہ/جزءِ علم توریت کا حصہ نَصِيْبًا ایسا حصہ جو میراث کے طور پر علمی اعتقادی طور پر عطا ہو۔ ﴿ يَتَوَلّٰى ﴾ پیٹھ پھیر لیتا ہے، منہ پھیر لیتا ہے، پہلو تہی کرتا ہے۔ ﴿ فَرِيْقٌ ﴾ گروہ/جماعت، فِرْقَةٌ بھی گروہ کو کہا جاتا ہے۔ ﴿ تَمَسَّ ﴾ چھوئے گی مس کرے گی۔ ﴿ غَرَّ ﴾ فریب دیا دھوکہ دیا۔ ﴿ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ﴾ چند کے چند (يَفْتَرُوْنَ ﴾ بہتان تراشنا/الزام لگانا/خود بات گھڑنا۔

تشریح وتوضیحات آیت ۲۱ تا ۲۴

آیت کریمہ ۲۱ میں اظہار بیان یہ ہے کہ یہود کی سرکشی، بدعنوانیاں اور بغاوت، اور حق سے دانستہ انکار اور اہل حق پر ظلم وستم اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ انہوں نے صرف نبیوں کو ہی قتل نہیں کیا بلکہ کمالِ حد تو یہ ہے کہ اُن کو بھی قتل کر دیا جو انصاف اور عدل کی بات کرتے تھے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔

رُوح المعانی میں بروایت ابی حاتم، خود نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل نے (۴۳) تینتالیس نبیوں کو ایک ہی وقت میں قتل کر ڈالا ان کی حمایت میں ایک سو ستر (۱۷۰) بزرگ کھڑے ہوئے اُن کو بھی قتل کر دیا۔ (بحوالہ بیانِ القرآن)۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ اپنے جن کرتوتوں پر یہ لوگ جو آیات اللہ کے منکر ہیں اور اپنے عمل پر نازاں ہیں اور سمجھ رہے ہیں ہم بہت اچھے کام کر رہے ہیں انہیں تنبیہ کی جارہی ہے اے محبوب (ﷺ)! انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے۔

آیت ۲۲ میں واضح طور پر وضاحت کی جارہی ہے کہ یہ وہ بدنصیب لوگ ہیں، جن کے نیک اعمال دنیا و آخرت میں بھی برباد/ضائع ہو گئے انہوں نے اپنی تمام تر سعیٔ پیہم کی توانائی ایسی راہ میں لگا دی جس کا انجام دنیا میں بھی خراب ہے اور آخرت میں بھی بُرا ہے۔

آیت ۲۳ میں خطاب محمد ﷺ سے ہے کہ اے محبوب (ﷺ) کیا آپ نے ایسے لوگ نہیں دیکھے، جنہیں کتابِ سماوی، توراۃ کا کافی حصّہ دیا گیا، اگر انہیں ہدایت کی طلب کی جستجو ہوتی، وہ اُن کے لئے کافی تھا، جب انہیں کہا گیا اللہ کی کتاب کو آخری سَند تسلیم کرو اور اس کے فیصلے کے آگے سرِ تسلیم خَم کر دو، تا کہ وہ اُن کے درمیان مذہبی اختلاف کا فیصلہ کر دے ان میں اکثر لوگ اِنحراف کرتے، اور بے اعتنائی برتتے تو ان میں ایک فریق بے رخی اختیار کرتا اور اس فیصلے سے کج رَوی کے ساتھ منہ پھیر لیتا ہے۔

آیت ۲۴ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ یہود کہتے ہیں اور انکا اعتماد اور اعتقاد ہے کہ ہم کو صرف گنتی کے چند یوم تک جہنّم کی آگ لگے گی اور پھر مَغْفِرت ہو جائے گی یہ اُن کا وہمُ وگمان ہے۔ وسوسہ ہے جس نے اِن کو فریب میں ڈال رکھا ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ اس تراشی ہوئے باطل حقیقت نے ہی اُن کو دھوکہ میں مبتلا رکھا ہے کہ ہم اَنبیاء کی اولاد ہیں اِس خاندانی عَظمت کی بدولت ہماری نجات ضرور ہو جائے گی۔ اُنکا یہ زعمِ باطل ہے ان کے مَن گھڑت/خود ساختہ عقیدہ ں نے انہیں اپنے دین کے معاملوں میں غلط فہمی میں مُبتلا کر رکھا ہے۔

یہ لوگ رَسمی مذہبی، اور اختلافی گروہ بندی کے غرور وتکبّر میں مبتلا ہو کر باطل کے فریب میں آگئے ہیں کہ ہم نجات یافتہ قوم ہیں ہمارے اعمال کا رخ کیسا ہی برائی کی طرف مائل ہو، ہم دوزخ میں نہیں ڈالے جائیں گے۔ کتنے ناداں ہیں یہ شعلہ کو ہوا دیتے ہیں اور اُن کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا یہ اللہ کے قانونِ نجات، اور مکافاتِ عمل سے قطعی ناواقف ہیں! اللہ کو اِس سے غرض نہیں، کہ کون کس گروہ سے تعلق رکھتا ہے اور کس کا حَسب ونَسب اعلیٰ وارفع ہے وہ تو صرف اور صرف ایمان اور عمل تک کی کَسوٹی پر دیکھتا ہے جس کا جیسا عمل ہوگا ویسا ہی اس کا انجام ہوگا نیکی کا صلہ نیکی، بدی کا انجام بُرائی۔

فَكَیۡفَ اِذَا جَمَعۡنٰهُمۡ لِیَوۡمٍ لَّا رَیۡبَ فِیۡهِ ۟ وَوُفِّیَتۡ كُلُّ نَفۡسٍ مَّا كَسَبَتۡ وَهُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ ﴿۲۵﴾

پس کیا حال ہوگا اُن کا جب ہم اکٹھا کریں گے انہیں اُس دن کیلئے، جس کے آنے میں کوئی شک نہیں، اور پورا پورا صلہ / دیا جائیگا۔ ہر شخص کو جو کچھ اس نے کمایا، اور ان پر ظلم نہیں کیا جائیگا۔ (۲۵)

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الۡمُلۡكِ تُؤۡتِی الۡمُلۡكَ مَنۡ تَشَآءُ وَتَنۡزِعُ الۡمُلۡكَ مِمَّنۡ تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنۡ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنۡ تَشَآءُ ؕ بِیَدِكَ الۡخَیۡرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۲۶﴾

اے میرے محبوب (ﷺ)! یوں کہہ دیجئے! اے اللہ تمام ملکوں کے مالک، تو عطا کرتا ہے بادشاہت جیسے چاہے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لیتا ہے، جسے چاہتا ہے عزت اور تکریم دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلیل اور رُسوا کرتا ہے تیرے ہی ہاتھ ساری بھلائیاں ہیں بے شک تو ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔ (۲۶)

تُوۡلِجُ الَّیۡلَ فِی النَّهَارِ وَتُوۡلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیۡلِ ۫ وَتُخۡرِجُ الۡحَیَّ مِنَ الۡمَیِّتِ وَتُخۡرِجُ الۡمَیِّتَ مِنَ الۡحَیِّ ۫ وَتَرۡزُقُ مَنۡ تَشَآءُ بِغَیۡرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

تو ہی داخل کرتا ہے رات کے حصّے کو دن میں اور دن کے حصّے کو رات میں داخل کرتا ہے۔ زندے کو مردے سے نکالنا بھی تیرا کام ہے اور بے جان کو جان دار سے خارج کرنا بھی تیرا کام ہے۔ اور تو جس کو چاہتا ہے بے شمار / بے حساب رزق دیتا ہے۔ (۲۷)

الفاظ ومعانی آیت ۲۵ تا ۲۷

﴿ فَكَیۡفَ ﴾ پس کیا حال ہوگا۔ ﴿ جَمَعۡنَا ﴾ ہم جمع کریں گے۔ ﴿ وُفِّیَتۡ ﴾ پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، توفی پورا دیا جائیگا یہ "تَوۡفِیَةٌ" سے مضارع مجہول کا صیغہ ہے واحد مؤنث غائب (قواعد کے مطابق)۔ ﴿ مٰلِكَ ﴾ سارے جہاں کے حکمران، اسمِ فاعل ہے۔ ﴿ الۡمُلۡكِ ﴾ بادشاہت۔ ﴿ تُؤۡتِی ﴾ دیتا ہے عطا کرتا ہے یہ اِیۡتَـاءٌ سے مضارع کا صیغہ ہے واحد مذکر حاضر۔ ﴿ تَنۡزِعُ ﴾ چھین لے۔ ﴿ تُذِلُّ ﴾ ذلت دیتا ہے، اذلّ سے ہے، ذلیل ورسوا کرنا، صیغہ مضارع۔ ﴿ تُخۡرِجُ الۡحَیَّ ﴾ نکالتا ہے جاندار کو۔ ﴿ الۡمَیِّتَ ﴾ بے جان اسمِ صفت ہے مادہ مَوۡتٌ، موت

تشریح وتوضیحات آیت ۲۵ تا ۲۷

آیت نمبر ۲۵ میں وضاحت کے ساتھ اظہارِ خیال ہے کہ سو تمہاری کیا کیفیت ہوگی، جب ہم انہیں جمع کریں گے، قیامت کے دن سب کو اور ہر شخص کو پورا پورا صلہ مل جائیگا، جو اُس نے کمایا کسی پر قطعی کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ یومِ قیامت اُن کے یہ دعوے اور غلط عقائد کچھ کام نہ آئیں گے، یہ یادر ہے کہ آلِ عمران کی آیات ۲۰ تا ۲۵ میں یہود کی سرکشی، بغاوت اور اہلِ حق پر ظُلم وستم توڑنے کی عادت کا ذکر ہے انہیں قیامت کے دن کی سختیوں کی یاد دلائی جاتی ہے روزِ قیامت ان سے باز پُرس ہوگی، اور ان کی حق تلفی نہ ہوگی، اس وقت انہیں احساس ہوگا کہ وہ کس ظُلمت اور تاریکی میں تھے جب یومِ محشر سارے کے سارے اولین اور آخرین باہم اپنے بزرگوں کے رَسوا اور ذلیل ہوں گے اُن کو ان کاموں پر سزا ہوگی جس جرم کا ارتکاب انہوں نے خود کیا ہوگا جس قدر جرم ہوگا اتنی ہی سزا کا استحقاق ہوگا اس سے زیادہ سزا قطعی نہیں دی جائیگی اور نہ کسی کی ذرّہ برابر نیکی ضائع جائے گی۔

آیت ۲۶ میں اُمت محمد یہ ﷺ کو ایک دعا اور مناجات کی تلقین بڑے لطیف انداز میں کی گئی ہے جیسا کہ اس آیت مبارکہ کی شان نزول سے عیاں ہورہا ہے کہ فتح مکّہ کے وقت، جب رسالت مآب حضرت محمد ﷺ نے اپنی اُمّت کو ملک فارس وروم کی سلطنت کا وعدہ کیا تو منافقین اور یہود نے کہنا شروع کیا کہ کہاں رسول اللہ (ﷺ) اور کہاں فارس وروم ان طنزیہ الفاظ کا اظہارِ خیال، غلط ثابت ہوا آخر کار حضور اکرم ﷺ کا وعدہ پورا ہوا اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی (بحوالہ روح المعانی)۔

اس آیتِ مبارکہ میں حضور اکرم ﷺ کو اور آپ کے ذریعہ سے اُمّت کو پاکیزہ کلمات کی تعلیمات سکھائی جارہی ہے کہ جس میں مؤثر اور دِلآویز اُسلوب میں اللہ کی توحید اور اس کی قدرتِ کاملہ، اور قوت وطاقت کا اظہار اس لطیف اَنداز میں ہے دنیا کے انقلابات سے اقوام کا عُروج وزَوال کی تاریخ آگاہی رکھنے والی قوم، قومِ نوح، عَاد اور ثمُود کے واقعات سے غفلت برتنے والے اور جاہل دشمنانِ اسلام کو صاف صاف بتایا جارہا ہے کہ تم تو ظاہری شان وشوکت میں اور فخر وافتخار میں مبتلا ہو گئے۔ تمہیں اس بات کا قطعی علم نہیں کہ اللہ جس کو چاہتا ہے دین و دنیا کی عزّتوں سے نوازتا ہے ساری دنیا کی طاقتیں اور حکومتیں سب ایک ہی رَبّ کے قبضۂ قدرت میں ہیں عزت وذلّت اسی کے ہاتھ میں ہے حکومت دینے والا بھی وہی ہے اور حکومت چھیننے والا بھی وہی ہے اس کیلئے قطعی کچھ مشکل نہیں کہ شاہ کو فقیر بنادے اور فقیر کو شاہ بنادے، تمام اختیارات کلّی کا مالک وہی ایک اللہ ہے۔ آج کے خندق کھودنے والے، گداؤں کو کل شام، عراق اور یمن کی حکومت بخش دے۔

''بِیَدِكَ الْخَیْرُ'' ساری بھلائی تیرے ہاتھ ہے پر اِکتفا کر کے وضاحت بیان کردی کہ خالق کائنات کی حکمت اور عالم کی مصلحت کے پیشِ نظر ہر شئے میں خیر ہی خیر ہے۔

شَر کا خالق اگر چہ باری تعالیٰ ہے لیکن ''خَیر'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اس لئے کہ ''خَیر'' باری تعالیٰ کا فعلِ خاص ہے اس لحاظ سے تمام افعال خیر ہیں۔ (بحوالہ فتح القدیر)

آیت نمبر ۲۷ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

''تُولِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ''

''آپ جب چاہتے ہیں رات کے اجزاء دن میں داخل کر کے دن کے اوقات کار کو بڑھا دیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں دن کے اجزاء رات میں سُمو کر کے شب کو بڑی کر دیتے ہے۔''

کون نہیں جانتا، رات اور دن کے بڑے اور چھوٹے ہونے کا انحصار سورج کے طلوع وغروب کی حرکت پر ہے۔ عالمِ روحانیت میں باری تعالیٰ کی حقانیت کا احاطۂ قدرت تُخرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ یعنی کہ آپ زندہ کو مُردہ سے نکال لیتے ہیں۔ اس کی مثال یوں ہے۔ نطفہ (مردہ) پہلے زندہ انسان سے نکلتا ہے پھر اسی مردہ نطفہ سے انسان، اس طرح درخت سے پھل اور پھر دانہ خشک، یعنی انڈہ سے مرغی کا اور پھر مرغی سے انڈہ کا، جاہل کا عالم سے، عالم کا جاہل سے، کامل کا بد عقل/ ناقص سے، اور ناقص کا کامل سے نکلنا ہی اللہ تعالیٰ کے دائرہ اختیار اور قدرت میں ہے۔

آیت/ قُلِ اللّٰهُمَّ سے اور آیت ۲۷ بِغَيْرِ حِسَابٍ کے سلسلے میں علامہ قرطبیؒ رقمطراز ہیں۔ ''حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میری نماز جمعہ میں شرکت نہ ہوسکی۔ رسول اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا کیا وجہ ہے انہوں نے کہا میں ایک یہودی

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۗ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾

مومنوں کو چاہئے۔ ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق / دوست نہ بنائیں، اور جو کوئی ایسا کرے گا، اُس کا کوئی تعلق اللہ تعالیٰ سے نہیں، مگر اس حالت میں کہ تم اِن سے اپنا بچاؤ کرنا چاہو تو، اور اللہ تمہیں اپنی ذات کے غضب سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف سب کو لوٹ جانا / رجوع ہونا ہے (۲۸)

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾

اے محبوب (ﷺ) کہہ دیجئے! کوئی بات تم اپنے سینوں میں پوشیدہ رکھو یا اسے ظاہر کر دو، اللہ بہر نوع جانتا ہے، اس کو تو وہ سب کچھ معلوم ہے جو زمین اور آسمانوں میں ہے۔ اور اللہ جل شانہٗ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۲۹)

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۖۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًاۢ بَعِيْدًا ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۗ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾

جس دن ہر نفس / شخص جو نیکی اُس نے کی تھی، سوا سے موجود پائے گا اور جو کام بُرا کیا ہوگا، وہ بھی خود اپنے سامنے حاضر دیکھ لے گا۔ پھر تمنا کرے گا اے کاش! مجھ میں اور اس دن میں (پڑ جائے، فرق دور کا) مدت دراز ہو جائے اور اللہ خوف / دلاتا ہے تم کو اپنے آپ سے اور اللہ تو اپنے بندوں کا نہایت ہی خیر خواہ ہے۔ (۳۰)

یوحنا بن باریا کا کچھ مقروض تھا۔ وہ میری تاک میں تھا مجھے اپنی حراست میں لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے سے محروم کر دے اس لئے باہر نہ جا سکا، اور نماز جمعہ ادا نہ کر سکا نبی کریم ﷺ نے فرمایا، کیا تمہیں پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارا قرض ادا کر دے، میں نے جواب اثبات میں دیا تو حضور ﷺ نے فرمایا معاذ! ہر روز قل اللّٰھم **تا بغیر حساب** تک پڑھا کرو۔

"رَحْمٰنَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَرَحِيْمَهُمَا تُؤْطِيْ مِنْهُمَا مَنْ تَشَاءُ تَمْنَعُ مِنْهُمَا مَنْ تَشَاءُ اِقْضِ عَنِّيْ دَيْنِيْ"

پڑھا کرو۔ ایک دوسری روایت میں مذکور ہے کہ یہ ایسی دعا ہے کہ تم پر اُحد پہاڑ جتنا قرض بھی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی ادائیگی کا تمہارے لئے انتظام فرمائے گا۔ (بحوالہ مجمع الزوائد / رجالہ ثقات)

الفاظ و معانی آیت ۲۸ تا ۳۰

﴿ لَا يَتَّخِذِ ﴾ نہ بنائیں، يَتَّخِذُوْا، اور تم بناؤ، اِتَّخَاذٌ، سے مضارع کا صیغہ۔ ﴿ اَوْلِيَآءَ ﴾ دوست / رفیق / ساتھی، اولیاء کی جمع ہے، ولی مشتق ہے وَلَايَة، علامہ راغب اصفہانی رقمطراز ہیں واؤ کے ساتھ زیر آ جائے تو اس کے معنیٰ بدل جاتے ہیں اگر واؤ کے اوپر زبر وَلَـــی ہو تو، کسی کام کا ذِمّہ دار، اکثر لغت میں دونوں کے معنیٰ ایک ہی ہیں۔ ولی ایسے دوست کو کہا جاتا ہے جس سے دلی لگاؤ اور نسبت خصوصی ہو، سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۲۵۷ میں ارشاد ربانی ہے۔

"اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا"

"اللہ تعالیٰ دوست ہے اُن لوگوں کا جو ایمان لائے"

تشریح وتوضیحات آیت نمبر ۲۸ تا ۳۰

آیت نمبر ۲۸ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ ایمان والے ہو تو منکروں کو اپنا، والی محافظ اور راز دار اور ساتھی ہرگز نہ بنانا چاہیے البتہ فساد اور دَنگے سے بچنا مقصود ہو تو رواداری کا پاس کرتے ہوئے حسبِ ضرورت و مَصْلحت، اُن سے صلح و معاہدہ بھی کیا جاسکتا ہے جو کافر مسلمانوں کے دشمن نہ ہوں ان سے حُسن سلوک کا معاملہ جائز ہے۔ بہرحال اللہ کے غضب سے بچنے کی پوری فکر کرنی چاہیے۔

یہ آیت وہ ستون ہے جس پر اسلامی حکومت کی خارجہ پالیسی کا انحصار ہے اپنی اسی اِفادیت کے مدِّ نظر اس آیت کے مفہوم کو سمجھنے میں بہت غور وفکر اور تدبیر کی ضرورت ہے اس بات کا خیال رہے کہ اسے صحیح نہ سمجھنے کے باعث کسی اِمکانی غلطی کا شکار نہ ہو جائیں۔ معاشرتی طور پر غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک اور خندہ پیشانی سے پیش آنے میں کوئی قباحت نہیں۔ (بحوالہ ضیاء القران، پیر محمد کرم شاہ، الازہریؒ)

مسلمانوں کو ہدایت دی جارہی ہے کہ ظاہری طور پر اور باطنی طور پر کفار کو اپنا ساتھی اور رفیق نہ بناؤ چنانچہ سورۃ الْمُمْتَحنہ پارہ نمبر ۲۸ (قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ) آیت نمبر ا کے آخر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ

''جس شخص نے اُن سے دوستی کی تو وہ سیدھے راستہ سے گمراہ ہوگیا۔'' (آیت نمبر ا سورۃ الممتحنہ)

بتایا جارہا ہے جو کافروں کو دوست بنائے گا اللہ تعالیٰ سے دوستی اور محبت کا سلسلہ اور تعلق ربط قطع ہو جائے گا چنانچہ پارہ نمبر ۶ (لَايُحِبُّ اللّٰهُ) سورۃ الْمائدہ آیت نمبر ۵۱ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ط

''اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو! تم یہود ونصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ یہ تو باہم ایک دوسرے کے دوست ہیں۔'' (آیت ۵۱ سورۃ المائدہ)

اس گفتگو کا ماحَصل یہ نکلا کہ دِلی لگاؤ، قلبی دوستی اور محبت، تو کسی کافر کے ساتھ، کسی بھی صورت میں جائز ہی نہیں، اصل بات تو یہ ہے کہ ایمان کی تعمیل و تکمیل اس وقت ہوتی ہے جبکہ انسان اپنی اُلفت و دوستی کی سمت، اور دشمنی ونفرت کے رُخ کو حق سبحانہٗ تعالیٰ کے تابع بنادے، اس لئے آیت کے آخر میں کہا جارہا ہے کہ اللہ کی ہی طرف لوٹ جانا ہے۔

آیت نمبر ۲۹ میں واضح اظہار بیان ہے کہ اگر تم پوشیدہ رکھو اپنے مَن کی بات، یا اُسے عیاں کردو، اللہ سب کچھ جانتا ہے اِس کو اُس بات کا کل علم ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں پر ہے تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ اس سے خوب واقف اور باخبر ہے کسی بھی نوعیت کا حیلہ وانکار اس کے سامنے چلنے کا نہیں، یہ بات تو ممکن ہے کہ آدمی اپنی نیّت اور دل کی بات/ راز آدمیوں سے پوشیدہ رکھے لیکن اس طرح باری تعالیٰ کو فریب نہیں دے سکتا، اللہ تعالیٰ ہر شے پر محیط ہے۔

آیت نمبر ۳۰ میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا جارہا ہے جس دن ہر نفس/ جان نے جو بھلا کام کیا ہوگا اس کو دیکھ لے گا، گویا روزِ قیامت ہر نفس کو اپنے کئے ہوئے، اُمور اور اَعمال کا اجر وثواب ملے گا۔ اس میں کچھ بھی تو کمی یا کوتاہی نہ ہوگی۔ عمر بھر کا کیا ہوا عمل یوں کہئے اعمال نامہ ہاتھ میں تھما دیا جائے گا اس وقت مجرم تمنّا کریں گے اے کاش، یہ دن ہم سے دُور ہی رہتا۔ اعمالِ بد میں بڑی دوری کا فاصلہ حائل ہو جائے تا کہ ہم بدافعال کی طرف رُخ ہی نہ کرتے، باری تعالیٰ خوف دلاتا ہے تم کو اپنے آپ سے، حقیقتِ احوال تو یہ ہے کہ اللہ تو اپنے بندوں کا بہت ہی خیر خواہ ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

اے میرے محبوب (ﷺ!) لوگوں سے کہہ دیجئے، اگر تم درحقیقت، اللہ جل شانہٗ سے محبت رکھتے ہو، تو میری فرمانبرداری/ اطاعت کی راہ اختیار کرو، تم سے اللہ محبت کرے گا۔ اور تمہاری خطاؤں کو معاف کرے گا۔ اور اللہ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔ (۳۱)

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝

اے نبی (ﷺ!) اُن سے کہہ دیجئے، اللہ جل شانہٗ اور اس کے رسول (ﷺ) کی فرمانبرداری/ اِتباع کرو پھر اگر وہ اعراض کریں/ ہٹ جائیں، تو یقیناً اللہ تعالیٰ کُفر کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ (۳۲)

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓي اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝

بے شک! اللہ سبحانہ تعالیٰ نے چُن لیا، حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نُوح علیہ السلام اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے گھرانے کو، اور عمران کے گھرانے کو منتخب کرلیا، سارے جہاں کے لوگوں میں سے۔ (۳۳)

ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

یہ سب اولاد تھے ایک دوسرے کی یہ ایک نسل ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سُننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ (۳۴)

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّىْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّىْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

جب عمران کی عورت نے کہا اے اللہ! میں نے نذر کیا، اور تیرے نام آزاد کرنے کی منت مانی، اس کو جو میرے شکم/ پیٹ میں ہے۔ سو تو مجھ سے یہ نذرانہ قبول فرمالے، بے شک تو ہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔ (۳۵)

الفاظ ومعانی آیت ۳۱ تا ۳۵

﴿ تُحِبُّوْنَ ﴾ دوست رکھتے ہو۔ ﴿ اتَّبِعُوْ ﴾[1] پیروی کرو۔ ﴿ ذنب ﴾ گناہ۔ ﴿ تَوَلَّوْا ﴾ نہ مانیں/ اعراض کریں۔ ﴿ اصْطَفٰٓي ﴾ چُن لیا، اصطفاءٌ سے مَصْدر رصفا، ماضی مضارع، یَصْطَفٰی، وہ چن لیتا ہے، علامہ قرطبیؒ نے زجاج سے اصطفاء کے معنیٰ بتائے ہیں نعمتِ نبوّت کے لئے، تمام جہان سے چُن لیا۔ ﴿ تَقَبَّلْ ﴾ تو قبول کر، فعل امر ہے۔ ﴿ ذُرِّيَّةً ﴾ اولاد/ نسل، اِسم ہے۔ ﴿ امْرَاَتُ ﴾ عورت اس کا واحد نساءٌ اسم ہے۔ ﴿ مُحَرَّرًا ﴾ آزاد کیا ہوا، عبادت کے لئے خالص کرلیا گیا۔

تشریح وتوضیحات آیت نمبر ۳۱ تا ۳۵

آیت نمبر ۳۱ میں اظہار بیان، اعتقاد رسالت اور اتباع رسول ﷺ کا ہے تا کہ اس بات کا واضح طور پر علم ہو جائے کہ جس طرح انکار

[1] : امام ابوالحسن آمدی نے اتباع کی وضاحت یوں بتائی ہے۔ اس کے اس فعل کو اس طرح کیا جائے، جس طرح وہ کرتا ہے اطاعت کے مفہوم کی وضاحت اس طرح فرمائی کہ جب کوئی دوسرے کے عزت اور تقدس کے سبب اس کے فعل کی طرح کوئی فعل کرے تو وہ اکثر مطیع کہلاتا ہے۔ اس کی تکمیل کی صورت یہ ہے افعال کو بھی اس طرح ادا کیا، جیسے حضور ﷺ نے ادا فرمائے۔

توحید کفر کے زمرے میں آتا ہے اسی طرح انکارِ رسالت بھی کفر ہے اس لئے حضور اکرم ﷺ سے خطاب کر کے بتایا جا رہا ہے۔ آپ ﷺ کہہ دیجئے! اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو اور محبت رکھنے کے سبب یہ چاہتے ہو کہ رَبّ بھی تم سے محبت کرے تو اس مقصد کی تکمیل کیلئے "میری اتباع کرو" میں اس کی تعلیم کیلئے معبوث ہوا ہوں اور اگر تم ایسا کرو گے تو اللہ تم سے محبت فرمائے گا اور تمہارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

بات یہ ہے کہ جب یہود کو دعوتِ اسلام دی گئی تو انہوں نے اس دعوت کو یکسر یہ کہہ کہ مُسترد کر دیا کہ ہم تو پہلے ہی سے اللہ کی محبت سے سرشار ہیں بھلا ہمیں کیا ضرورت کہ کسی نئے نبی کی اُمّت میں آنے کی زَحمت گوارا کریں انہیں بتایا جا رہا ہے کہ اللہ کی محبت کا دعویٰ بغیر دلیل، قابلِ التفات نہیں ہوسکتا' تم اللہ کی رضا اور محبت کے طالب ہو تو اس کا صرف ایک راستہ اور طریقہ ہے کہ میرے آخری رسول رسالتِ مآب حضرت محمد (ﷺ) پر ایمان لاؤ اور آپ (ﷺ) کی اتباع کرو محبت ہی کا دعویدار، اگر اتباع رسول ﷺ کے ذریعہ یہ مقصد پالیتا ہے تو وہ یقیناً کامیاب و کامران ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَیْسَ اَمْرُنَا فَھُوَ رَدٌّ

"جس نے ایسا عمل کیا، جو ہمارے بتلائے ہوئے طریقہ سے مختلف ہے تو وہ مُسترد ہے"

آیت نمبر ۳۲، میں ہے اللہ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ اطاعتِ رسول ضروری ہے اس سے اِنحراف کُفر ہے اور اللہ ایسے کافروں کو پسند نہیں کرتا۔ جو کوئی اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ دار ہے اس پر لازم ہے کہ اللہ کے نبی برحق رسول ﷺ کی پیروی کرے اللہ سے محبت اس کے رسول ﷺ کی اتباع سے انکار ایک دل میں دونوں بھلا کیسے جمع ہو سکتے ہیں۔

محبت ایک پوشیدہ چیز/کیفیّت ہے۔ کسی کو کسی سے محبت ہے یا نہیں ہے اور زیادہ ہے یا کم ہے اس کی کوئی کَسوٹی نہیں، البتہ حالات اور معاملات سے اس کا اندازہ ممکن ہے۔

محبت کے کچھ آثار اور کچھ علامات ہوتی ہیں جس پیمانے سے اس کو پہچانا جاتا ہے یہ لوگ جو رَبّ تعالیٰ سے محبت کے داعی ہیں اور محبوبیت کے خواہش مند ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس آیۃ مبارکہ میں اپنی محبت کا معیار بتا دیا ہے، اگر دنیا میں کسی شخص کو آج اپنے مالک کُل رحقیقی سے محبت کا دعویٰ ہے تو اس لئے ضروری اور یقینی امر یہ ہے کہ وہ اس اتباع کو رسول ﷺ کی کسوٹی پر پرکھ لے۔ اے عزیز و! اگر عشق کا جذبہ صادق ہے تو نبی اکرم ﷺ کی پیروی کا اہتمام کرو اور نور محمد ﷺ کی لائی ہوئی روشنی کو مشعل راہ بناؤ ایک حدیث میں حضرت محمد ﷺ کا فرمان ہے۔

"جس نے محمد (ﷺ) کا اتباع کی اس نے در حقیقت اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے محمد ﷺ کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی (بحوالہ تفسیرِ مظہری جلد دوئم حوالہ حدیث بخاری، مسلم شریف، بحوالہ الفرقان)

اسلام کی نظر میں انسان کی زندگی، اس جہاں میں ایک مقصدی زندگی ہے تو اطاعتُ اللہ و اطاعتِ رسول ﷺ لازم و ملزوم ہے اور بندگی شرطِ اوّل ہے جو اس حقیقت سے ہٹ جائے وہ اہلِ حقیقت کے نزدیک انسان نہیں۔ مولانا رومؒ نے کیا خوب کہا ہے۔

ع زندگی از بہر ذکر و بندگی است
بے عبادت زندگی شرمندگی است

آیت نمبر ۳۵ میں بیان یہ ہے کہ وہ وقت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے جبکہ عمران کی بیوی جو حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ ہے علمائے بنی اسرائیل کے توسط سے اُن کا نام حنّہ (یہ عبرانی نام ہے) بتایا جاتا ہے۔ حمل کی حالت میں کہا اے میرے رَبّ! میں نے نذر/ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ وَاِنِّيْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَاِنِّيْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۳۶﴾

پھر جب اُس کولڑکی پیدا ہوئی، تو بولی اے میرے ربّ! میں نے تو ایک لڑکی کو جنم دیا ہے اور اللہ کو خوب معلوم تھا۔ جو اس نے جنا تھا۔ اور لڑکا، لڑکی کے مانند نہیں ہوتا (اور نہیں ہوتا لڑکا، مانند لڑکی کے) تب اس نے کہا میں نے اس کا نام مریم علیہا السلام رکھا ہے اور میں اس مریمؑ کو اور اس کی اولاد کو شیطان مَردود کے شَر سے بچنے کیلئے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ (۳۶)

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

تب قبول فرما لیا، اللہ نے مریم علیہا السلام کو پسندیدگی اور خوبی کے ساتھ اور بہت اچھی طرح پروان چڑھایا اور اس کی تربیت اور پرورش کیلئے زکریا علیہ السلام کو نگراں کار/ سرپرست بنایا اور جب بھی زکریا علیہ السلام حضرت مریم علیہا السلام کے پاس ان کے حُجرے/مَحراب میں جاتے، تو وہاں طعام (کھانے پینے کی) اشیاء پاتے تب دریافت کیا اے مریم علیہا السلام! کہاں سے تمہارے پاس یہ رزق آتا ہے وہ کہنے لگی، رَبّ کے پاس سے اللہ جس کو چاہتا ہے بے شمار رزق عطا کرتا ہے۔ (۳۷)

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾

اس وقت وہیں زکریا علیہ السلام نے اپنے رَبّ سے دعا مانگی عرض کی اے رَبّ مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما دے۔ بے شک میری دعا بھی سننے والا تو ہی ہے۔ (۳۸)

(بقیہ گذشتہ صفحہ سے آگے) منت مانی ہے آپ کی عبادت کے لئے اس بچے کی جو میرے پیٹ میں ہے اس کو خاص بیت المقدس کی خدمت کیلئے مخصوص کردوں اور اس سے دنیا کی کوئی خدمت کے لئے کام میں نہ لوں [۱،۲] تو مجھ سے یہ نیاز قبول فرمائیے، یہاں یہ بات یاد رہے کہ نذر و منت اللہ کے سوا کسی کی بھی نہیں، سابقہ امتوں میں بھی اللہ کے نیک بندوں کا یہی دستور تھا۔

الفاظ معانی آیت ۳۶ تا ۳۸

﴿ فَلَمَّا ﴾ فَ، پھر، لَمَّا، جب۔ ﴿ وَضَعَتْ ﴾ جنا، پیدا ہوا، ماضی مؤنث غائب، ھَا، اُن کے ہاں۔ ﴿ وَضَعْتُ ﴾ میں نے جنا، قواعد کے مطابق، فعل ماضی متکلم۔ ﴿ سَمَّيْتُهَا ﴾ نام رکھا میں نے اُن کا (میں نے اس کا نام رکھا) ﴿ سمی، یسمی ﴾ سے ماضی ﴿ اُنْثٰى ﴾ لڑکی، عورت اسم ہے ﴿ ذَكَرَ ﴾ اس کی جمع ذُکُورٌ، لڑکا مرد اسم ہے۔ ﴿ نَبَاتًا ﴾ نبات مصدر، ھَا، اس کی، اس نے پرورش کی، اس نے پیدا کیا، ینبت مضارع۔ ﴿ كُلَّمَا ﴾ جب کبھی۔ ﴿ اَلْمِحْرَابَ ﴾ عبادت گاہ، مراد حجرہ ہے جس میں حضرت مریم

[۱]: مسیحی روایات حضرت مریم علیہا السلام کے والد کا نام یوآخیم IOCHIM لکھا ہے یحییٰ کی والدہ ہارون کی اولاد سے تھیں۔ [۲]: علماء نے واقعہ یوں بیان کیا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام اور عمران دونوں ہم زلف تھے فاقوذا کی بیٹی ایشاع جو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ ہیں اور ان کی بہن فاقوذا کی دوسری بیٹی حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ تھیں وہ عمران کی بھابی تھیں حنّہ کے وضع قبل سے جمیل عمران کا انتقال ہوگیا۔

علیہا السلام قیام پذیر تھیں۔ ﴿رِزْقًا﴾ رزق، اس سے مراد پھل ہے، پھل کی خوبی کی بات یہ ہے کہ یہ غیر موسمی پھل، سردی کے پھل گرمی کے موسم میں اور گرمی کے پھل سردی کے موسم میں ان کے کمرے (حجرے) میں پائے جاتے۔ ﴿اَنّٰى﴾ کہاں سے، اسم ہے۔ ﴿هُنَالِكَ﴾ اسی وقت وہیں، قواعد کے مطابق اشارہ بعید ہے۔ ﴿ذُرِّيَّةً﴾ اولاد، نسل۔ ﴿طَيِّبَةً﴾ پاکیزہ۔

تشریح وتوضیحات آیت نمبر ۳۶ تا نمبر ۳۸

آیت مبارکہ نمبر ۳۶ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کی ماں کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ نذر کے طور پر شاید بیٹی قبول نہ ہو، بیٹا ہوا تو خوب نیاز قبول ہو، لیکن باری تعالیٰ کا ارشاد ہوا وہ لڑکا جو تمہارے تصور میں تھا اس لڑکی جیسا مرتبہ نہیں پا سکتا۔ اِس سے اِس بات کا علم ہوا کہ حضرت مریم علیہا السلام کو اللہ نے خوب عظمت عطا کی اور وہ اپنے دور کی عورتوں میں افضل تھیں مریم کے معنی عابدہ ہیں صحیح حدیث میں مذکور ہے کہ جو بھی بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس کو مَس کرتا ہے۔ شیطان چھوتا ہے جس سے بچہ چیختا ہے لیکن اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے شیطان کے مس سے حضرت مریم علیہا السلام اور ان کے بیٹے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو محفوظ رکھا ہے۔

"مَامِنْ مَّوْلُوْدٍ يُّوْلَدُ اِلَّا مَسَّهُ الشَّيْطَانُ حِيْنَ يُوْلَدُ فَيَهَلُّ صَارِخًا مِنْ مَسِّهٖ اِيَّاهُ اِلَّا مَرْيَمَ وَابْنَهَا"

(بحوالہ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، مسلم شریف کتاب الفضائل)

انبیاء سابقین علیہم السلام کی شریعت میں ایک طریقہ عبادت یہ رائج تھا کہ اپنی اولاد میں سے کسی بچے کو اللہ کیلئے مخصوص کر دیں۔ اور کوئی دُنیاوی کام اس سے نہ لیا جائے چنانچہ حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ ماجدہ نے اسی کلّیہ کے مطابق یہ نذر مان لی اس کو خالص بَیت المقدس کی خدمت کیلئے وقف رکھوں گی، حسرت وَیاس کے عالم میں اظہار کیا کہ میری خواہش کے برعکس لڑکی تولد ہوئی ہے اے اللہ، منّت سے مقصد تو یہ تھا کہ تیری رضا کی خاطر ایک خدمت گار ہوتا بہرِ نوع اب جو کچھ بھی ہے تو اسے بہتر جانتا ہے۔ (بحوالہ فتح القدیر)

آیت نمبر ۳۷ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ ان کو لے کر مسجد بَیت المقدس میں پہنچ گئیں تو وہاں کے عابد جن میں حضرت زکریا علیہ السلام کا بھی شمار تھا ان سے کہا کہ اس لڑکی کو میں نے خاص اللہ کے لئے مانا ہے اس لیے میں اپنے پاس نہیں رکھ سکتی اس کو آپ لوگ اپنے پاس رکھیں۔ غرض یہ کہ مریم علیہا السلام کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا اور احسن طریقہ سے اُن کی پرورش ہوئی اور حضرت زکریا علیہ السلام کو ان کا سرپرست بنایا۔

جب بھی حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت مریم علیہا السلام کے پاس جاتے تو اُن کے ہاں بے موسم پھل رکھے پاتے سردی کے پھل گرمی میں اور گرمی کے پھل سردی میں۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے حیرت سے دریافت کیا مریم علیہا السلام یہ پھل کہاں سے آئے ہیں انہوں نے کہا "اللہ کی طرف سے، یہ کہا جائے تو زیادہ مناسب ہے کہ یہ حضرت مریم علیہا السلام کی کرامت تھی بے موسم پھلوں کا حضرت مریم علیہا السلام کے پاس آجانا، آپ (مریمؑ) کی کرامت تھی اس سے علمائے اہلِ سنت نے اولیاء کرام کی کرامتوں کا برحق ہونا ثابت کیا ہے کیونکہ حضرت مریم علیہا السلام نبی نہ تھیں، بے موسم پھلوں کا آپ کے پاس پایا جانا آپ کی کرامت تھی" (بحوالہ ضیاء القرآن۔ از پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ)

آیت نمبر ۳۸ میں واضح بیان ہے کہ جب حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کی کرامت دیکھی کہ بے موسم پھل حجرے میں رکھے رہتے ہیں تب اُنہیں بھی دل میں خیال پیدا ہوا کہ باوجود بڑھاپے اور بیوی کو بانجھ ہونے کے اللہ تعالیٰ مجھے بھی اولاد

عطا فرمائے یہ ناممکن تو نہیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ (هُنَا لِكَ دَعَا زَكَرِيَّا) پاسا/نیکد عا کی زکریا علیہ السلام نے اپنے رَبّ سے، اے رَبّ مجھ کو اپنی جانب سے پاکیزہ اولاد عطا فرمادے۔ اس آیتِ مبارکہ سے اس بات کا پتہ چلا کہ اولاد کیلئے دعا کرنا اَنبیاء اور صَالحین کی سنّت ہے۔

چنانچہ آیت نمبر ۳۸ پارہ نمبر ۱۳ وَمَآ اُبَرِّئُ سورۃ الرَّعْد میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ط

''اے نبی (علیہ السلام) ہم نے آپ سے پہلے بھی، بہت سے رسول، اپنا پیغام انسانوں تک پہنچانے کیلئے بھیجے تھے اور ان کو بیوی بچے میں عطا کئے تھے'' آیت نمبر ۳۸ سورۃ (الرَّعْد)

حضرت محمد ﷺ کو بیویاں عطا ہوئیں اسی طرح یہ نعمت اَنبیاء سابقین کو بھی عطا ہوئی، بات اَصل تو یہ ہے کہ اب اگر کوئی شخص کسی ذریعہ کو استعمال کر کے ضبط تولید کی کوشش میں لگا ہے تو وہ نہ صرف فطرت کے خَلاف کام سرانجام دے رہا ہے بلکہ اَنبیاء کرام علیہم السلام کی ایک مشترک اور مُتفق سنّت کو چھوڑ رہا ہے حضور ﷺ نے نکاح اور اولاد پیدا کرنے کی رَغبت کے مسئلہ کو بڑی اَہمیت دی ہے چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد پاک ہے۔

''اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِىْ'' نکاح میری سنت ہے

فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِىْ فَلَيْسَ مِنِّىْ

''جو میری سنّت سے اعراض کرے، وہ مجھ سے نہیں ہوگا''

یہ بات قابل ذکر ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے خادم حضرت اَنس رضی اللہ عنہ کیلئے خاص طور پر اولاد کیلئے دعا کی، یہ دعا قبول ہوئی اور حضرت اَنس رضی اللہ عنہ کی اولاد کی تعداد ۱۰۰ کے قریب ہے۔

❀❀

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾

پھر انہیں فرشتوں نے ندا دی جب کہ وہ اپنی عبادت گاہ میں کھڑے تھے نماز کی حالت میں بے شک اللہ تعالیٰ خوش خبری دیتا ہے۔ آپ کو یحییٰ (علیہ السلام) کی جو ایک فرمان کی تصدیق کرنے والا ہوگا اللہ کی طرف سے سردار ہوگا، اور ہمیشہ عورتوں سے بچنے والا ہوگا پارسا ہو گا، نبی بن کر آئے گا اور خوب اصلاح کریگا۔ (۳۹)

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾

حضرت زکریا علیہ السلام کہنے لگے اے ربّ! مجھے بیٹا کس طرح/ کیونکر ہو گا، جبکہ میں ضعیف/ بوڑھا ہو چکا ہوں، اور میری بیوی بانجھ ہے۔ فرمایا اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ (۴۰)

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۭ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾

تب حضرت زکریا علیہ السلام نے کہا! اے ربّ مجھے کچھ نشانی مقرر فرما دیجئے! فرمایا تیرے لئے نشانی یہ ہے کہ تو لوگوں سے تین دن اشارے کے سوا کوئی بات نہ کرے گا اور اپنے ربّ کا کثرت سے ذکر کرتے رہنا اور صبح وشام اس کی تسبیح بیان کرتے رہنا۔ (۴۱)

الفاظ ومعانی آیت ۳۹ تا ۴۱

﴿فَنَادَتْهُ﴾ ف رپس، ندا دی/ آواز دی، ہٗ، اس کو۔ ﴿بِكَلِمَةٍ﴾ بِكَلِمَةٍ، ایک کلمہ کی ﴿مِنَ اللّٰهِ﴾ اللہ سے۔

"اللہ کے کلمے کی تصدیق سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق ہے اس سے اس بات کا پتہ چلا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بڑے ہیں دونوں آپس میں خالہ زاد بھائی ہیں"۔

﴿سَيِّدًا﴾ سردار ﴿حَصُوْرًا﴾ عورت کے پاس نہ جانے والا/ضبطِ نفس رکھنے والا۔ ﴿بَلَغَنِيَ﴾ مجھے آپہنچا، بلغ ماضی کا صیغہ۔ ﴿غُلٰمٌ﴾ لڑکا، اسم ہے۔ ﴿كِبَرُ﴾ بڑھاپا، اسم ہے۔ ﴿عَاقِرٌ﴾ بانجھ پن، ﴿رَمْزًا﴾ اشارہ۔

تشریح وتوضیحات آیت ۳۹ تا ۴۱

آیت نمبر ۳۹ میں مذکور ہے جب حضرت زکریا علیہ السلام نے، اس تمنّا کا اظہار کیا کہ اے کاش! باری تعالیٰ انہیں بھی اسی طرح اولاد عطا کردے، چنانچہ بے اختیار دعا کے لئے بارگاہِ ربُّ العزّت میں ہاتھ گئے تو ربِّ جلیل نے دعا کو شرفِ قبولیت بخشا، جس وقت حجرہ بیت المقدس میں آپ نماز کی ادائیگی میں مصروف تھے، اچانک آپ نے ایک سفید پوش جوان دیکھا، یہ حضرت جبریل امین علیہ السلام تھے انہوں نے فرزند کی بشارت دی (اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ) "اللہ آپ کو مژدہ دیتا ہے یحییٰ علیہ السلام کا" (كَلِمَةُ اللّٰهِ) سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ اس لئے کہا گیا کہ وہ محض باری تعالیٰ کے حکم سے خلافِ عادت، بلا باپ کے پیدا ہوئے۔ دوسری صفت یہ بیان ہوئی کہ وہ سردار ہوگا یعنی مُقتدائے دین ہوگا۔ تیسری خوبی یہ بیان ہوئی کہ وہ اپنے نفس کی لذّت کو روکنے والے تھے، چوتھی خوبی کہ نبی ہوگا اور پانچویں خوبی یہ کہ صالح اور پارسا ہوگا۔

وَاِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓٮِٕكَةُ يٰمَرۡيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصۡطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۴۲﴾

اور جب فرشتوں نے کہا! اے مریم علیہا السلام بے شک اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ/ پسند کیا۔ اور تم کو ستھرا کر دیا اور تمام جہاں کی عورتوں پر ترجیح دی اور منتخب کیا۔ (۴۲)

يٰمَرۡيَمُ اقۡنُتِىۡ لِرَبِّكِ وَاسۡجُدِىۡ وَارۡكَعِىۡ مَعَ الرّٰكِعِيۡنَ ﴿۴۳﴾

اے مریم علیہا السلام اپنے رَبّ کی بندگی کر اور سر بسجود ہو۔ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ تم بھی جھک جاؤ۔ (۴۳)

ذٰلِكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَيۡبِ نُوۡحِيۡهِ اِلَيۡكَ ؕ وَمَا كُنۡتَ لَدَيۡهِمۡ اِذۡ يُلۡقُوۡنَ اَقۡلَامَهُمۡ اَيُّهُمۡ يَكۡفُلُ مَرۡيَمَ وَمَا كُنۡتَ لَدَيۡهِمۡ اِذۡ يَخۡتَصِمُوۡنَ ﴿۴۴﴾

اے محبوب (ﷺ!) یہ غیب کی خبریں ہیں ہم آپ ﷺ کی طرف (خفیہ طور پر) بھیجتے ہیں اور آپ (ﷺ) ان کے پاس نہ تھے، جب وہ پھینک رہے تھے اپنے قلم (قرعہ ڈالنے کیلئے) کہ مریم علیہا السلام کی کون ان میں سے سر پرستی کرے۔ اور اس وقت بھی آپ ان کے پاس موجود نہ تھے جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ (۴۴)

آیت نمبر ۴۰ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے باری تعالیٰ کے حضور التجا کی اے میرے اللہ! میرے لڑکا کیونکر ہوگا میں نے تو بڑھاپے کی حد کو چھو لیا ہے اور میری بی بی ضعیف ہونے کے سبب بچّہ جننے سے قاصر ہے۔ حکم ہوا رَبّ کا! ایسی ہی حالت میں لڑکا تولد ہوگا کیونکہ یہ رَبّ کا اختیار ہے جو کچھ ارادہ کریں کر دیتے ہیں۔

آیت ۴۱ میں اظہارِ بیان ہے حضرت زکریا علیہ السلام نے کہا اے رَبِّ جلیل! میرے لئے کوئی نشانی بتا دے تا کہ مجھے پتہ چل سکے کے اَب حمل ٹھہر گیا ہے رَبّ نے کہا، جب تم لوگوں سے تین دن تک باتیں نہ کر سکو بجز اشارہ تو جان لینا کہ یہ علامت ہے "حمل قرار" پانے کی اس صورت میں زبان ذِکرِ باری تعالیٰ اور تسبیح وتہلیل میں محو ہوگی لیکن عام لوگوں سے بات چیت کرنے کی استعداد برقرار نہ رہے گی۔

اس علامت میں لطافت کا یہ پہلو بڑا لطیف ہے حضرت زکریا علیہ السلام کا نشانی/ علامت پتہ کرنے کا مدّعا یہ تھا کہ ہمیں جلد ہی مَسرّت کے لمحات میسر آجائیں اور بچے کے پیدا ہونے سے پہلے ہی شکر میں مشغول رہیں۔ اِلَّا رَمۡزًا، اس آیت سے علم اس بات کا ہوا کہ صرف اشارے سے سمجھائے گا۔ درحقیقت جب بات کرنے سے آدمی معذور ہو تو اشارہ/ کنایہ، بات چیت کے قائم مقام کے طور پر سمجھا جاتا ہے اس کا مفہوم اس حدیثِ مبارکہ سے واضح ہو جاتا ہے۔ کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ایک گونگی کنیز باندی سے سوال کیا، "اَيۡنَ اللّٰه" 'اللہ کہاں ہے قربان جائیے اس کنیز کی فہم و فراست کے تو اس نے آسمان کی سمت اشارہ کیا، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ کنیز مسلمان ہے" (بحوالہ قرطبی)

الفاظ ومعانی آیت ۴۲ تا ۴۴

﴿اِصۡطَفٰكِ﴾ برگزیدہ کیا/ منتخب کیا گیا۔ ﴿طَهَّرَكِ﴾ تجھے ستھرا کیا پاک کیا۔ ﴿اُقۡنُتِيۡ﴾ تو تابعداری کر۔ ﴿اَلۡقُنُوۡتُ﴾ فرمانبردار ہو جا، مصدر ہے۔ ﴿نُوۡحِيۡهِ﴾ وحی، مصدر ہے ہم وحی بھیجتے ہیں۔ ﴿اَنۡۢبَآءِ﴾ اس کا واحد، نبـــاء، خبریں ﴿يُلۡقُوۡنَ﴾

اِلْقَاءٌ، مصدر ہے، وہ ڈال رہے تھے، پھینک رہے تھے قواعد کے مطابق جمع مذکر غائب مضارع۔ ﴿ یَخْتَصِمُوْنَ ﴾ خصم مصدر ہے وہ جھگڑ رہے تھے۔ ﴿ اَقْلَامَهُمْ ﴾ اُن کے قلم سے اس کا واحد قَلَمٌ ہے۔ اس سے مراد قرعہ اندازی کے تیر، اور لکھنے کے قلم کو بھی کہتے ہیں، مفسرین کی رائے ہے کہ یہ وہی قلم تھے جن سے وہ تورات لکھتے تھے جب مریم علیہا السلام کو مسجد/عبادت گاہ میں رکھا گیا تو اہلِ عبادت گاہ نے جو وحی کی کتابت کرنے پر مامور تھے، مریم علیہا السلام کی کفالت/سرپرستی کے بارے میں اپنے اپنے قلموں سے قرعہ ڈالا، اپنے قلم پانی میں ڈبوئے تو سب کے قلم پانی کے بہاؤ میں بہہ گئے اور حضرت زکریا علیہ السلام کا قلم الٹی سمت بہ نکلا چنانچہ حضرت زکریا علیہ السلام نے اُن کی کفالت کا بار اٹھایا۔

تشریح وتوضیحات آیت ۴۲ تا ۴۴

آیت نمبر ۴۲ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ وہ ساعت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جبکہ فرشتوں نے حضرت مریم علیہا السلام سے کہا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو منتخب اور قبول کرلیا اور یہ چناؤ اس قدر افضل ہے کہ باوجود عورت ہونے کے بیت المقدس کی خدمت کیلئے مَنّت میں قبول فرمایا اور خاص بات تو یہ ہے کہ یہ فضیلت کسی اور عورت کو میسّر نہیں آئی اس طرح جنتی رزق عطا ہوا اور حضرت زکریا علیہ السلام کو اُن کا کفیل بنایا، یقینی طور پر یہ حضرت مریم علیہا السلام کی برگزیدگی کی خاص علامت ہے۔ (بحوالہ کنز الایمان حضرت احمد رضا خانؒ)۔

وَ اصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ

کا یہ مطلب ہوا سارے جہاں کی عورتوں میں چُن لیا ہے یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ قدرکی نگاہ انتخاب نے عہد طفولیت میں مریم علیہا السلام کو پسند کرلیا دل میں اللہ کے ذکر کی لگن پیدا ہوئی، غیب سے ہمہ قسم کے پھل بطور رزق عطا ہوئے اور فرشتے اُن سے ہم کلام ہوئے اور جب آپ شباب کی منزل کو پہنچیں تو حق تعالیٰ سبحانہٗ نے یہ شرف واعجاز عطا کیا کہ آپ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی کی ماں بنانے کیلئے چُن لیا۔

آیت نمبر ۴۳/ اظہارِ بیان ہے کہ اور فرشتوں نے بھی کہا اے مریم علیہا السلام اپنے رَبّ کی اطاعت کرتی رہو اور باری تعالیٰ کے حضور سجدہ کیا کرو۔ اور نماز کی حالت میں رکوع بھی کیا کرو ان لوگوں کے ساتھ جو رکوع کرنے والے ہیں۔ یہاں اِرْكَعِیْ کے ساتھ مَعَ الرّٰكِعِیْنَ، کی علامت ذکر کی ہے۔ مفسرین کا خیال ہے کہ اس سے اشارہ اس بات کی طرف کردیا کہ رکوع کرنے میں لوگ عام طور پر اہتمام نہیں کرتے بلکہ ذرا سا جُھک کر اٹھ جاتے ہیں۔ اس نوعیت میں رکوع قیام کے قریب زیادہ ہوتا ہے اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ رَبِّ جلیل نے رَاكِعِیْن کا ذکر کر کے لوگوں کیلئے اصلاح کا نمونہ بتلادیا۔ تمہارا رکوع کامل رکوع کرنے والوں جیسا ہونا چاہیے۔ (بحوالہ معارف القرآن مفتی محمد شفیعؒ)

آیت نمبر ۴۴ میں اظہارِ بیان ہے کہ یہ واقعاتِ غَیب کی خبروں میں سے ہیں اِس سے اِس بات کا علم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے بتا دینے سے نبی غَیب کے علوم سے باخبر ہوتا ہے اور یہی نبوّت کی ایک مستحکم دلیل ہے۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ؕ

اللہ تعالیٰ کا یہ حکم، کہ یہ غیب کی خبریں ہیں، جو ہم آپ ﷺ کی طرف وحی کے ذریعہ بھیج رہے ہیں اصل بات تو یہ ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت کے لئے بَیْت المقدس کا ہر عالم خواہش مند تھا کہ انہیں اپنے پاس رکھے، پرورش کیلئے تاکہ یہ سَعادت اس کے حصے میں آئے اسلاف نے تصفیہ/ فیصلہ یوں کیا کہ ہر عالم ربانی اپنا وہ قلم، جس سے وہ تورات کی کتابت کرتا ہے بہتے پانی میں ڈال دے جس کا قلم بہاؤ سے الٹا واپس آئے وہ حضرت مریم علیہا السلام کا کفیل ہوگا حضرت زکریا علیہ السلام کا قلم دریا کے بہاؤ سے الٹا واپس آیا گویا بالاتفاق، وہ حضرت مریم علیہا السلام کے کفیل مقرّر کئے گئے۔ اس واقعہ کے وقت سرکار دو عالم ﷺ موجود نہ تھے لیکن اس کیفیتِ منظر کو ان آیات طیبات میں بتایا گیا۔

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝

جب فرشتوں نے کہا اے مریم علیہا السلام اللہ تعالیٰ تجھ کو بشارت دیتا ہے اپنے ایک فرمان/حکم کی جس کا نام "مسیح عیسیٰ مریم علیہا السلام کا بیٹا" ہوگا، دنیا و آخرت میں، اعلیٰ مرتبے (ذی عزت) والا ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا مقرب بندہ ہوگا۔ (۴۵)

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

اور گفتگو/کلام کرے گا لوگوں سے، ماں کی گود سے پوری عمر تک اور نیک اور صالح ہوگا۔ (۴۶)

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ ۗ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۗ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝

حضرت مریم علیہا السلام نے کہا اے میرے اللہ! مجھے لڑکا ہوگا، حالانکہ مجھے کسی انسان نے ہاتھ تک نہیں لگایا، فرمان صادر ہوا، اللہ جس طرح چاہے پیدا کرسکتا ہے۔ جب اللہ ارادہ کرتا ہے کسی کام کا تو اتنا ہی کہتا ہے اس کو ہوجا! تو وہ فوراً ہوجاتا ہے۔ (۴۷)

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝

اور اللہ اسے کتاب اور حکمت کی تعلیم دے گا اور تورات اور انجیل کا علم سکھائے گا۔ (۴۸)

الفاظ و معانی آیت ۴۵ تا ۴۸

﴿ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ ﴾ اللہ تعالیٰ تم کو بشارت دیتا ہے، ایک کلمہ کی جو منجانب اللہ ہوگا، ایک بچہ کی ولادت کی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اُن کی ولادت، اعجازِ شان کی آئینہ دار ہوگی یوں کائنات کی ہر شئے میں، باری تعالیٰ کے "کلمہ کن" کی جلوہ آرائی ہے۔ عام انسانی اصول سے ہٹ کر باپ کے بغیر، ایک بچہ کا پیدا ہونا سبب کلمۃ اللہ کہلائے گا۔ یہاں وہ حجاب درمیان سے اوجھل ہے جو "کلمۂ کن" کی جلوہ فرمائی تخلیق کیلئے لازم ہے اس لئے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو كَلِمَةٌ مِّنْهُ فرمایا گیا۔

﴿ اِسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسٰى ﴾ نام اس کا مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا، (مَسِيْح) مسح سے اَتٰی : مَسَحَ الْاَرْضِ ہے کثرت سے زمین کی سیاحت کرنے والا یا اس کے معنی ہاتھ پھیرنے والا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ آپ کو مسیح کہنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ جس پر ہاتھ پھیرا کرتے وہ مکمل صحت یاب ہوجایا کرتا تھا عیسیٰ (علیہ السلام) عبرانی لفظ ایشوع سے ہے جو عربی زبان میں مستعمل ہے اس کے معنی سردار یا سیّد کے ہوتے ہیں یہ عربی زبان "عَاسَ، يَعُوْسُ" سے مُشتق ہے جس کے معنی قیادت کے ہیں۔ (بحوالہ قرطبی، فتح القدیر)

﴿ فِى الْمَهْدِ ﴾ گہوارے میں آغوشِ مادر میں: سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے مَهْد میں کلام کرنے کا ذکر اور بیان قرآن مجید کے پارہ نمبر ۱۶ "قَالَ اَلَمْ" سورۃ مریم آیت ۲۸ تا ۳۲ میں ہے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہا السلام ماں کی گود سے کلام کرنے لگے یہ اُن کا ایک معجزہ ہے۔

قَالَ اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ قف ط اٰتٰنِىَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِىْ نَبِيًّا

"ماں کی گود سے بچہ بول اٹھا، میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھ کو کتاب دی اور مجھ کو نبی بنایا ہے" (سورۃ مریم آیت نمبر ۳۰)

﴿ كَهْلًا ﴾ ادھیڑ عمر: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ادھیڑ عمر میں "ہم کلام ہونا" ایک عظیم مقصد کی تکمیل کی نشان دہی کر رہا ہے وہ یہ ہے کہ

اسلامی اور قرآنی عقیدہ کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھالیا گیا ہے بچپن کی گفتگو معجزہ تھی اسی طرح اڈھیر عمر کا کلام بھی معجزہ ہے۔ قواعد کے مطابق اسم ہے۔﴿ قَضٰٓى ﴾فیصلہ کرنا چاہتا ہے، ماضی، مضارع یَقْضِي۔﴿ كُنْ ﴾ ہوجا۔﴿ فَيَكُوْنُ ﴾پس وہ ہوجاتا ہے۔

تشریح وتوضیحات آیت ۴۵ تا ۴۸

آیت نمبر ۴۵ میں اظہار بیان یہ ہے کہ جب فرشتوں نے مخاطب ہوکر کہا اللہ تعالیٰ تمہیں خوش خبری دیتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کی جو صاحبِ جاہ ومنزلت اور ذی عزّت ہے دنیا وآخرت میں، ان میں نبوّت وشفاعت کی صفت ہوگی۔

ممکن تھا کہ حضرت مریم علیہا السلام کے دل میں اس خدشہ کا احساس پیدا ہوتا کہ جو بچہ اس انوکھے انداز سے ہوگا۔یعنی تنہا عورت سے پیدا ہوجائے تو لوگ، طرح طرح کی تہمت لگائیں گے اور توقیر کی نگاہ نظر سے نہیں دیکھیں گے، چنانچہ پہلے ہی اطمینان دلا دیا کہ ایسا نہیں ہوگا۔گویا "وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ" دنیا وآخرت میں ذی وقار اور معزز تھا اور دشمنوں کے سارے الزام کو جھوٹے ثابت کردیا گیا۔

آیت نمبر ۴۶ میں وضاحت کے ساتھ بیان ہے کہ مادرِ آغوش، گہوارے میں جو بھی کلام کرے گا، اس میں نبوّت کا وقار اور رسالت کی سنجیدگی بدرجہ اتم پائی جائیگی اُن کی زبانِ مبارک سے ادا کئے ہوئے کلمات تاثیر سے پُر اور حقائق سے لبریز ہوں گے، یہی وہ معجزانہ پہلو ہے جس بیان کو سورۃ مریم پارہ ۱۶ آیت نمبر ۲۹ میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا

"لوگ بول اُٹھے ہم اس سے بات کیسے کریں جو ابھی تیری گود میں چھوٹا سا بچہ ہے" آیت ۲۹

سبحان اللہ قربان جائیے۔شانِ کریمی کے اس معصوم بچّے نے کلام کیا "میں اللہ کا بندہ ہوں اللہ نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور مجھ کو نبی بنایا ہے میں جہاں کہیں بھی رہوں اللہ نے مجھے برکت والا بنایا ہے" اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے زمین کی طرف اُتریں گے اور دجّال کو قتل کریں گے۔

آیت نمبر ۴۷ میں اظہار بیان ہے حضرت مریم علیہا السلام نے تعجّب سے دریافت فرمایا اے میرے ربّ! اور میرا بچہ کہاں سے پیدا ہوگا مجھے تو کسی شخص نے ہاتھ تک نہیں لگایا۔

دستور تو یہ ہے کہ بچہ عورت اور مرد کے اختلاط سے پیدا ہوتا ہے، لیکن حقیقتِ احوال تو یہ ہے کہ باری تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے لئے یہ کوئی مشکل کام نہیں، وہ جب چاہے اسباب وعلل ظاہریہ کا سلسلہ منقطع کر کے حکم صادر کرتا ہے "کُنْ" کہ ہوجا سو وہ ہوجاتا ہے۔

آیت نمبر ۴۸ میں خطاب حضرت مریم علیہا السلام سے ہے اور بیان یہ ہے کہ اس مولود سعید کی فضیلت یہ ہوگی کہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ اُن کو تعلیم سے آراستہ کریں گے آسمانی کتابوں، تورات اور انجیل کا خاص طور پر علم عطا کیا جائے گا۔

❀❀

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّیْۤ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِیْ بُیُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۴۹

اور رسول ہوگا، بنی اسرائیل کی طرف، یہ کہتا ہوا میں تمہارے رَبّ کی طرف سے تمہارے پاس ایک نشانی لایا ہوں میں تمہارے لئے مٹی کے گارے سے پرندکی سی صورت بناتا ہوں۔ پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اڑتا پرندہ ہو جاتا ہے۔ اللہ کے حکم سے، اور جوانُدھا پیدا ہوا۔ اسے اچھا کر دیتا ہوں، اور جو کوڑھی (لاعلاج) ہوں اُن کو تندرست/ شفایاب کر دیتا ہوں، اور میں مُردوں کو زندہ کر دیتا ہوں بحکم "رَبّی" اور میں تمہیں بتلاتا ہوں جو کچھ تم کھاتے ہو وہ بتا دیتا ہوں، اور جو اپنے گھروں میں ذخیرہ/ جمع کر رکھتے ہو، اس میں بڑی نشانی ہے تمہارے لئے اگر تم صاحبِ ایمان ہو۔ (۴۹)

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ۵۰

اور میں تصدیق کرنے والا ہوں تورات کی، جو مجھ سے پہلے کی کتاب ہے، تا کہ میں حلال کردوں وہ بعض چیزیں جو پہلے تم پر، حرام کی گئی تھیں، اور آیا ہوں تمہارے پاس کھُلی نشانی لے کر تمہارے رَبّ کی طرف سے، سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میری اطاعت کرو۔ (۵۰)

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ۵۱

بے شک میرا تمہارا سب کا رَبّ اللہ تعالیٰ ہے سو، تم اس ایک کی بندگی کرو، یہی راہ تو سیدھی راہ ہے۔ (۵۱)

فَلَمَّاۤ اَحَسَّ عِیْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۵۲

پس جب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے اُن کا کُفر محسوس کر لیا، تو انہوں نے کہا! کون ہے میرا مددگار، اللہ تعالیٰ کی راہ میں یہ سن کر حواریوں نے کہا، ہم ہیں اللہ کے مددگار، ہم ایمان لائے اللہ پر اور آپ گواہ ہو جائیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ (۵۲)

رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا بِمَاۤ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ ۵۳

اے رَبّ! ہم نے یقین کیا، اُس چیز کا جو آپ نے نازل فرمائی، اور رسول کے تابع ہوئے اور ہمیں حق پر گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔ (۵۳)

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ ۵۴

اور منکروں نے بُری کارروائیاں/ خُفیہ تدبیر کی (یہودیوں نے بھی مسیح کو قتل کرنے کی) اور اللہ نے بھی جوابی کارروائیاں/ پوشیدہ تدبیر کی (مسیح کو بچانے کی) (۵۴)

الفاظ و معانی آیت ۴۹ تا ۵۴

﴿ جِئْتُ ﴾ میں آیا، ﴿ بِاٰیَةٍ ﴾ نشانی / آیت کے ساتھ ﴿ اَخْلُقُ لَكُمْ ﴾ اَخْلُقُ، بناتا ہوں لَ، لئے، کُمْ، تمہارے لئے یہاں خَلق پیدائش کے معنی میں استعمال نہیں ہوا اس پر تو خود باری تعالیٰ ہی قادر ہے یہاں اس کے معنی اور مفہوم ظاہری شکل وصورت

بنانے کے ہیں (بحوالہ قرطبی)۔ ﴿الطِّيْنِ﴾ مٹی/گارا۔ ﴿اَنْفُخُ﴾ میں پھونک مارتا ہوں یہ "نَفْخٌ" سے مضارع ہے۔ ﴿هيئة﴾ صورت۔ ﴿الاكمه﴾ مادرزاد اندھا "كَمَه" کے معنی نابینا کے ہیں قواعد کے مطابق اِسم ہے۔ ﴿اَبْرَصَ﴾ کوڑھی۔ ﴿ابرئ﴾ تندرست/اچھا کرتا ہوں۔ ﴿تَدَّخِرُوْنَ﴾ تم جمع/ذخیرہ کرتے ہو/رکھ چھوڑتے ہو۔ اِدِّخــــار، ذخیرہ کرنا مضارع (جمع مذکر حاضر) ﴿اَحَسَّ﴾ اس نے جو محسوس کیا۔

﴿قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ﴾ لفظ حواری، حور سے اخذ کیا گیا ہے۔ جس کے معنی لغت میں سفیدی کے ہوتے ہیں اصطلاح کے مطابق سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے پُر خلوص ساتھیوں کو اُن کی خلوص، اور دل کی صفائی کی وجہ سے یا اُن کی سفید پوشاک/لباس کے وجہ سے حواری کے لقب سے موسوم کیا گیا یوں سمجھئے جیسے حضرت محمد ﷺ کے ساتھیوں اور رفقاء کو صحابی کے لقب سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ حواری بمعنیٰ انصار/مددگار ہے جس طرح نبی اکرم ﷺ کا ارشاد پاک ہے۔

"اِنَّ لِكُلِّ نَبِى حَوَارِيًّاوَ حَوَارِىَّ الزُّبَيْرُ"

"ہر نبی کا کوئی مددگار خاص ہوتا ہے اور میرا مددگار زبیرؓ ہے۔"

(بحوالہ صحیح بخاری، کتاب الجھاد، باب فضل الطلیعہ)

﴿وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ﴾ لفظ "مکر" عربی زبان میں لطیف وخُفیہ، تدبیر کو کہا جاتا ہے اگر اس کا اظہار اچھے مقصد کیلئے ہو تو اچھا ہے اور برائی کے مفہوم میں بولا جائے تو بُرا ہے یاد رہے کہ اردو زبان میں "مکر" صرف سازش، بُری تدبیر کیلئے بولا جاتا ہے اس سے عربی زبان کی اصطلاح میں شبہ نہ کیا جائے۔ اسی لئے یہاں پر اللہ کو خیر الماکرین کہا گیا ہے مراد یہ ہے کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف، طرح طرح کی پوشیدہ اور خُفیہ تدابیر اختیار کیں حتیٰ کہ بادشاہ کو غلط خبر دی کہ یہ تورات کو بدلنا چاہتا ہے یہ شخص مُلحِدٖ ہے معاذ اللہ اس نے مسیح علیہ السلام کی گرفتاری کا حکم دیا اور اللہ تعالیٰ کی لطیف تدابیر اس کے/ان کے توڑ میں اپنا کام کر رہی تھیں (بحوالہ تفسیر عثمانی)۔

تشریح وتوضیحات آیت ۴۹ تا ۵۴

آیت نمبر ۴۹ میں اظہارِ بیان ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو صرف بنی اسرائیل کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا اور ان کا نبی ہونا سارے عالمِ انسانیت کیلئے نہ تھا قرآن مجید کے اس حکم کی تصدیق تو انجیل کی متعدد آیات سے ہوتی ہے۔ جس میں کہا گیا کہ بطورِ حکم، غیر اقوام کی سمت نہ جانا اور جادوگروں/سامریوں کی کسی بستی/شہر میں داخل نہ ہونا، بلکہ یوں کرنا کہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا اور یہ منادی کرنا، آسمان کی بادشاہی قریب تر آگئی ہے۔ (بحوالہ انجیل، متی باب ۱۰ آیات ۵ تا ۸) یہ بات قابلِ غور ہے کہ جب مسیح علیہ السلام خود مُعترف ہوئے کہ میری نبوّت کا دائرہ اختیار بنی اسرائیل تک محدود اور متعیّن ہے تو عیسائی تبلیغ کرنے والوں کا بنی اسرائیل کے علاوہ کسی کو عیسائیت کی طرف راغب کرنا یسوع مسیح کی ہدایت کی کُھلی خلاف ورزی نہیں تو اور کیا ہے۔

اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ

"میں تم لوگوں کے پاس اپنی نبوّت کی کامل دلیل لیکر آیا ہوں"

قرآن مجید میں ان معجزات کو بڑی وضاحت سے بیان کر دیا۔اور ان معجزات کو "آیت" سے تعبیر کیا جاتا ہے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے فرمایا میری نبوّت کی دلیل یہ ہے کہ میں تم لوگوں کے یقین دلانے کی خاطر، مٹی کے گارے سے ایسی مورت بناتا ہوں جیسی پرندے کی صورت ہوتی ہے پھر اس مصنوعی مورت کے اندر پھونک مارتا ہوں جس سے وہ حقیقی جاندار پرندہ بن جاتا ہے بحکم ربّی تو یہ میرا پہلا معجزہ ہے۔ مادر زاد اندھے کو بینائی عطا کرتا ہوں، یہ دوسرا معجزہ ہوا، لاعلاج کوڑھی اور برص والے کو شفایاب کرتا ہوں یہ تیسرا معجزہ ہوا، اور مُردے کو دوبارہ زندہ کر دیتا ہوں یہ چوتھا معجزہ ہوا یہ چاروں معجزات تو عملی معجزات کے مظہر ہیں اور پنجم علمی معجزہ بتاتا ہوں گویا غیب کی خبریں بتا دیتا ہوں آپ اپنے علم سے بتا دیا کرتے تھے کہ فلاں نے آج کیا کھایا ہے۔ اور یہ کہ اشیاء کا ذخیرہ تم اپنے مکانوں میں کر آئے ہو۔ یہ تمام اُمورسرِ انجام دینا انسانی قدرت سے باہر تھے۔ اور اس بات کا قطعی گمان تھا کہ شاید لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کہیں خدا نہ سمجھ بیٹھیں اس لئے ساتھ ساتھ "بِاِذْنِ اللّٰهِ" کہتے رہے کہ یہ سب کچھ تو بظاہر مجھ سے عیاں ہو رہا ہے لیکن اس کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی کا مظہر ہے۔ یہ بات یقینی طور پر جان جایئے کہ معجزہ نبی کی صدق نبوّت کی دلیل ہے۔ وہب کا قول ہے اکثر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک ایک دن پچاس پچاس ہزار مریض آتے اور شفا پاتے، اور جو آنے سے معذور ہوتا خود اس کے پاس تشریف لے جاتے اور دعا فرماتے، اور اپنی رسالت پر ایمان لانے کی قید لگاتے/شرط عائد کرتے۔

آیت نمبر ۵۰ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے وضاحت کی کہ تورات مجھ سے پہلے کی کتاب ہے اس کے احکامات سچ سچ بیان کرتا ہوں، اصل بات تو یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم علیہ السلام کو بغیر پڑھے تورات بیان کرنی آتی تھی، کیا ذرا ستم ظریفی تو ملاحظہ کیجئے بنی اسرائیل کے عالموں کی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد تورات کے "حلال" کو حرام قرار دیا۔[1] کم عقل رکھنے والے، فہم و فراست سے قطعی محروم، وہمی اور مذہبی رہنماؤں اور تارک دنیا، درویشوں نے دین میں اجتہاد کی نئی سمت اختیار کی اور دین میں اپنی کم فہمی کے سبب دین کا حُلیہ بگاڑ دیا تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تورات کی تعلیمات کے مطابق از سرِ نو دین کی تجدید کی اور باری تعالیٰ کے احکامات جوں کے توں پھر سے اختیار کئے گئے چونکہ زبانی گفتگو، اور تلقین سے اُن کو راہِ راست پر لانا خاصا مشکل کام تھا اس لئے اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معجزات عطا کئے سو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

آیت مبارکہ نمبر ۵۱ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ میری دینی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ بے شک اللہ میرا بھی رَبّ ہے اور تمہارا بھی رَبّ ہے اللہ کی بندگی اختیار کرو۔ یہ حصول تکمیل عمل کا حاصل ہے۔ بس یہی ہے جس سے نجات کا راستہ ملتا ہے جان رکھو! اللہ ہی پرستش اور عبادت کے لائق ہے اور کوئی صاحب کمال عطائے کمال اور صاحبِ جمال اس قابل نہیں کہ اس کو معبود بنایا جائے۔ اس لئے اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کو وَحْدَهٗ لَاشَرِیْکَ یقین کرنا، اور اسی کی عبادت کرنا یہی صراطِ مستقیم ہے جو اس سے منحرف ہوا، وہ گمراہ ہوا اور تاریکی میں چلا گیا۔

ہماری اس گفتگو کا ماحصل یہ ہوا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت اور تعلیمات کے یہی تین اُساسی نکات ہیں۔

اوّل...... یہ کہ اقتدارِ اعلیٰ جس کے مقابلے میں بندگی کی راہ اختیار کرنی ہے وہ صرف اور صرف اللہ کی ذات ہے۔

دوئم...... یہ کہ اِس مقتدرِ اعلیٰ کے نمائندہ کے طور پر نبی کے حکم کی بجا آوری کی جائے۔

سوئم...... یہ کہ انسانی زندگی کو عظمت و وقار، حُرمت اور حِلّت کی جواز اور عدم جواز کی پابندی میں پابند سلاسل کرنے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

[1]: جو علماء اجتہاد میں غلطی/خطا کے مرتکب ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس خطا کا ازالہ کر کے انہیں حلال قرار دیا (بحوالہ ابن کثیر)

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾

جس وقت کہا اللہ نے اے عیسیٰ علیہ السلام تجھے پوری عمر تک پہنچاؤں گا، اور تمہیں اپنی طرف اٹھانے والا ہوں، اور کافروں کے الزام سے تمہیں پاک رکھوں گا، اور جس نے تمہاری اتباع کی، قیامت تک اُن کو کفر کرنے والوں پر غالب رکھوں گا پھر تم سب کو میری ہی طرف پلٹ کر آنا ہے۔ اور پھر تمہارے درمیان فیصلہ کروں گا ان تمام باتوں کا جن میں تم اختلاف کرتے رہتے تھے۔(۵۵)

فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۖ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۵۶﴾

پس جنہوں نے کُفر کی راہ اختیار کی میں انہیں دنیا و آخرت میں سخت عذاب دوں گا اور کوئی بھی ان کی مدد کیلئے نہیں آسکے گا۔(۵۶)

وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۷﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے، تو ان کا پورا پورا اجر انہیں ملے گا اور ظالموں سے اللہ کبھی محبت نہیں کرتا۔(۵۷)

ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾

یہ جو آیات ہم پڑھ کر سناتے ہیں، یہ تو حکمت سے پر اور دانش مندی سے لبریز نصیحت ہے۔(۵۸)

(بقیہ گذشتہ صفحہ سے آگے) والا قانون اور ضابطہ صرف اللہ کا ہے دیگر عائد شدہ/ اپناتے ہوئے قوانین کو باطل قرار دیا جائے اور منسوخ سمجھا جائے۔

آیتِ مبارکہ نمبر ۵۲ میں ارشادِ ربانی ہے کہ جب سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کو جب لوگوں کے کُفر، اور مخالفت کا احساس ہوا تو اس وقت حمایتی اور مددگاروں کے متلاشی ہوئے تو اعلان کیا، (قَالَ مَنْ اَنْصَارِىْٓ اِلَى اللّٰهِ) ''کون ہے میرا مددگار اللہ کے راستے میں'' نبوّت کے آغاز میں فرائض نبوت سرانجام دینے کیلئے اور دعوت دینے تنہا ہی تعمیل حکم کی خاطر کھڑے ہوئے پہلے سے کسی حمایت کی تشکیل کیلئے فکر کا احساس نہیں کیا جب ضرورت محسوس ہوئی تو جماعت سی بن گئی حقیقتِ احوال تو یہی ہے کہ ہر کام کیلئے ہمت اور حوصلے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کون ہے میری مدد کرنے والا، اللہ کی راہ میں جواباً حواریوں نے کہا ہم ہیں مددگار اللہ کے راستے میں ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ رہیے کہ ہم نے کلمہ قبول کیا۔

آیت نمبر ۵۳ میں وضاحت سے بیان ہے کہ اے ہمارے ربّ ہم نے یقین کرلیا اس چیز کا جو آپ نے نازل فرمائی ہے نبی کے سامنے اقرار کرنے کے بعد، رَبّ کے حضور یہ اقرار کہ انجیل پر ایمان لاتے ہوئے اے اللہ آپ کے رسول کی پیروی اختیار کرتے ہیں آپ اپنے فضل و کرم اور توفیق سے ہمارا نام گواہی دینے والوں میں لکھ دیجئے۔!

آیت نمبر ۵۴ میں ارشادِ ربانی ہے اور مکر کیا، اِن کافروں نے، اور اللہ نے بھی خُفیہ تدبیر کی اور اللہ سبحانہٗ تعالیٰ سب خُفیہ تدبیر کرنے والوں سے افضل ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ کے قتل کرنے کو جو پرفریب اور مکارانہ سازش کا منصوبہ یہودیوں نے بنا رکھا تھا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اِس کو ناکام کرنے کی راہ تدبیر اختیار کی گئی اُسے مکر سے تعبیر کیا گیا ہے بے شک اللہ کی تدبیر سب سے بہتر اور مضبوط ہے جس کو کوئی نہیں توڑ سکتا۔

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۵۹	اللہ کے نزدیک، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال بعینہٖ سیدنا آدمؑ کی مانند ہے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا اور جیسے ہی کہا ''ہو جا'' پس وہ ہو گئے۔(۵۹)
اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۶۰	اے سننے والے! حق وہ ہے جو تمہارا رب کہے۔ یہ سچ بات ہے پھر تم شک کرنے والوں میں ہرگز نہ رہو۔(۶۰)

الفاظ ومعانیٰ آیت نمبر ۵۵ تا آیت نمبر ۶۰

﴿ مُتَوَفِّي ﴾ عربی لغت میں اس کے اصل معنی پورا کرنے والا، لینے اور وصول کرنے کے بھی ہیں ﴿ اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ ﴾ لفظ متوفی کا مصدر توفی اور مادّہ وَفِی ہے۔(وفا، استیفاء ایفا) اسی معنی کے لئے استعمال ہوتے ہیں تَوَفّی کے بھی اصل معنی تمام عربی لغات میں پورا پورا لینے کے ہیں، لفظ تَوَفّی کے معنی پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے صاحب تاج العُروس نے تحقیقی انداز میں لکھا ''یعنی پورے کا پورا لے لیا، اور اس سے کوئی چیز باقی نہیں رہنے دی۔ الجامع الاحکام القرآن'' میں علّامہ ابی عبداللہ القرطبی رقمطراز ہیں''

''توفيت مالي من فلان اى قبضتة''

''یعنی میں نے اس سے سارا مال واپس لے لیا''

علمِ معانی کا یہ ایک تسلیم شُدہ کُلّیہ ہے کہ اگر کسی لفظ کا ایک حقیقی معنی ہو اور دوسرا مجازی تو درحقیقت حقیقی معنیٰ کو مجازی معنیٰ پر ترجیح دی جائے گی عام طور پر انسان کی موت پر لفظ ''وفات'' استعمال کیا جاتا ہے اس لئے کہ موت کے وقت اس کے جسمانی اختیارات کو یکسر سَلب کر لیا جاتا ہے گویا اس لحاظ سے موت اس کے معنی کی مختلف صورتوں میں ایک صورت ہے یوں تو نیند میں بھی انسانی اختیارات عارضی طور پر سلَب کر لئے جاتے ہیں یہ تو آپ جانتے ہیں موت کا ایک ہلکا سا نمونہ روزانہ ان کی نیند ہے۔ قرآن مجید میں اس لفظ کا استعمال ہوا ہے چنانچہ پارہ نمبر ۲۴ فَمَنْ اَظْلَمُ، سورۃ الزُّمر آیت ۴۲ میں ارشادِ ربانی ہے۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ

''اللہ تعالیٰ ہر جاندار کی موت کے وقت اس کی روح قبض کر لیتا ہے جو ابھی مرا نہیں، اس کی روح نیند کی حالت میں اپنے قبضے میں رکھتا ہے'' (آیت ۴۲ سورۃ الزُّمر)

حافظ ابنِ تیمیہؒ اپنی مشہور تصنیف "الجواب الصحیح" جلد دوئم میں رقم طراز ہیں۔

اَلتَّوَفِّيْ فِيْ لُغَةِ الْعَرَبِ مَعْنَاهُ الْقَبْضُ وَالْاِ نْتِفَاعُ وَذٰلِكَ ثَلَا ثَةُ اَنْوَاعٍ

حافظ ابن تیمیہؒ نے بھی متوفی سے مراد پورا کرنے والا/وفات دینے والا بتائی ہے اور رُوح کو قبض کرنے کے لئے ہیں۔
چنانچہ آیت مذکور میں لفظ متوفیک کا ترجمہ اکثر اہلِ علم نے پورا لینے سے کیا ہے۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ نے بھی اپنی تفسیر میں یہی مفہوم بیان کیا ہے کہ ہم آپ کو یہودیوں کے ہاتھ میں نہ چھوڑیں گے بلکہ خود آپ کو لے لیں گے۔

انی متوفیک اپنے حقیقی اور اصلی معنی میں آیا ہے یعنی اے عیسیٰ (علیہ السلام) تم کو یہودیوں کی سازش اور مکر سے بچا کر پورا پورا اپنی طرف آسمانوں پر اٹھالوں گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

﴿رَافِعُكَ﴾ رَفَعَ اس نے بلند کیا، اسی نے اونچا کیا، مَصدر اٹھانے والا رَافِعُکَ میں اپنی طرف اٹھانے والا ہوں کے معنیٰ مقدم ہے اور متوفیک توفی کے معنی موت ہی کے ہیں مگر الفاظ میں تقدیم وتاخیر ہے، رافعک کا پہلے اور متوفیک کا وقوع بعد میں ہوگا۔ متوفیک کا ذکر پہلے کرنے کی حکمت اور مصلحت یہ کہ، اس پورے امرِ واقعہ کی طرف اشارہ کرنا ہے جو آگے وقوع پذیر ہونے والا ہے اپنی طرف "بلانا" ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ چندروزہ ہے دنیا میں آپ کی آمد ہوگی، دشمنوں پر غلبہ ہوگا اور طبعی موت ہوجائے گی گویا دوبارہ آسمان سے نازل ہونے اور دنیا پر نصرت پانے کے بعد موت آنے کا معاملہ ایک معجزہ بھی تھا ور افعک الی کا مفہوم دراصل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ آپ کو اپنی طرف اٹھالوں گا، سب بخوبی واقف ہیں عیسیٰ علیہ السلام نام صرف روح کا نہیں، بلکہ روح جسم کے ساتھ ہے تو رفع عیسیٰ علیہ السلام کو صرف یہ سمجھ لینا کہ صرف رفع روحانی ہوا جسمانی نہیں اٹھایا یہ غلط فہمی ہے یوں جانئے کہ رفع کبھی عندی اور مرتبہ کے لیے بھی مستعمل ہے قرآن مجید کے پارہ نمبر ۸ وَلَوْ اَنَّنَا سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۶۵ میں ارشادِ ربانی ہے۔

وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ

"ایک دوسرے پر تم کو رتبے اور درجے عطا کئے تا کہ اپنے دیئے ہوئے حکموں پر تم کو آزمائے" (آیت ۱۶۵ سورۃ انعام)

امام رازیؒ تفسیر کبیر جلد دوئم میں رقم طراز ہیں قرآن الحکیم میں اس طرح کی تقدیم وتاخیر اس طرح کے مَصلحت کی پیشِ نَظر بکثرت آئی ہے جو واقعہ بعد میں ہونے والا تھا اس کو پہلے اور پہلے ہونے والے واقعہ کو بعد میں بیان کیا گیا"۔

﴿وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ﴾ اور پاک کرنے والا ہوں اُن لوگوں کو جنہوں نے تیرا انکار کیا۔ مُطَهِّرُ پاک کرنے والا، کَ تجھے، مِنْ سے، اَلَّذِيْنَ جو لوگ، اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تیسرا وعدہ یہ کیا کہ ان کو دشمنوں کی تہمتوں سے پاک رکھے گا اس وعدہ کی تکمیل اس طرح ہوئی، سبحان اللہ، نبی ختم المرتبت حضرت محمد ﷺ جلوہ فگن ہوئے اور یہود کے تمام تر غلط الزامات کو واضح کر دیا مثال کے طور پر حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت بغیر باپ کے ہوئی، چنانچہ اُن کے نَسب کی وجہ سے مَطعوُن کرتے تھے قرآن مجید میں اللہ نے اس الزام کو یہ کہہ کر واضح بیان کر دیا کہ وہ محض اللہ کی قدرتِ کاملہ اور رَبّ کے حکم سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں یہ کوئی استعجاب کی بات نہیں، بلکہ تعجّب خیز امر تو یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی وَلادت باسَعادت بغیر ماں باپ کے ہوئی۔

﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ﴾ اور بنانے والا ہوں اُن کو جنہوں نے تیری اتباع / پیروی کی یہاں اتباع کا مفہوم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوّت کا اقرار اور اعتقاد ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احکاماتِ لازم میں یہ بھی شامل تھا کہ ان کے بعد حضرت محمد ﷺ پر ایمان لائیں عجیب ستم ظریفی ہے نصاریٰ نے اس پر ایمان اور اعتقاد اختیار نہیں کیا، اس لئے نجات سے محروم ہوئے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! مسلمانوں نے اس پر عمل کیا ایمان پانے کے بعد نجاتِ آخرت کے حق دار ہوئے۔

ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ

"پھر تم کو میری طرف ہی پلٹ / لوٹ کر آنا ہے پس اس وقت میں تمہارے درمیان فیصلہ کروں گا"

﴿ ثُمَّ ﴾ پھر۔﴿ اِلَیَّ ﴾ میری طرف۔﴿ مَرْجِعُ ﴾ لوٹ کر آؤ گے۔﴿ کُمْ ﴾ تم۔﴿ فَ ﴾ پس،﴿ اَحْکُمُ ﴾ میں فیصلہ صادر کروں گا ﴿ بَیْنَ ﴾ درمیان۔﴿ کُمْ ﴾ تمہارے۔

فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

''میں عذاب دوں گا انہیں سخت عذاب، دنیا میں اور آخرت میں''

﴿فَ﴾ پس،﴿اُعَذِّبُ﴾ میں عذاب دوں گا ﴿هُمْ﴾ ان کو ﴿عَذَابًا شَدِيْدًا﴾ سخت ترین عذاب ﴿فِيْ﴾ میں ﴿اَلدُّنْيَا﴾ دنیا ﴿وَالْاٰخِرَةِ﴾ اور آخرت۔

اس آیتِ مبارکہ کے مضمون پر خفیف اور لطیف اشکال ہے اسے یوں سمجھا جائے کہ دنیا میں تو سزا ہو چکی، اس کے ساتھ آخرت کے دن کی سزا۔ یومِ قیامت میں تکمیل پائے گی۔

﴿ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ اور اللہ ظالموں سے محبت نہیں رکھتا۔﴿لَا﴾ نہیں ﴿يُحِبُّ﴾ وہ دوست رکھتا ہے ﴿ظٰلِمِيْنَ﴾ ظالموں کو۔

ان میں اشارہ کے طور پر بیان کیا گیا اہل ایمان محبوب ہیں اس کی وجہ وہ ایمان لانے والے ہیں، "ایمان والوں پر دنیا میں افتاد آ پڑتی ہے تو اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور منکر اور اہل کفر کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں۔ (بحوالہ بیان القرآن)

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ

''بے شک مثال عیسیٰ علیہ السلام کی رب کے نزدیک آدم علیہ السلام کی مانند ہے''

﴿اِنَّ﴾ کوئی شک نہیں ﴿مَثَلَ﴾ مثال، تمثال ﴿عِنْدَ اللّٰهِ﴾ اللہ کے نزدیک ﴿كَمَثَلِ﴾ طرح کی ﴿مَثَلُ﴾ اسم مفرد ہے اس کی جمع اَمثال ہے مثل وہ قول ہے جو دوسرے قول کے متشابہ ہو، گویا دوسرے کی تصویر اوّل کے ذریعہ نظر کے سامنے آ جائے۔

اس آیت کے مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ قیاس بھی حجتِ شرعیہ ہے۔ رَبّ کا فرمان کہ عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آدم علیہ السلام کی مانند ہے یہاں اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کو حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش پر قیاس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ (بحوالہ تفسیر مظہری)۔

﴿ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ﴾ حق وہ ہے جو تیرا رَبّ کہے۔﴿ اَلْمُمْتَرِيْنَ ﴾ شک کرنے والا قواعد کے مطابق اسم ہے۔

تشریح وتوضیحات آیت ۵۵ تا ۶۰

آیت نمبر ۵۵ میں اظہارِ بیان ہے کہ جب رَبِّ جلیل نے ارشاد فرمایا! اے عیسیٰ (علیہ السلام) میں تم کو واپس بلانے والا ہوں اپنی بارگاہ میں قدر و منزلت کے ساتھ تمہارا مرتبہ بلند کرنے والا ہوں اور کافروں کی تہمتوں اور الزام تراشیوں سے تم کو پاک رکھوں گا یہ بات قابل ذکر ہے کہ بنی اسرائیل کی صدیوں سے نافرمانیوں کی داستان رقم کرتے چلے آ رہے تھے بار بار کی تنبیہ کے باوجود ان کی قوی روش کی صورتِ حال ابتر سے ابتر ہوتی جا رہی تھی اَنبیاء علیہم الصلوٰۃ کا قتل پے در پے کئے جا رہے تھے چنانچہ انہیں ایک آخری موقع فراہم کرنے کے لیے حضرت عیسیٰ بن مریم اور حضرت یحییٰ علیہما السلام جیسے جلیل القدر نبیوں کو بیک وقت مبعوث کیا گیا لیکن وائے ناکامی، اور محرومی'' کارواں سے احساسِ زیاں جاتا رہا'' کہ مصداق بنی اسرائیل نے فخر و انبساط سے مسرور ہو کر اس آخری موقع کو بھی ہاتھ سے کھو دیا، حضرت یحییٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر ہستی کا سرِ مبارک ایک رقاصہ کے کہنے پر قلم کرا دیا اور ان کے عالم اور

فقہائے کرام ایک سازش کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رومی سلطنت سے سزائے موت دینے کی کوشش میں سرگرداں رہے لیکن وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے رَبّ نے اپنے نبی کو واپس بلا لیا اور ہوا یوں کہ بنی اسرائیل نے ذلت کی زندگی کا فیصلہ تا قیامت رقم کر دیا۔

یہ بات اچھی طرح سمجھ جایئے کہ قرآن کی تعلیمات اور حکم بِاذنِ اللہ عیسائیوں کے عقیدۂ الوہیتِ مسیح کی اصلاح اور تردید کے لئے ہے اور عیسائیوں میں اس عقیدہ کو اپنانے کی تین اہم وجوہات ہیں۔

☆......اوّل، یہ ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم ؑ کی اعجازی ولادت۔

☆......دوئم، اس کے صریح معجزات کا دائرہ کار۔

☆......سوئم، ان کا آسمان کی سمت اٹھایا جانا' جس کا بیان اُن کی کتابوں میں بھی مذکور ہے۔

اس آیتِ مبارکہ میں رَبّ جلیل نے یہودیوں کے مقابلے میں سیدنا عیسیٰ مسیح علیہ السلام سے پانچ وعدے فرمائے تھے۔

اوّل)......یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت یہودیوں کے ہاتھوں قتل سے نہیں ہوگی۔

دوئم)......یہ کہ تجھ کو اپنی طرف (عالمِ بالا) میں اٹھالوں گا۔

اس وعدہ کے تکمیل کی خبر سورۂ نساء کی آیت نمبر ۱۵۷ پارہ ۶ لَا یُحِبُّ اللّٰہُ.

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللّٰهِ۔

''اور اُن کا یہ جھوٹا دعویٰ کہ ہم نے قتل کر ڈالا، مریم کے بیٹے عیسیٰ مسیح کو جو اللہ کا رسول تھا'' (سورۂ نسآء آیت ۱۵۷)

حالانکہ نہ تو وہ اس کو قتل کر سکے اور نہ رسولی پر چڑھا سکے

وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا (۱۵۷)
وہ لوگ ہرگز قتل نہ کر سکے

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ ط (۱۵۸)
بلکہ اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے طرف بلندی پر اُٹھا لیا
(آیت ۱۵۸ سورہ نساء پارہ ۶ لَا یُحِبُّ اللّٰہُ)

وضاحت کے ساتھ بیان ہے یقینی طور پر ان کو یہودیوں نے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ عَزَّ وَجَلّ نے اپنی طرف اٹھالیا۔

سوئم)......یہ کہ ان کو دشمنوں کی تہمتوں اور مطعون کرنے سے پاک کیا، ستم ظریفی کو تو ملاحظہ فرمایئے یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر خدائی کے دعویٰ کا الزام تراشتے تھے۔

چہارم)......یہ کہ آپ (عیسیٰ) کی اتباع کرنے والے کو، قیامت تک غالب رکھا جائے گا منکرین کے مقابلہ میں۔

پنجم)......یہ کہ قیامت کے دن تک اِن مذہبی، اختلافی اُمور کا فیصلہ صادر کرنے کا، تو وہ وعدہ بھی اپنے وقت مقرّرہ پر ضُرور بالضرور پورا ہوگا۔

آیت نمبر ۵۶ میں واضح طور پر بیان کیا جا رہا ہے سو جو لوگ کافر ہوئے، اُن کو اُن کے کُفر پر سخت سزا اور عذاب دوں گا، دونوں جہانوں میں دنیا میں تو وہ اس کی سزا، جو تھی، وہ تو ہو چکی، آخرت کی سزا تو باقی رہی، ان لوگوں کا کوئی طرفدار اور مددگار نہ ہوگا۔

آیت نمبر ۵۷ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ جو لوگ اہلِ ایمان تھے اور صالح اور نیک عمل سرِ انجام دیتے تھے تو حق تعالیٰ اُن کے ایمان اور نیک کاموں کا اجر دیں گے اور کفار، کو سزا تجویز ہونے کا سبب یہ ہے کہ باریِ تعالیٰ محبت نہیں رکھتے ایسے ظالموں سے' جو اللہ

اوراس کے رسول کے منکر ہوں کفرتو ظلمِ عظیم ہے۔

آیت نمبر ۵۸ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ یہ آیات، حکمت سے پُر ہیں جو ہم پڑھ کر تجھ کو سناتے ہیں وحی کے ذریعہ، اس میں دلائل نبوّت کا بیان ہے اور تمام تر دانش مندی سے لبریز مضامین ہیں۔

آیت نمبر ۵۹ میں اظہار کیا جارہا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے تخلیق کیا، اور جیسے ہی کہا "ہوجا" پس وہ ہوگئے۔ بات دراصل یہ ہے کہ عیسائی لوگ حضرت محمد ﷺ سے اس بات پر بحث وتکرار کرتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے نہیں بلکہ اللہ کے بیٹے ہیں، ضد کی کیفیّت کا ذرا یہ عالم تو دیکھئے برملا کہتے 'اچھا یہ تو بتاؤ جب اللہ کے بیٹے نہیں تو کس کے بیٹے ہیں؟ ذرا جراٗتِ اظہار تو دیکھئے!

اس کے جواب میں رَبّ نے ارشاد فرمایا" حضرت آدم علیہ السلام کے تو، ماں باپ دونوں نہیں تھے پھر عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کیا تو استعجاب کس بات کا؟۔

آیت نمبر ۶۰ میں اظہارِ بیان بڑے لطیف انداز میں کیا جارہا ہے کہ کوئی اُمّت خود ہی اپنے نبی کے بارے میں مُتضاد اور خلافِ حق دعویٰ دار ہو کر دوسروں کو شک وشبہ میں مبتلا کر کے گناہ کا اِرتکاب کرے تو وہ دوسروں کو ایمان کا قلبی سکون کیسے فراہم کرسکتی ہے اُن سے حق تعالیٰ نے کہا کہ تم کو شک میں نہیں پڑنا چاہئے حق تو وہی ہے جو قرآن نے وضاحت کے ساتھ بیان کردیا ہے۔

❁❁

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۱﴾

پس جو شخص جھگڑا کرے، اس کے بعد کہ آپ کے پاس یقینی / سچا علم آ گیا، تو اے محمد (ﷺ) آپ کہہ دیجئے! آؤ ہم اور تم خود بھی آ جائیں اور ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو بھی اور تمہارے بیٹوں کو بھی، اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی، اور ہم اور تم خود بھی موجود رہیں، اور سب مل کر عجز کے ساتھ اللہ کے حضور دعا کریں، کہ جو بھی جھوٹا ہو اُس پر اللہ کی لعنت اور پھٹکار ہو۔ (۶۱)

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۲﴾

بے شک! صرف یہ سچا بیان / قصہ / واقعہ ہے کہ اللہ کے سوا، کوئی اور معبود نہیں ہے، اور یقیناً اللہ ہی غالب اور حکمت والا (دانا) ہے۔ (۶۲)

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۳﴾

پس! اگر یہ لوگ حق قبول نہیں کریں گے تو اللہ فساد برپا کرنے والوں کو خوب جاننے والا ہے۔ (۶۳)

الفاظ و معانی آیت ۶۱ تا ۶۳

﴿مَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ﴾ فَ، پس۔ مَنْ، جو۔ حَاجَّ، جھگڑا کریں / فساد کریں۔ كَ، تجھ سے۔ فِيْ، میں۔ ہٖ، اُس۔ پس جو لوگ تم سے فساد / جھگڑا کریں۔ ﴿فَقُلْ تَعَالَوْا﴾ فَ، پس۔ قُلْ، کہو۔ تَعَالَوْ، تم آؤ۔ یہ تَعَالیٰ سے ہے معنی بلند ہونے کے ہیں تعال انسان کو بلند مقام کی طرف بلایا جائے یہ عُلُوٌّ سے اخذ کیا گیا ہے بمعنی رفعت، منزلت، دَعوۃٌ، نَدْعُ، فعل مصدر ہے۔ ﴿اَبْنَآءَ﴾ سے مراد اولادِ صلبی نہیں ہے بلکہ عام اولاد یا اولاد کی اولاد مراد ہے چنانچہ اَبْنَاءَ نَا میں آپ ﷺ کے نواسے حسن رضی اللہ عنہ، حسین رضی اللہ عنہ اور آپ ﷺ کے داماد حضرت علی رضی اللہ عنہ شامل ہیں۔ تَعَالَوْ، ہم بلائیں ﴿فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ﴾ اس آیت سے اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو مُباہلہ کرنے کا حکم دیا ہے مباہلہ کے معنی ہیں دو فریقوں کا باہم ایک دوسرے پر لعنت بھیجنا، مطعون کرنا، بددعا کرنا اس کا مفہوم یوں سمجھئے کہ جب دو فریق میں کسی معاملے کے حق و باطل کے سلسلے میں اختلاف کی صورت پیدا ہو جائے اور نزاع ہو اور دلائل کی روشنی میں اس کے ختم ہونے کی صورت نظر نہ آئے تو دونوں عجز کے ساتھ ربّ کے حضور التجا کریں کہ یا اللہ! ہم دونوں میں سے جو کاذب ہے اس پر لعنت فرما۔

مختصر طور پر پسِ منظر کی صورتِ حال یہ ہے کہ نجران سے عیسائیوں کا ایک وفد ۹ ہجری میں نبی اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں غلط نظریات کے قائل تھے اور بحث و مناظرہ کی نوبت آئی بالآخر اس آیتِ مبارکہ کا نزول ہوا اور حضرت محمد ﷺ نے انہیں مُباہلہ کی دعوت دی، حضرت محمد ﷺ نے نجران کے نصاریٰ کو ایک فرمان ارشاد کیا جس میں تین اہم نکات اور اُمور کا ترتیب وار ذکر کیا گیا۔

(اوّل)...... دعوتِ اسلام قبول کرلو۔ (دوئم)...... جزیہ ادا کرو۔ (سوئم)...... جنگ کے لیے آمادہ ہو جاؤ۔

نصاریٰ نے باہمی مشاورت کر کے شرجیل، عبداللہ بن شرحبیل اور جبار بن قیس کو رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ عالیہ میں بھیجا اُن لوگوں نے آ کر مذہبی اُمور پر گفتگو کی۔

حضرت محمد ﷺ نے حضرت علی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما، حضرت حَسن و حُسین رضی اللہ عنہم کو بھی ساتھ لیا شرحبیل یہ صورتِ حال دیکھ کر اپنے ساتھیوں سے ہم کلام ہوا، تم کو علم ہے یہ اللہ کا نبی ﷺ ہے نبی سے مباہلہ ہماری ہلاکت کا مُوجب ہے اس لئے نجات کی کوئی دوسری راہ تلاش کی جائے۔ عیسائیوں نے باہم مشورے سے عندیہ دیا کہ آپ ہم سے جو چاہتے ہیں ہم دینے کے تیار ہیں چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے اس پر جزیہ مقرّر کر کے صلح کر دی، جس کو منظور کر لیا گیا۔ (بحوالہ تفسیر ابن کثیر جلد اوّل، فتح القدیر)

﴿ نَبۡتَهِلۡ ﴾ اِبۡتِهَالٌ، ہم انکساری سے دعا کریں ﴿ فَنَجۡعَلۡ ﴾ ف، پس۔ نَجۡعَلۡ، ہم بھیجیں ﴿ بِالۡمُفۡسِدِیۡنَ ﴾ مُفسدوں کو۔ ﴿ تَوَلَّوۡا ﴾ پھر جائیں۔

تشریح وتوضیحات آیت ۶۱ تا ۶۳

آیت نمبر ۶۱ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ اگر نصاریٰ اس قدر سمجھانے پر قائل نہ ہوں تو ان کے ساتھ مُباہلہ کرو جس کی پُر اثر اور مکمل صورت یہ اختیار کی گئی دونوں فریق اپنی جان سے بہ نفسِ نفیس، اور اولاد کے ساتھ حاضر ہوں اور عجز و انکساری کے ساتھ رَبّ کے حضور گڑگڑا کر دعا طلب کریں کہ جو کوئی کاذِب ہے اس پر باریِ تعالیٰ کا عذاب پڑے، جب نجران کے سب سے بڑے عالم پادری نے دیکھا کہ حضرت محمد ﷺ سب سے فرما رہے ہیں جب میں دعا کروں تو تم سب آمین کہنا، تو اس نے جماعتِ نصاریٰ سے خطاب کرتے ہوئے کہا میں ایسے چہرے اپنی نظر کے سامنے دیکھ رہا ہوں اگر یہ لوگ رَبّ سے پہاڑ ہٹانے کی دعا کریں تو پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے گا تم ان سے مباہلہ نہ کرنا ورنہ تباہی و ہلاکت تمہارا مقدّر رہو گی۔ اور تا قیامت روئے زمین پر کسی نَصرانی کا وجود نہیں رہے گا۔ تب نَصرانی نے کہا ہم فدیہ دینے کو تیار ہیں مُباہلہ کی ہماری رائے نہیں ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا! قسم ہے اُس ذات کی جس کے دَستِ قدرت میں میری جان ہے اہلِ نَجران پر عذاب قریب سے قریب تر تھا اگر وہ مُباہلہ کرتے وہ بندروں اور سور کی صورت میں مسخ ہو جاتے۔ نَجران کے رہنے والے پرندے تک فنا ہو جاتے، اور ایک سال کے اندر تمام نصاریٰ موت کی آغوش میں آ کر ہلاک ہو جاتے۔

آیت نمبر ۶۲ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ یقینی طور پر یہی بیان صداقت پر مبنی ہے کہ اللہ کے سوا، کسی کی بندگی نہیں، حق بات تو یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہی سچّا اظہارِ بیان ہے اور رَبّ کی بارگاہ ہر قسم کے شرک، اور باپ بیٹے کے رشتے اور تعلقات سے قطعیٰ پاک ہے۔

آیت نمبر ۶۳ میں وضاحت سے اظہار ہے کہ یہ لوگ اگر حق تسلیم نہ کریں، تو اللہ سبحانہ تعالیٰ فسادیوں کو اچھی طرح جانتا ہے اگر یہ دلائل سے حق کو نہ مانیں، تو سمجھ لو انہیں حق قبول ہی نہیں محض فتنہ و فساد پھیلانا ہی پیش نظر ہے سب مُفسدین حق تعالیٰ کی نظر میں ہیں۔

❀❀

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْــًٔـا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝۶۴

اے میرے محبوب! (ﷺ) آپ کہہ دیجئے اے اہل کتاب ایک بات (کلمہ) کی طرف آجاؤ! جو برابر ہے ہمارے اور تمہارے درمیان، کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بھی بندگی اختیار نہ کریں، اور اللہ کے ساتھ بھی کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور اللہ کے سوا، آپس میں کسی اور کو ایک دوسرے کا رَبّ نہ مانو۔ اگر یہ سیدھی بات بھی اُن کو قبول نہیں تو کہہ دو! گواہ رہو! کہ ہم (مسلم) تو حکم کے تابع ہیں۔ (۶۴)

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَاۗجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۶۵ ھٰٓاَنْتُمْ ھٰٓؤُلَاۗءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاۗجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۶۶

اے اہلِ کتاب! کیوں جھگڑتے ہو، ابراہیمؑ کی بابت، تورات، انجیل تو اُن کے بعد نازل کی گئیں ہیں۔ کیا تم کو اتنی بھی عقل نہیں؟ (۶۵) سنو! تم لوگ وہ لوگ ہو، جو جھگڑتے رہے ہو، ان باتوں پر جس کی تم کو کچھ نہ کچھ خبر تھی، اب کیوں اس بات پر تکرار/ جھگڑا کرتے ہو، جس بات کا تمہیں علم ہی نہیں، اصل علم تو اللہ عزّ وجلّ کو ہے تم کو نہیں (اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے) (۶۶)۔

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۶۷ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَھٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۶۸

نہ تو (حضرت) ابراہیمؑ یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ وہ تو گمراہی سے الگ رہنے والے یکسو مسلم تھے، اور شرک کرنے والے تو بالکل نہیں تھے۔ (۶۷) بے شک! ابراہیمؑ سے نسبت رکھنے والے تو وہ لوگ ہیں، جنہوں نے ان کی اتباع کی، اور یہ نبی حضرت محمد ﷺ اور جو اس نبی ﷺ پر ایمان لانے والے ساتھی، اور ایمان والوں کا (مددگار) تو اللہ ہی ہے۔ (۶۸)

وَدَّتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ۭ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝۶۹

بعض اہل کتاب کی دلی تمنّا ہے کہ کسی طرح تمہیں گمراہ کردیں، دراصل وہ خود ہی اپنے آپ کو گمراہ کر رہے ہیں مگر انہیں اس کا شعور نہیں (۶۹)

الفاظ ومعانی آیت ۶۴ تا ۶۹

﴿اِلٰى﴾ طرف۔ ﴿كَلِمَةٍ سَوَآءٍ﴾ ایک بات یکساں/ مساوی ہے۔ ﴿وَلَا نُشْرِكَ﴾ اور شریک نہ ٹھہرائیں

تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ

اس آیتِ کریمہ سے تبلیغ دین ودعوت حق کا ایک اہم اصول کا پتہ چلتا ہے کہ اگر کوئی کسی جماعت/ گروہ کو دعوت دینا چاہتا ہے جو عقاید اور نظریات اس سے مسابقت نہیں رکھتے۔ اس سے قطع نظر جماعت کو اِن اُمور کی دعوت دی جائے جس پر دونوں فریق کا باہمی اتفاق ہوسکتا ہے نبی کریم ﷺ نے جب بادشاہ روم ''ہرقل''[1] کو دعوت اسلام کی طرف راغب کیا تو اسلام کی دعوت دیتے وقت

[1] قرآن کے اس حکم کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کے حوالے سے شاہ رُوم ہرقل کو قبولِ اسلام کی دعوت دی۔ (بحوالہ صحیح بخاری شریف، کتاب بدء الوحی)

ایسے مسئلہ کی طرف توجہ مرکوز رکھی جس پر دونوں کا اتفاق تھا یعنی اللہ عزوجل کی وحدانیت پر۔ ﴿ اَرْبَابًا ﴾ واحد رَبّ ہے اسم ہے۔ ﴿ دُوْنِ ﴾ سوائے۔ ﴿ فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا ﴾ ف، پس۔ قُوْلُوْا، کہہ دو۔ ﴿ اِشْهَدُوْا ﴾ تم شاہد رہو۔ ﴿ بِاَنَّ ﴾ کہ ہم۔ ﴿ مُسْلِمُوْنَ ﴾ فرمانبردار ہیں۔

اس آیتِ مبارکہ میں جو کہا گیا کہ تم گواہ/شاہد رہو اس سے تعلیم کا یہ پہلو نکلتا ہے کہ جب دلائل واضح ہونے کے باوجود کوئی حق کو تسلیم نہ کرے تو اتمامِ حجّت کی تکمیل کے لیے اپنا مسلک بتا کر کلام ختم کر دینا چاہیے اور مزید بحث و تکرار میں الجھنا مناسب نہیں ہے۔

﴿ لِمَ ﴾ کیوں۔ ﴿ تُحَآجُّوْنَ ﴾ جھگڑتے ہو۔ ﴿ هَآ ﴾ حرفِ تنبیہ ہاں۔ ﴿ هٰٓؤُلَآءِ ﴾ وہ، لوگ جو ﴿ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ﴾ ایک طرفہ خالص مسلمان۔ ﴿ حَنِيْفًا ﴾ سب جھوٹے مذہبوں سے بے زار ﴿ مُّسْلِمًا ﴾ حکمبردار یعنی شرک سے بے زار اور ایک رَبّ کے پرستار۔ ﴿ اَوْلَى ﴾ نزدیک تر قریب تر، قواعد کے مطابق اسم ہے۔ ﴿ وَدَّتْ ﴾ مُوَدَّةٌ، مصدر، جمع اس نے دل سے چاہنا رغبت کی واحد مؤنث قواعد کے مطابق۔

تشریح و توضیحات آیت ۶۴ تا ۶۹

آیت مبارک نمبر ۶۴ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بھی بندگی نہ کریں اور اللہ کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ مانیں اور اللہ کے سوا آپس میں بھی ایک دوسرے کو اپنا رَبّ نہ مانیں۔ اس آیت میں یہ تین نکات بیان ہوئے ہیں جس پر اہل کتاب کو اتحاد کی دعوت دی گئی چنانچہ اس اُمّت کے شیرازہ کو مجتمع کرنے کے لیے ان ہی تین نکات کو ''کلمہ سواء'' کی اساس بنانی چاہیئے ذرا توجہ کے ساتھ اس اَمر کو سمجھنے کی کوشش کیجئے کہ رسالتِ مآب حضرت محمد ﷺ کوئی نئی دعوت اور کوئی انوکھا دین لے کر جلوہ اَفروز نہیں ہوئے۔

رسول اللہ ﷺ بھی اسی توحید کے داعی بن کو جلوہ فگن ہوئے جس کی دعوت ہر نبی نے دی اس آیت کے مطالعہ سے یہ علم ہوا کہ انسانیت جو آج مختلف طبقات اور مخالف گروہ بندی میں بٹ کر منتشر ہو گئی ہے، جس کے سبب گلشنِ کائنات، اور گیتیٔ عالم جہنّم زار دیکھائی دے رہا ہے اس کی اصل اساس عقیدۂ توحید ہی تو ہے۔

ع فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں اقبالؔ

عقیدۂ توحید کی دعوت، کائنات کی تمام تر حقیقتوں سے واضح تر اور ماہِ کامل کی طرح روشن ترین حقیقت ہے اور حضرت محمد ﷺ نے اسی راہِ حق مرکزِ حق کی طرف بلانے کے لیے اہلِ کتاب کو دعوت دی۔

اس آیتِ مبارکہ میں ارشاد ہے اے محمد (ﷺ)! آپ کہہ دیجئے کہ اے اہلِ کتاب ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مساوی ہے وہ یہ کہ بجز اللہ کے ہم کسی اور کی عبادت نہ کریں، اس کے بعد وہ لوگ اِعراضِ حق کریں تو کہہ دو ! اس اقرار کے بعد گواہ رہو کہ ہم بات کرنے تسلیم/ماننے والے ہیں۔ اگر تم نہ مانو تو تم جانو۔

اس آیتِ مبارکہ میں اہلِ کتاب کی نظروں سے تعصب کا پردہ چاک کرنے کی پُر کیف، پُر اثر اور لطیف اُسلوب میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ جب انسان، کسی دوسرے کو حق و صداقت کی پیروی میں سبقت لے جاتے ہوئے پاتا ہے تو ایک جذبہ لطیف اس کے دل

میں اُجاگر ہوتا ہے کہ جب اورلوگ حق کی طلب میں تمام رکاوٹوں کا سدِ باب کر کے راہِ حق کی طرف بے حجابانہ اور بے تابہ لپک رہے ہیں تو کسی سے کیوں پیچھے رہ جائے مسلمانوں کے اس مژدہ جانفزا کے اعلان کا مقصد یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کے دل میں بھی یہی جذبہ بیدار ہو جائے۔

آیت نمبر ۶۵ میں واضح بیان یہ ہے کہ اے اہلِ کتاب! حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بابت کیوں جھگڑتے ہو۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں جھگڑنے کا معاملہ تو یہ ہے کہ یہودی اور عیسائی دونوں کا دعویٰ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے دین پر تھے اس آیتِ مبارکہ کی شانِ نزول یہ بیان کی گئی ہے کہ نجران کے نصاریٰ اور یہود کے اہلِ علم کے درمیان مباحثہ ہوا یہودیوں کا کہنا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے۔ اور نصرانیوں کا یہ دعویٰ تھا کہ آپ علیہ السلام نصرانی تھے، یہ نزاع کا سلسلہ خاصا بڑھا، تو فریقین کا معاملہ دربارِ رسالت مآب حضرت محمد ﷺ میں پیش ہوا انہوں نے آپ ﷺ کا حکم مانا، اور آپ ﷺ سے فیصلہ طلب کیا، اس پر اس آیتِ مبارکہ کا نزُول ہوا اور علمائے تورات اور انجیل پر اُن کا تمام جہل منکشف ہوا، کہ ہر ایک کا دعویٰ ان کے کمالِ جہل کی عکاسی کرتا ہے سلسلہ یہودیت اور نصرانیت، تورات اور انجیل کے نُزول کے بعد کی بات ہے اور دونوں کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سینکڑوں برس بعد نزول ہوا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی اور نصرانی کس طرح ہو سکتے تھے کہا جاتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مابین ایک ہزار کا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ کے درمیان دو ہزار سال کا فاصلہ تھا۔ (بحوالہ قرطبی)

آیت نمبر ۶۶ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ دیکھو ایسی بات میں تو تم اُلجھ پڑے جس بات کی تم کو کچھ کچھ ادھوری معلومات تھیں مگر اب اس بات پر کیوں تکرار کرتے ہو جس کا تمہیں علم ہی نہیں جگر مراد آبادی نے کیا خوب کہا۔

ع جہلِ خرد نے دن یہ دکھائے
گھٹ گئے اِنساں بڑھ گئے سائے

تمہارے جہلِ خرد اور کمالِ جہل کا تو یہ طُرفہ تماشہ تھا کہ اس بات پر بحث و مباحثہ کرتے ہو جس کا تمہیں علم ہی نہیں بالیقین جان لو! اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

آیت ۶۷ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی قرآن میں واضح بیان ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو صرف اللہ تعالیٰ کی اُلوہیت کے قائل تھے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروفِ عمل تھے وہ نہ تو عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا اور نہ مسیح علیہ السلام کو ہی رَبّ کا بیٹا کہتے اور نہ کسی بُت مورتی کے پجاری تھے اور نہ کسی صَلیب کے پَرستار، بھلا بتایئے تو سہی! ان کی توحید خالص سے اس فرقہ آلود یہودیّت اور نَصرانیت کا کیا واسطہ!۔

آیت ۶۸ میں قرآن حکیم کی تصریحًا وضاحت ہے کہ اہلِ حق سے نسبت اور تقرب کا دَارومدار اس پر نہیں کہ آپ اُن سے اپنی ربط اور وابستگی کا اظہار کریں بلکہ سچّی بات تو یہ ہے کہ اس کا انحصار ان کی سچّی اتباع پر مُضمر ہے جس نے ان کے پیام کو طمانیت قلب سے قبول کیا اور زندگی بھر عمل پیرا ہونے کا عزم کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تعلقِ خاص اور قُربت کا شرَف تو اُن لوگوں کو حاصل ہے جو اُن پر ایمان لائے اور اُن کی اطاعت کی اور اُن کی شریعت پر قائم رہے اور سرکارِ دوعالم ﷺ کو جنھوں نے دینِ ابراہیمی کو جلا بخشی، قرآنِ مجید میں حضرت محمد ﷺ کو ملّتِ ابراہیمی کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ پارہ ۱۴ سورۃ النحل آیت ۱۲۳ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ۝ اے اہلِ کتاب! کیوں اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہو، اور اس کے تم گواہ بھی رہے ہو۔ (۷۰)

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝ اے اہلِ کتاب! کیوں ملاتے ہو، حق کو باطل کے ساتھ، اور جان بوجھ کر حق کو کیوں پوشیدہ رکھتے ہو، حالانکہ تم جانتے ہو۔ (۷۱)

(بقیہ گذشتہ صفحہ سے آگے) ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ

پھر ہم نے آپ ﷺ کو بھی بذریعہ وحی حکم دیا، چلو تو بس ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر ملت ابراہیمی کی پیروی کرو (سورۃ النحل: ۱۲۳)

ترمذی شریف میں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، ہر نبی کے نبیوں میں سے دوست ہوتے ہیں میرے ولی، ان میں سے میرے باپ اور اللہ کے خلیل ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے یہی آیت تلاوت کی۔ (بحوالہ ابن کثیر)۔

آیت نمبر ۶۹ میں یہودیوں کے اس حَسد و بغض کا اظہارِ بیان ہے کہ جو وہ اہلِ ایمان سے رکھتے تھے اور اسی ضد وعناد کے سبب وہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش میں لگے رہتے تھے، چاہیے تو یہ تھا کہ اہلِ کتاب، رسول اللہ ﷺ پر ایمان لاتے، لیکن انہوں نے اہلِ ایمان کو اسلام سے بَرگشتہ اور بَدظن کرنے میں کوئی کسَر نہ چھوڑی۔ ربِّ جلیل نے فرمایا وہ اپنے ناپاک عزائم میں تو کبھی سرخُرو نہیں ہو سکتے البتہ یہ بات ضرور ہے کہ وہ اپنے نامۂ اعمال میں گمراہی کا اضافہ کررہے ہیں۔ اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں۔

الفاظ ومعانی آیت ۷۰، ۷۱

﴿اَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ﴾ تم گواہ ہو، تسلیم کرتے ہو ﴿تَلْبِسُوْنَ﴾ تم ملاتے ہو، خلط ملط کرتے ہو۔ یہ تَلْبِسٌ[1] سے مضارع ہے۔ ﴿تَكْتُمُوْنَ﴾ تم پوشیدہ رکھتے ہو ﴿تَكْتُمُوا﴾ تم چھپاؤ۔ ﴿تكتمون﴾ كِتْمَانٌ سے، کسی بات کو پوشیدہ رکھنا مضارع ہے۔ ﴿اَنْتُمْ﴾ تم ﴿تَعْلَمُوْنَ﴾ جانتے ہو، واقف ہو۔

اَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ اور اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ کے الفاظ سے قطعی یہ مراد نہ لی جائے کہ اگر وہ اقرار حق سے انکار کریں یا ان کو علم نہ ہو تو ان کے لیے کُفر جائز ہوگا۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کُفر اپنی ذات کے اعتبار سے فعل قبیح ہے۔ یہ ہر صورت میں ناجائز ہے یہ اور بات ہے کہ علم واقرار کے کُفر پر قائم رہنے میں ملامت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔

تشریح وتوضیحات آیت ۷۰، ۷۱

آیت نمبر ۷۰ میں اظہارِ بیان ہے کہ اے اہلِ کتاب کیوں منکر ہوتے ہو اللہ کے کلام کے جبکہ تمہیں نبی کی صداقت اور حقانیت کا علم ہے اکثر لوگوں کی دلی آرزو تھی کہ دینِ حق سے وہ گمراہ کریں۔ مگر وہ ایسا نہیں کر سکتے تھے وہ تو خود، اپنے آپ کو پریشانی اور اضلال میں مبتلا کر رہے ہیں۔

وضاحت بیان: آیت نمبر ۷۱ میں بتایا جارہا ہے کہ اے اہلِ کتاب تم کو انکار کیوں ہے ان آیات کے ساتھ جو (بقیہ اگلے صفحہ پر)

[1] لبس کے معنی ڈھانپ دینا ہے یا کسی چیز کو دوسری چیز کے ساتھ غلط انداز میں ملا دینا ہے۔ اہلِ کتاب! محمد ﷺ کے کمالات جو ان کے کتبِ سماوی کے صفحہ پر درج ہوتے ان کو پوشیدہ رکھتے اور ان میں تحریف کرتے۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ۚ

اور اہلِ کتاب کے ایک گروہ نے کہا، اس کتاب پر جو ایمان والوں پر نازل کی گئی، ایمان لے آؤ دن کے آغاز میں، اور سرِ شام/اس سے انکار کردو، شاید اس طرح وہ اسلام سے برگشتہ ہو جائیں۔(۷۲)

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ یُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِیْتُمْ اَوْ یُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ ۚ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۚ

اور مت مانو! کسی کی بات، سوائے ان لوگوں کے جو تمہارے دین کی اتباع کرتے ہیں بے شک آپ (ﷺ) کہہ دیجئے! اصل ہدایت تو اللہ کی ہدایت ہے اور یہ کہ یہ اسی کی عطا ہے، کسی کو وہی کچھ دے دیا جائے، جو کبھی تم کو دیا گیا تھا یا یہ کہ یہ تم سے، تمہارے رب کے پاس حجت/جھگڑا کریں گے۔ اے میرے محبوب (ﷺ)! آپ کہہ دیجئے! فضل وکرم تو، اللہ تعالیٰ کے ہی ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے دے! اور اللہ وُسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔(۷۳)

یَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۝

اپنی رحمت کے لیے جس کو چاہتا ہے مخصوص کر لیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا، بڑی عظمت والا ہے۔(۷۴)

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ یُّؤَدِّهٖٓ اِلَیْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِیْنَارٍ لَّا یُؤَدِّهٖٓ اِلَیْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَیْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَیْسَ عَلَیْنَا فِی الْاُمِّیّٖنَ سَبِیْلٌ ۚ وَیَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝

اور اہلِ کتاب میں سے، کچھ تو ایسے بھی ہیں کہ سونے چاندی/خزانہ کے ڈھیر بھی ان کی امانت میں دے دو، تو تم کو واپس/ادا کر دیں گے اور کچھ ایسے بھی ہیں کہ ان کے پاس ایک دینار (اشرفی) بھی امانت رکھو گے تو جب تک سر پر کھڑے نہ ہو جاؤ گے واپس/ادا نہیں کریں گے، اِس بددیانتی کا سبب یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم پر ان پڑھ (غیر یہودی) لوگوں کے معاملہ میں کوئی گرفت نہیں۔ یعنی ان امی لوگوں کا مال کھا جانے پر ہم پر کوئی گناہ نہیں، یہ لوگ باوجود جاننے کے، اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کہتے ہیں۔(۷۵)

(بقیہ گذشتہ صفحہ سے آگے) تمہاری کتبِ سماوی تورات اور انجیل نبوّتِ آخری نبی ﷺ پر دلالت کرتی ہیں تم کو معلوم نہیں! محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوّت کا انکار ہی اصل میں ان آیات کی تکذیب کرنے کے مُترادف ہے جو علامتِ کُفر ہے حالانکہ تم نے زبان سے اقرار کر لیا ہے۔ آیاتِ حق میں باطل کو کیوں ملاتے ہو، امر واقعہ ہے کہ اہلِ کتاب اس بات سے اچھی طرح واقف تھے کہ حضور اکرم ﷺ نبی ہیں جن کی آمد اور ظہور کا وعدہ اَنبیاء سابقین نے کیا تھا، کبھی کبھی تو اظہارِ حق سے مجبور ہو کر وہ آمد مصطفیٰ ﷺ کی عظمت اور صداقت اور آپ ﷺ کی تعلیمات کا اعتراف کر جاتے اس لئے قرآن بطورِ تنبیہ وضاحت کر رہا ہے کہ جن آیات کو تم اپنی نظروں سے دیکھ رہے ہو، جس کی حقانیت کے تم خود شاہد ہو، تم اُن کو قصداً اپنے نفس کی شرارت سے جھٹلانے کا اِرتکاب کر رہے ہو۔

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ○ ہاں کیوں! نہیں جو کوئی اپنا عہد را قرار پورا کرے اور نیکوکار، پرہیزگار بنا رہے تو بے شک اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں سے محبت رکھتا ہے۔(۷۶)

الفاظ و معنی آیت ۷۲ تا ۷۶

﴿ طَآئِفَةٌ ﴾ ایک گروہ نے، جماعت۔ طَوْفٌ سے اسم فاعل کا صیغہ اور مؤنث۔ ﴿ وَجْهَ النَّهَارِ ﴾ آغاز صبح، دن کا اول وقت۔ وَجہ اوّل، چہرہ اسم ہے۔ ﴿ وَلَا تُؤْمِنُوْآ ﴾ اور بات نہ مانو۔ ﴿ يَخْتَصُّ ﴾ خاص کر لیتا ہے۔ ﴿ بِقِنْطَارٍ ﴾ ڈھیر مال کا/ خزانہ ﴿ دُمْتَ ﴾ تم رہو۔ ﴿ الْاُمِّيّٖنَ ﴾ اَن پڑھ اس کا واحد اُمِّیٌّ ہے جاہل، اس سے مراد مشرکین عرب ہیں۔ ﴿ اَنْ ﴾ یہ کہ۔ ﴿ يُؤْتٰى ﴾ دیا جائے، ﴿ اُوْتِيْتُمْ ﴾ دی گئی تم کو۔

تشریح و توضیحات آیت ۷۲ تا ۷۶

آیتِ مبارکہ نمبر ۷۲ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ اہلِ کتاب کی ایک جماعت نے کہا کہ، جو ایمان والوں پر کلام اُتارا گیا ہے صبح کے اوّل حصّے میں، اُس کے تسلیم کرنے کا اعلان کر دو، اور شام ہوتے ہی منکر ہو جاؤ۔ گویا دلائل کے معاملات میں شکست کھانے کے بعد، یہود کے مذہبی پیشوا نے لوگوں کو دینِ حق سے بیزار کرنے کے لیے ایک گہری سازش کی، جس سے وہ مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے تھے، انہوں نے باہمی رضامندی سے طے کیا کہ صبح دم مسلمان ہو جائیں۔ ظاہراً ایمان لے آؤ اُسی کتاب پر جو نازل کی گئی ہے اور پھر شام ڈھلتے انکار کر بیٹھو، کوئی بعید نہیں کہ اس تدبیر سے مسلمانوں کو بھی قرآن اور اسلام کے بارے میں شک پیدا ہو اور وہ اپنے دین سے پلٹ جائیں یہود کی یہ تدبیر بڑی خطرناک تھی، لیکن قربان جایئے باریٔ تعالیٰ کی رحمت کے اللہ نے پہلے ہی مسلمانوں کو آگاہ کر دیا اس طرح یہود کی یہ گہری چال ناکامی سے ہمکنار ہوئی۔

آیت نمبر ۷۳ میں وضاحت سے بتایا جا رہا ہے کہ اے محمد (ﷺ)! آپ کہہ دیجئے اس مکر و فریب اور چالاکیوں سے کچھ نہیں ہوتا، یقینی طور پر ہدایت جو بندوں کو ملتی ہے وہ ہدایت اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ تمہارے حیلے اِس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتے گویا ہدایت اللہ کی عطائے خاص ہے جس کے قلب میں اللہ نے ہدایت کا نور روشن کر دیا وہ اہلِ یہود کی اِن پُر فریب، مکّاریوں سے گمراہ ہونے والا نہیں، اہلِ کتاب کی یہ تدبیریں محض، حسد، عناد اور جلن کے باعث ہیں کہ دوسروں کو کیوں اس طرح کی شریعت، رسالت اور نبوّت سے سرفراز کیا جا رہا ہے یہود ہمیشہ اس زعم میں رہے کہ ہماری قوم میں شرعیات کی اجارہ داری ہے تورات ہم پر نازل ہوئی حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی ہم میں وارد ہوئے پھر عرب کے اُمیّوں کو یہ فضل و کمال کیوں عطا ہو رہا ہے۔

خلاصۂ کلام (اس گفتگو کا ماحصل) یہ ہوا کہ اہلِ یہود، حق کو دبانے اور مٹانے کی تدبیریں اس لئے کر رہے ہیں کہ انہیں یہ ملال اور غم ہے کہ جیسا کمال علم و فضل، وحی، شریعت اور دین انہیں ملا۔ اب وہی علم و فضل اور دین کسی اور کے حصّے میں کیوں دے دیا گیا ہے اہلِ یہود کو خطرہ یہ بھی لاحق ہے کہ اگر حق کی یہ دعوت، مقبولِ عام ہو گی اور اس نے اپنی جڑیں مضبوط کر لیں تو دنیا میں جو جاہ و جلال، وقار اور عزّت انہیں حاصل ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو حق انہوں نے پوشیدہ رکھ رکھا ہے اُس کا پردہ بھی چاک ہو جائے گا، اس لئے یہ لوگ اللہ کے نزدیک بھی تمہارے خلاف حجّت قائم کر بیٹھیں گے اے اہلِ یہود! تمہیں اس بات کی سمجھ ہونی چاہئے اور تمہیں علم ہونا

چاہیے کہ دین وشریعت اللہ تعالیٰ کا فضلِ خاص ہے یہ کسی کی میراث تو نہیں' اللہ اپنا فضل جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور ربّ کو علم ہے یہ فضل کس کو عطا کیا جانا چاہیے۔

آیت نمبر ۷۴ میں اظہار بیان ہے کہ اللہ کے خزانوں میں کسی بھی قسم کی کمی نہیں، اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کس کو کتنی عظمت ملنی چاہیے نبوّت، شریعت، ایمان ویقین اور اس طرح کے مادّی اور روحانی فضائل وکمالات کا عطا کرنا ربّ ہی کے دائرہ اختیار میں ہے۔ جس وقت مناسب سمجھے، جب چاہے، جیسے چاہے، جتنا چاہے عطا کرتا ہے اور اللہ عزّوجلّ بڑے فضل والا ہے۔ نبُوّت جس کسی کو ملتی ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل سے ملتی ہے اس میں استحقاق کا دخل نہیں۔ (بحوالہ خازن)

آیت نمبر ۷۵ کی شانِ نزول یہ ہے کہ یہ آیت اہلِ کتاب کے حق میں نازل ہوئی اِس آیتِ مبارکہ میں وضاحت کے ساتھ بتایا گیا ہے دو قسم کے لوگ ہیں ایک امین دوسرے خائن، امین کی مثال تو یہ ہے مالِ کثیر بھی ان کے پاس بطور امانت رکھا جائے تو وہ مالِ امانت واپس کردیتے ہیں جیسے حضرت عبداللہ بن سلام جن کے پاس ایک قریشی نے بارہ سو اوقیہ سونا بطور امانت رکھا تو آپ نے بے کم وکاست ویسے ہی ادا کردیا۔

لیکن بعض اہلِ کتاب ایسے بھی ہیں جن کی بددیانتی کا عالم یہ ہے کہ تھوڑے مال پر بھی ان کی نیت بگڑ جاتی ہے۔ فخاص بن عازوراء کی بددیانتی تو عُروج پر تھی کسی نے ایک اشرفی امانت رکھی، جب طلب کیا گیا اس سے وہ مکر گیا یہود کے خائن لوگ، یہ دعویٰ کرتے تھے یہ مُشرک ہیں اس لئے ان کا مال اپنے قبضے میں لے لینا جائز ہے یہ کوئی گناہ کی بات نہیں باریِ تعالیٰ کا ارشاد ہے اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں، ربِّ جلیل کسی کو، کسی کا کام، مال بے جا طور پر خرچ کردینے یا ضَبط کرنے کی اجازت نہیں دیتا، اکثر روایات میں اِس بات کا اظہار ہے جب رسول اللہ ﷺ نے سنا تو ارشاد فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ کے دشمنوں نے کِذَبْ سے کام لیا زمانہ جاہلیّت کی تمام رسوم/ چیزیں میرے قدموں تلے ہیں سوائے امانت کے وہ ہر صورت میں ادا کی جائے گی۔ خواہ اس کا مالک پرہیزگار ہو یا بدکار"۔ (بحوالہ ابن کثیر، فتح القدیر)

اِلَّا مَادُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ط

"جب تک سر پر کھڑے نہ ہو جاؤ گے واپس نہیں کریں گے۔

اس آیتِ کریمہ سے امام ابوحنیفہؒ نے استدلال کیا ہے کہ دائن کو یہ حق ہے، کہ وہ مدیون سے اپنا حق وصول کرنے تک اس کا پیچھا کرتا رہے"۔ (بحوالہ قرطبی جلد چہارم)

لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ط

ہم پر ان پڑھ / غیر یہودیوں کے معاملہ میں کوئی گرفت نہیں ہے

سبیل بمعنی راستہ، اکثر یہ دلیل اور حجت کے مفہوم میں بھی مستعمل ہے بات دراصل یہ ہے کہ یہودی باہمی طور پر لین دین، ایفائے عہد، عہدوپیان ولین دین اور سودا کرتے تو اس وقت باریِ تعالیٰ کے احکامات پر قدرے عمل کرتے، بَرخلاف اہلِ عرب، مخصوص طور پر مسلمانوں کے ساتھ ان کا روّیہ عجیب نوعیت کا تھا لین دین کے وقت مکروفریب کاری سے کام لیتے، وعدہ خلافی کرتے معاشرتی لین دین، اخلاص اور دینے کے معاملہ میں کسی ضابطہ کی پابندی نہ کرتے عہد شکنی، بے ضابطہ ہونے اور بَدمعاملہ ہونے پر تَنبیہ کی جاتی (بقیہ اگلے صفحہ پر)

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٧﴾

بے شک ! جو لوگ اللہ سے کیا ہوا اقرار/عہد اور اپنی قسموں کا تھوڑے مُول پر سودا کرڈالتے ہیں، یہ وہ بدنصیب ہیں اُن کے لیے آخرت میں کوئی حصّہ نہیں، اللہ تعالیٰ نہ اُن سے بات چیت کرے گا اورنظرِ کرم سے بھی محروم کرے گا قیامت کے روز، اوران کو پاک بھی نہیں کرے گا بلکہ گُناہوں کی آلودگی میں پڑا رہنے دے گا اور اُن کے لیے دردناک عذاب تجویز ہوگا۔ (۷۷)

وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُونَ أَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٨﴾

اور بے شک ! ان میں سے ایک فریق وہ ہے جو اپنی زبان مُروڑ کر اپنی کتاب پڑھتے ہیں تاکہ تم سمجھو، یہ بھی کتاب میں ہے حالانکہ وہ کتاب میں نہیں ہے اور وہ کہتے ہیں وہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ (نہیں ہے/ اللہ کی طرف سے) نہیں ہوتا، اللہ کے پاس سے اور اللہ پر دیدہ و دانستہ جھوٹ باندھتے ہیں۔ (۷۸)

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ﴿٧٩﴾

کسی بَشر کا یہ کام نہیں، کہ اللہ تو اس کو کتاب، حکمت (حکومت) اور نبُوّت عطا کرئے پھر وہ انسانوں سے کہنے لگے، اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔ لیکن وہ تو یہ کہے گا، کہ رَبّ والے بن جاؤ جب کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور اُس کا درس بھی دیتے ہیں۔ (۷۹)

(بقیہ گذشتہ صفحہ سے آگے) تو ندامت اور پشیمانی اور شرمندہ ہونے کے بجائے الٹا بُہتان دیتے کہ ہماری کتاب میں اِن بے عملوں کے مال ہڑپ کرنے کی اجازت ہے ہم پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہے، باری تعالیٰ کا فرمان ہے ان کا یہ کہنا، حضرت موسیٰ کلیم اللہ پر کُھلا ہوا بہتان ہے۔

آیت نمبر ۷۶ میں اظہارِ بیان ہے کیوں نہیں جو کوئی پابندی حق کا پابند ہے اور نیکوکار ہے تو رَبّ کو اس سے محبت ہے۔ ایفائے عہد کی قرآن وسنت میں بہت تاکید آئی ہے، عہد اس قول کو کہا جاتا ہے جو فریقین کے مابین باہم گفت وشنید سے طے ہوتا ہے یاد رکھئے عہد عام ہے اور وعدہ خاص ہے۔

اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰی: بات یہ ہے کہ جو شخص بھی اپنا اقرار پورا کرے اور گُناہ سے بچتا رہے اقرار پورا کرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ عہد، جو شرمندۂ تعبیر ہو جو اہلِ کتاب سے ہر نبی کے ذریعہ ان کی اُمتوں سے حضور اکرم ﷺ پر ایمان لانے کے بارے میں لیا گیا ہے واتقی کا مطلب یہ ہے کہ باری تعالیٰ کے محارم سے بچتا رہے اور اُن تمام باتوں پر عمل پیرا رہے جو رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمائے ہیں یقینی طور پر ایسے لوگ مؤاخذہ سے بھی نجات پائیں گے اور محبوبِ رَبِّ جلیل ہوں گے۔ سُبحانَ اللہ۔

❁❁

وَلَا يَأْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾	اور وہ تمہیں اس بات کا حکم نہیں دے گا کہ فرشتوں اور نبیوں کو حاجت روا بنالو، کیا وہ تمہارے مسلمان ہونے کے بعد، بھی تمہیں کُفر کا حکم دے گا۔ (۸۰)

الفاظ و معانی آیت ۷۷ تا ۸۰

﴿يَشْتَرُوْنَ﴾ اشتراء، مصدر، وہ خریدتے ہیں مضارع اشتری، يَشْتَرِىْ، ﴿اَيْمَانَ﴾ اس کا واحد، يَمِيْن، قسمیں، (ثَمَنًا) قیمت۔ ﴿يَلْوٗنَ﴾ کا اصل مادہ لَیٌّ ہے، مصدر ہے، جھکانا، مائل کرنا یعنی اصلی اور فطری وضع کو بدل دینا، ایسی مَن گھڑت، وضاحت جس کا اِس کلام سے قطعی واسطہ نہ ہو، علّامہ قرطبیؒ نے تحریر کیا ہے کہ بَعض علماء یہود کا یہ روّیہ تھا کہ تورات کی جن آیات میں بنی اکرم ﷺ کا ذکر بیان ہوتا، انہیں پڑھنے کے لیے ایسا لب و لہجہ اختیار کرتے، جس سے مطلب بگڑ جاتا، الفاظ واعَراب میں تبدیلی کر دیتے، اِن آیات کا غلط مفہوم لوگوں کو بتاتے اس آیت میں ان کی ایسی غیر اخلاقی / ناشائستہ حرکت کا بیان ہے۔ ﴿تَحْسَبُوْنَ﴾ تم خیال کرتے ہو، تم سمجھتے ہو، مضارع حَسِبَ، يَحْسَبُ. ﴿السنة﴾ زبان، اس کا واحد لِسَانٌ قواعد کے مطابق اسم ہے۔ ﴿كُوْنُوْا﴾ بن جاؤ، (رَبّٰنِيّٖنَ) اس کا واحد رَبّانی ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ تربیتِ نفس، اِصلاحِ احوال اور اُمور کی تدبیر کرنے والا، رَبانیوں سے مراد نوعِ بَشر کی صحیح اصلاح اور تربیت کرنے والے، اس آیت میں عیسائیوں کو یہ بتانا مقصود ہے حضرت عیسٰی علیہ السلام تو نبی تھے، وہ اپنے تیئں خود کو خدا" یا خدا کا بیٹا" کیونکر کہہ سکتے ہیں، انہوں نے تو تمہیں صرف ''اللہ والا'' بننے کی دعوت دی ہے۔ ﴿تَدْرُسُوْنَ﴾ پڑھتے ہو، درس دیتے ہو۔ ﴿اَرْبَابًا﴾ رَبّ کو کارساز بناؤ۔

تشریح و توضیحات آیت ۷۷ تا ۸۰

آیت نمبر ۷۷ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے لیے قیمت مول لیتے ہیں یہ تو نصیب کے مارے ہیں گویا کم نصیب ہیں کہ انکا آخرت میں کچھ بھی تو حصّہ نہیں، اللہ سے اقرار، اور اپنی قسموں کو چاہے جتنی بڑی اور بھاری قیمت میں کوئی فروخت کر ڈالے، وہ قلیل، حقیر اور کم تر ہی گِنی جائے گی اللہ سے کیا ہوا عہد اور ایفائے عہد فروخت ر بیچ کر کوئی اپنی دنیا چاہے جس قدر سنوارے مگر اس کا انجام آخرت میں رُسوائی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد پاک ہے۔

"جو شخص کسی کا مال، ہتھیانے کے لیے جھوٹی قسم کھانے کا ارتکاب کرے، وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوگا"۔

(مسلم شریف کتاب الایمان باب وعید من اقتطع حق مسلم صحیح بخاری شریف کتاب المساقاہ باب الخصومة فی البنرو القضاء فیہا)

عہد اس قول کو کہا جاتا ہے جو فریقین کے مابین باہمی گُفت و شنید سے طے ہوتا ہے جس پر دونوں فریق کو قائم رہنا پڑتا ہے بَرخلاف اس کے وعدہ صرف ایک فرد کی جانب سے ہوتا ہے گویا عہد عام ہے اور وعدہ خاص۔ ایفائے عہد کی پاس داری کے لیے قرآن اور سنّت میں خاص تاکید آئی ہے۔

آیت نمبر ۷۷ میں عہد کو توڑنے والوں پر پانچ سزاؤں کا تذکرہ ہے۔

اوّل ❶......ان کو آخرت کی نعمتوں سے بالکل محروم کر دیا جائے گا۔

دوئم ❷......باری تعالیٰ اُن سے کلام نہ فرمائے گا۔

سوئم ❸......وہ اللہ کی عنایت اور نظر و کرم سے بھی محرم رہے گا۔

چہارم ❹......گناہ کی آلودگی سے بھی اُسے پاک نہیں کیا جائے گا۔

پنجم ❺......اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔

ہے کسی میں جرأت رندانہ جوان سزاؤں میں سے کسی ایک کو برداشت کرنے کی توانائی اور طاقت رکھتا ہے۔ قرآن کو دل و جان سے تسلیم کرنے والی قوم اگر اس پُر تاثیر، پُر جلال آیت کے بعد بھی اپنے وعدہ پر پابند نہ رہے تو پھر اس کو کب احساس ہوگا ایفائے عہد کا۔

آیت نمبر ۷۸ میں اظہارِ بیان ہے کہ یقینی طور پر اُن میں ایسا گروہ بھی ہے جو کتاب کی تلاوت کرتے وقت اَن پڑھ لوگوں کو فریب/دغا دیتے ہیں، کتاب کی بات توڑ مروڑ کر، اپنی بات بنائے رکھتے ہیں۔ وہ اپنی خود ساختہ باتوں کو مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ باور کرانے مصروف رہتے ہیں پھر آیات میں معنوی تحریف سے کام لیتے ہیں حضرت ابنِ عباس ﷺ نے فرمایا اس آیت کی شانِ نزول یہ ہے کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے حق میں نازل ہوئی ہے انہوں نے تورات اور انجیل کی تحریف کی اور کتاب اللہ میں جو چاہا ملالیا/بڑھالیا۔

آیت نمبر ۷۹ میں اظہارِ بیان ہے کہ کسی فرد کو یہ حق نہیں کہ اللہ اُسے کتاب، حکمت، حکومت اور پیغمبری عطا کرے پھر وہ کہتا رہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ، نبی کا کام تو مسلمان بنانا ہے نہ کہ کُفر کو تسلیم کرنا، اور نبی تو خود اس مرتبہ کا داعی نہیں، کہ اسے حاجت روا، سمجھا جائے یہ تو عجیب بات ہے وہ تو صرف ''اللہ والا'' بنانے کے لیے دعوتِ فکر و عمل دیتا ہے اس آیتِ مبارکہ میں عیسائیوں کے بارے میں کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا بنایا ہوا ہے حالانکہ وہ تو ایک بشر تھے جنہیں کتاب و حکمت اور نبوّت کے مرتبہ جلیلہ سے سرفراز کیا گیا اس اظہارِ مدّعا کی حقیقت تو یہ ہے کہ اے اہلِ کتاب! تمہارے درمیان تو رُشد و ہدایت صحیفہ سماوی موجود ہے جس کے معانی اور مفہوم سے تو تم بخوبی واقف ہو، تم خود بھی اس کو پڑھتے ہو اور دوسروں کو بھی دعوت درس و تدریس دیتے ہو، کتاب اللہ کی تعلیم کے نتیجے میں تمہیں باری تعالیٰ کی شناخت اور ربّ سے خصوصی نسبت، اور ربط قائم ہونا چاہئے، اچھی طرح جان جائیے! کہ کتاب اللہ کا علم رکھنے والوں کے لیے لازمی ہے کہ وہ لوگوں کو قرآن کی تعلیمات سے سرفراز فرمائیں اس آیتِ مبارکہ سے اس بات کی وضاحت کُلی طور پر ہوگئی کہ جب اللہ کے نبیوں کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو اپنی عبادت کرنے کا حکم صادر کریں تو کسی اور کو یہ حق کیونکہ حاصل ہو سکتا ہے۔ (بحوالہ تفسیر ابن کثیر)۔

آیت نمبر ۸۰ میں واضح بیان ہے نبیوں اور فرشتوں یا کسی اور کو ربّ والی صفات کا حامل سمجھنا کُفر ہے تمہارے مسلمان ہو جانے کے بعد، ایک نبی بھلا یہ کام کس طرح کر سکتا ہے نبی کا کام تو دعوتِ ایمان دینا ہے۔

❁❁

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾

اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا کہ آج ہم نے تمہیں کتاب اور حکمت ودانش دی ہے۔ کل اگر کوئی دوسرا رسول، تشریف لائے، تمہارے پاس، جو تصدیق کرنے والا ہو، ان کتابوں کی جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اس پر ایمان لانا، اور مدد کرنا اس کی، اس کے بعد کہا، کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا ذمہ لیا یعنی مجھے ضامن ٹھہرایا سب نے کہا کہ ہم نے اقرار کیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا! تو اب گواہ رہو، اور میں خود بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔ (۸۱)

فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

پھر جو کوئی، اس کے بعد پھر جائے/پلٹ جائے تو وہی لوگ فاسق ہیں۔ (۸۲)

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

تو کیا وہ اللہ کے دین کے سوا، اب کوئی اور دین ڈھونڈ ھتے ہیں، حالانکہ، ہر ایک چیز نے جو آسمانوں اور زمین میں ہے اس کے حضور سر جھکا دیا ہے خوشی سے یا مجبوری سے، سرِ تسلیم خم کر دیا ہے اور سب اسی کی طرف پلٹائے جائیں گے۔ (۸۳)

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۪ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۫ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾

آپ (ﷺ) کہہ دیجئے! ہم ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور جو کتاب ہم پر نازل ہوئی، اور جو کچھ اتارا گیا ابراہیمؑ پر، اور اسماعیلؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوب پر، اور ان کی اولاد پر، جو ملا موسیٰ کو، عیسیٰ کو اور جو ملا تمام انبیاءؑ کو اُن کے رَبّ کی طرف سے، ہم نے سب کچھ مان لیا، ہم کسی نبی میں فرق نہیں کرتے اور ہم کو تو مسلمان ہونے یعنی اللہ کا حکم ماننے سے کام ہے۔ (۸۴)

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

اور جو کوئی اسلام کے سوا، اور دین کا متلاشی ہو، اس کا دین قبول نہ کیا جائے گا، اور ایسا آدمی آخرت میں گھاٹے/خسارے میں رہے گا۔ (۸۵)

الفاظ ومعانیٰ آیت ۸۱ تا ۸۴

﴿ مِيْثَاقَ ﴾ عہد/ وعدہ۔ ﴿ اٰتَيْتُ ﴾ میں دوں/عطا کروں۔ ﴿ لَ ﴾ لَ، ضرور بہ ضرور۔ ﴿تنصرون﴾ مدد کرنی ہو گی۔ ﴿ اِصْرِيْ ﴾ اِصر، ذمہ، عہد، قواعد کے مطابق اِسم ہے ﴿ اَقْرَرْنَا ﴾ اقرار کیا ہم نے ﴿ الْفٰسِقُوْنَ ﴾ فسق/ بدکردار، فسق یہاں کُفر کے معنی میں ہے کیونکہ بعثت/نبوّت محمدی ﷺ سے انکار صرف فسق ہی نہیں سراسر کُفر کی علامت ہے۔ ﴿ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ ﴾ اب کیا غیر اللہ کا دین چاہتے ہیں۔ ﴿ يَبْغُوْنَ ﴾ بَغیٰ، وہ تلاش کرتے ہیں، مضارع، يَبْغِيْ ﴿ اَسْلَمَ ﴾ اسلام، مصدر تابع ہوا ماضی يَسْلِمُ مضارع۔ ﴿ طَوْعًا ﴾ رضا ورغبت سے ماننا۔ ﴿ كَرْهًا ﴾ مجبوری سے/ زبردستی سے۔ ﴿ اَسْبَاطِ ﴾ سبط

کی جمع اسم ہے اولاد، حضرت یعقوب کی اولاد نسل ہے۔﴿ لَنْ يُّقْبَلَ ﴾ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ مضارع، قِـبلَ۔﴿ الْخٰسِرِیْنَ ﴾ گھاٹے والا/ نقصان اٹھانے والا، قواعد کے مطابق اسم ہے

تشریح وتوضیحات آیت ۸۱ تا ۸۴

آیت نمبر ۸۱ میں واضح بیان ہے کہ ہر نبی سے اقرار/ وعدہ لیا گیا، کہ اس کی موجودگی یعنی زندگی اور دَورِ نبُوّت میں دوسرا نبی تشریف لائے تو اس پر ایمان لانا، اور اس کی مدد کرنا لازمی ہوگا (دوسرے) نئے نبی پر خود اس نبی پر اقرار ایمان لازم قرار پایا تو ان کی اُمتوں کے لیے اس نئے/ دوسرے نبی پر ایمان لانا بھی ضروری ہے بعض مفسرین نے رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ سے الرَّسُوْل کا مفہوم سے مراد لیا ہے یعنی ذاتِ اقدس محمد مصطفٰے ﷺ کے بارے میں تمام انبیاء سے وعدہ لیا گیا کہ اگر وہ ان کے دور میں آ جائیں تو اپنی نبُوّت سے دستبردار ہو کر اُن پر ایمان لائیں گے۔

حضرت سیدنا علی اور ابن عباس رضی اللہ عنھم سے مروی ہے کہ رَبِّ جَلیل نے ہر ایک نبی سے اقرار/ وعدہ لیا کہ اگر اِس کی موجودگی میں رسالت مآب محمد رسول اللہ ﷺ جلوہ فگن ہوں تو اس نبی پر لازم امر ہے کہ وہ حضور اکرم ﷺ کی رسالت پر ایمان کا اقرار کر کے آپ کی اُمّت میں شَرف شمولیت حاصل کرے اور ہر لحاظ سے حضور ﷺ کے دین کی تائید کرنے اور تمام نبیوں نے یہی اقرار عہد اپنی اپنی اُمتوں سے لیا، علامہ محمود آلوسی "رُوح المعانی" میں رقم طراز ہیں عارفین نے فرمایا کہ نبی برحق، رَسول حقیقی اور مستقل شریعت کے داعی، حضور پُر نور محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور جملہ تمام انبیاء، حضور اکرم ﷺ کے تابع ہیں"۔ (بحوالہ روح المعانی)

خلاصۂ کلام یہ کہ تمام اَنبیاء کرام کا شبِ معراج بیت المقدس میں حضور پُر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امامت میں آپ ﷺ کی شریعت کے مطابق ادائیگی صلوٰۃ/ نماز اسی عہد کی عملی تشکیل اور توثیق ہے امام الانبیاء کی عظمت شان، جَاہ وجَلال اور جَمال کی قدر ومنزلت کا صحیح اندازہ تو یومِ حشر ہوگا قیامت کے دن تمام مخلوق باریِ تعالیٰ کے خوف وحزن سے لرزہ براندام ہوگی، اور آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ مقام محمود پر ہوں گے۔

عرض کرنے کی جسارت کر رہا ہوں شاعرِ مشرق علامہ اقبال کی زبان میں۔

ع　لوح بھی تو' قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینۂ رنگ تیرے میں پرحجاب　اقبالؔ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَنَبِيِّكَ وَحَبِيْبِكَ وَرَسُوْلِكَ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

رَبِّ جلیل نے اپنے بندوں سے تین عہد/ اقرار لئے ہیں۔ ایک عہد تو یہ ہے کہ تمام نوعِ بشر اللہ کی ہَستی اور رَبوبیت عامہ پر مکمل اعتقاد رکھے، کیونکہ مذہب کی اساس، اسی عمارت کے سنگ بنیاد پر قائم ہے۔ جب یہ اعتقاد، دل میں موجزن نہ ہو مذہبی رجحان اور سوچ وفکر اور عقل وفکر کی رہنمائی نفع کا باعث نہیں بن سکتی۔ چنانچہ اس عہد/ اقرار کا ذکر پارہ نمبر ۹ قَالَ الْمَلَاُ سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۷۲ میں آیا ہے۔ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ "کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں"۔ (الاعراف آیت نمبر ۱۷۲)

دوسرے عہد کا ذکر پارہ نمبر۴ لَنْ تَنَالُو اسورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۸۷

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَکْتُمُوْنَهٗ ز

''کتابُ اللہ، جن کے سپرد کی گئی تھی، اِن سے جب اللہ نے عہد/میثاق لیا، کہ انسانوں کے سامنے، اس کو ضرور بہ ضرور بیان کرتے رہو گے اور اس کو چھپاؤ گے نہیں'' (سورۃ آلِ عمران آیت نمبر ۱۸۷)

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یہ عہد صرف اہلِ کتاب کے عالموں سے لیا گیا تھا کہ وہ حق کو نہ چُھپائیں، بلکہ اس کو صاف صاف، واضح طور پر بیان کریں۔

تیسرا عہد آیت نمبر ۸۱ زیرِ مطالعہ میں لیا گیا،

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَةٍ

اِن آیات میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ اللہ نے تمام انبیاء سے پختہ وعدہ/عہد لیا کہ جب تم میں سے کسی نبی کے بعد، دوسرا نبی تشریف لائے جو یقینی طور پر، سابقہ نبیوں اور ان کے صُحُفِ سماوی اور کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہو، تو پہلے نبی کے لئے لازم قرار پایا کہ سابقہ نبی کی صداقت اور نبُوّت پر خود ایمان لائے اور دوسرے کو بھی دعوت ہدایت دے قرآن مجید کہ قاعدہ کُلیّہ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح کھلی دلیل کے ساتھ واضح ہے کہ رَبِّ کائنات نے محمد ﷺ کی بابت اسی طرح کا عہد انبیاء کرام سے لیا ہوگا، جیسا کہ علامہ سبکیؒ رسالہ ''التعظیم والمنة فی لتومنن به ولتنصرنه'' میں تحریر کیا ہے'' آیت میں رسول سے مراد محمد ﷺ ہیں'' اور کوئی نبی بھی ایسا نہیں گزرا جس سے باریِ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی ذات وصفات کے بارے میں تائید نصرت اور آپ ﷺ پر ایمان لانے کا وعدہ نہ لیا ہو۔

میثاق کی تصریح تو قرآن حکیم نے وضاحت کے ساتھ کر دی لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے میثاق کہاں ہوا! یا تو عالم ارواح میں ہوا، یا دنیا میں بذریعہ وحی، دونوں احتمال ہیں۔ (بحوالہ بیان القرآن)۔

حضرت طاؤس، حضرت حسن بصریؒ اور حضرت قتادہؒ بیان فرماتے ہیں "یہ میثاق انبیاء سے اس لئے لیا گیا تھا کہ وہ باہم ایک دوسرے کی تائید ونصرت کریں"۔ (بحوالہ تفسیر ابن کثیر)

دوسرے قول کی تائید، باری تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ یہ ارشاد ہوا، سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۷ پارہ نمبر ۲۱ اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَمِنْکَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ص وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا ۙ

''اور جب ہم نے تمام انبیاء سے اقرار/عہد لیا اور آپ ﷺ سے بھی، نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام وموسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام جو مریم کا بیٹا تھا سب سے پختہ قول وقرار لیا''۔ (آیت نمبر ۷ سورۃ الاحزاب)

یہ عہد ایک دوسرے کی تائید اور تصدیق کی خاطر لیا گیا تھا۔ (بحوالہ تفسیر احمدی)

جب وہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر محمد ﷺ کی ذات وصفات پر ایمان قبول کرنے کا عزمِ مُصمّم کریں تو اسی وقت سے ثواب پائیں۔

(ماخوذ صاوی بحوالہ جلالین)

آیت نمبر ۸۲ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ جو کوئی پھرے اس عہد سے جو اس نے اقرار کیا، وہ یقینی طور پر نافرمان ہے۔ اس حکم سے اہلِ کتاب کو تنبیہ کرنا ہے تم اللہ سے کیا ہوا وعدہ توڑ رہے ہو، حضرت محمد ﷺ کا انکار، اُن کی رسالت سے گریز، اور ان کی مخالفت کر کے اس میثاق/عہد کی خلاف ورزی کے مرتکب ہو رہے ہو جو تمہارے نبیوں سے بطور اقرار لیا گیا تھا اب تم اطاعتُ اللہ کی حد سے نکل گئے ہو اور تمہارا شمار زُیاں کار/فَاسق میں ہے۔

آیت نمبر ۸۳ میں وضاحت کے ساتھ بیان ہے اب کیا یہ لوگ غیر اللہ کا دین چاہتے ہیں کیا مالک ارضِ وسَماء کے دین کے بغیر کسی اور دین اور کسی دوسرے ضابطہ زندگی کے مُتلاشی ہیں کس قدر غلط روش اور فریبِ نفس میں وہ مبتلائے بلا ہیں کیا انہیں علم ہی نہیں کہ رَبّ کے حکم کے سامنے کائنات کا ذَرّہ ذَرّہ اور ہر شے سَرافگندہ ہے خواہ اس میں اس کی خوشی کو دخل ہو یا مجبوری کا تقاضا ہو، شعوری اندازِ فکر ہو یا غیر شعوری افتادِ طبع ہو اللہ کے حکم کی تکمیل اور اطاعت کی جا رہی ہے، جس کی طرف ہر شے کو پلٹ کر جانا ہے کائنات کی ہر شے کا دین تو یہی اسلام ہے اللہ کی بندگی، اور اطاعت، بھلا اب تم اس کائنات کے دائرے میں رہتے ہو اسلام سے رُوگردانی کی خاطر، اسلام کو چھوڑ کر اور کون سے طریقِ حیات کے متلاشی ہو، سوائے اسلام اور کوئی دین قبول مبّر ور اور منظور نہیں کسی اور دین کے پیروکاروں کے دامن میں سوائے خسارے کے اور کچھ نہیں۔

آیت نمبر ۸۴ میں اظہارِ بیان ہے آپ کہہ دیجئے! ہم ایمان لائے اللہ پر، اور اس پر جو نازل کیا گیا ہم پر اور جو اُتارا گیا دوسرے انبیاء پر، گویا آقا محمد ﷺ کی زبانِ اقدس سے دعوتِ عظمیٰ کا پیام ہے،

ع صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے

دعوتِ عام ہے، حقیقت یہی ہے کہ بے شک اللہ کے نزدیک، دین تو اسلام ہے تمام اَنبیاء اور رُسُل اپنے اپنے دُور اسی کی تبلیغ کرتے آئے ہیں اور میں بھی دعوتِ حق اور اِسی دین کا داعی بن کر پیام لایا ہوں، جو کتبِ سماوی نازل ہوئیں میں اور میرے ماننے والے ان سب کی سچائی کو مانتے ہیں ہمارا یہ شیوۂ عمل نہیں کہ بعض کو تسلیم کریں اور بعض کو نہ مانیں، اصل بات تو یہ ہے کہ دینِ محمدی ﷺ کی وہ عظمت، وسعت، گہرائی اور گیرائی جو ہر حق کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے اس دین میں نسلی عصبیت، قومیت اور وطن کی حمیت کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ رَبُّ العالمین کا دین ہے، ذرا غور سے سمجھنے کی فکر کرو، اس دین کی روح اُن تمام عناصر سے پاک اور پُرفتوح ہے جو انسان کو انسان سے ملنے نہیں دیتے یہ دین عالمِ انسانیت کو انسانی اِتحاد کے لیے اَساس محکم کی تعلیمات دے رہا ہے اب وقت ہے عزیزو! یقین محکم کو ساتھ لے کر عمل کی راہوں میں آ نکلئے۔ تو سمجھ جایئے اب عمل صرف اور صرف قرآن پر ہی ہوگا کیونکہ قرآن نے سابقہ کتابوں کو مَنسُوخ کر دیا۔

آیت نمبر ۸۰ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ جو شخص اسلام کے سوا، کسی دوسرے دین کا متلاشی ہوگا تو وہ دین اللہ کی بارگاہ میں مقبول ومَبر ور نہ ہوگا اور وہ شخص آخرت میں نجات پانے کا مستحق نہ ہوگا یاد رہے کہ رحمۃً للعالمین ﷺ کی بعثت کے بعد، صرف وہی دین اسلام کہلائے گا جو آپ ﷺ کے ذریعہ دنیا میں آ گیا کون نہیں جانتا! باطل مٹ گیا، حق آ گیا! اب اسلام اور اسلام کی تعلیمات پر صدقِ دل سے عمل، تمام انسانوں کے لیے راہِ نجات ہے۔ آیت زیرِ مطالعہ میں واضح طور پر بتایا گیا کہ اب کوئی اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین اختیار کرے وہ ربّ کی نظر میں مقبول نہیں، اگر آپ کی نظر سورۃ آل عمران کی آیت ۱۹ پر جائے تو معلوم ہوتا ہے "دین اسلام ہی ہے" ارشادِ ربّی ہے۔

كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُوا أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝

کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ ہدایت دے، ایسی قوم کو جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی، ایمان لانے کے بعد، جب کہ گواہی دے چکے تھے رسول تو برحق ہے اور ان کے پاس کُھلی نشانیاں آ چکی تھیں اور ایسے ظالم لوگوں کو اللہ راہِ ہدایت نہیں دکھاتا۔ (۸۶)

أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝

اُن کی سزا یہ کہ اُن پر لَعنت رپھٹکار ہے اللہ، اور فرشتوں کی طرف سے بھی اور تمام انسانوں کے نزدیک یہ لوگ ملعون ہیں۔ (۸۷)

خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ۝

ہمیشہ اس میں پڑے رہیں گے نہ اُن پر سے عذاب ہلکا کیا جائے گا، اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔ (۸۸)

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ قف

''بے شک اللہ کے پاس قبول ہونے والا دین صرف اسلام ہے'' (آیت ۱۹ آلِ عمران)

اسلام کے لفظی معنیٰ تو فرمانبرداری اور اطاعت کے آتے ہیں، لفظ ''اسلام'' اصطلاح میں اُس خاص دین کا نام ہے جو اللہ نے اپنے اَنبیاء اور رُسُل کے ذریعہ انسانوں کی ہدایت کے لیے بھیجا ہے ''اسلام'' کا لفظ تو کبھی عام مفہوم کے لیے مُستعمل ہے اور کبھی آخری شریعت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جو سرکارِ دو عالم ﷺ پر نازل ہوئی دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے سابقہ اَنبیاءِ رُسُل کا اپنے آپ کو مسلم کہنا اور اپنی اُمت کو اُمتِ مسلمہ کا نام دینا بھی نُصوصِ قرآن سے ثابت ہے۔

قرآن مجید کا پارہ نمبر ۱۷ اِقْتَرَبَ سورۃ الحج آیت نمبر ۷۸ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

هُوَ سَمَّىٰكُمُ الْمُسْلِمِينَ ۙ

''اس کے پہلے بھی اور اس کتاب میں تمہارا نام مسلمان مشہور ہوا۔ (آیت ۷۸ سورۃ الحج)

یہ بات یاد رہے کہ سید المرسلین حضرت محمد ﷺ کو جو اسلام دیا گیا وہ ناقابلِ نسخ ہے اور دائمی ہے اور تا قیامت رہے گا اور آپ ﷺ کی بعثت اور رسالت کے بعد تمام سابقہ اذیان منسوخ ہو گئے، اچھی طرح جان جائیے! اب اسلام صرف وہ دین ہے جو محمد رسول ﷺ کے واسطہ سے پہنچا، الحمد للہ۔

حدیثِ پاک میں ہے حضرت محمد ﷺ نے فرمایا۔

''اگر آج سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو اس وقت، ان پر میرا ہی اتباع کرنا لازم قرار پاتا''

اور حدیث پاک میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ''قربِ قیامت میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا باوجود اپنی نبوت کے اعزاز اور عہدۂ نبوت پر سرفراز رہنے کے اُس وقت وہ بھی ہمارے آقا، خاتم النبیین ﷺ کی شریعت کی پیروی کریں گے۔ تبارک اللہ، سبحان اللہ وبحمدہ

❁❁

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٨٩﴾

مگر وہ لوگ، جنہوں نے (صدقِ دل سے) توبہ کر لی، اور اس کے بعد اپنی اصلاح کر لی تو بے شک اللہ بخشنے والا، مہربان ہے۔(۸۹)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿٩٠﴾

یقیناً جو لوگ ایمان لانے کے بعد، کُفر کریں، پھر بڑھتے چلے گئے کُفر میں، اُن کی توبہ، ہرگز ہرگز قبول نہ کی جائے گی۔ اور یہی لوگ ہیں جو گمراہ ہیں۔(۹۰)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ۗ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٩١﴾

جن لوگوں نے کُفر کیا، اور کُفر کی حالت میں جان دی/مر گئے تو عذاب سے بچنے کے لیے (نجات کے لئے) کوئی ان میں سے زمین بھر سونا بھی دے ڈالے، تو قبول نہ کیا جائے گا۔ یہی لوگ ہیں، جن کے لیے دُکھ/تکلیف دینے والا عذاب ہے اور وہ کوئی اپنا مددگار نہ پائیں گے۔(۹۱)

الفاظ ومعانی آیت ۸۶ تا ۹۱

﴿ كَيْفَ ﴾ کیونکر، کس طرح۔ ﴿ اَلْبَيِّنٰتُ ﴾ دلائل لے کر، نشانیاں لے کر ﴿ لَا يَهْدِي ﴾ وہ نہیں ہدایت دیتا ﴿ يَهْدِي اللّٰهُ ﴾ راہ دے گا اللہ۔ ﴿ اَجْمَعِيْنَ ﴾ سب کی، تمام تر کی۔ ﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ﴾ ہمیشہ اس میں رہیں گے ﴿ يُخَفَّفُ ﴾ ہلکا کیا جائے گا، کمی ہو گی۔ ﴿ يُنْظَرُوْنَ ﴾ انظار۔ مصدر ہے مہلت، فرصت قواعد کے مطابق فعل مضارع مجہول۔ ﴿ تَابُوْا ﴾ انہوں نے توبہ کی۔ ﴿ اَصْلَحُوْا ﴾ اصلاح کی۔ ﴿ ازدادو ﴾ وہ زیادہ ہوئے بڑھتے گئے فعل ماضی۔ ﴿ مَاتُوْا ﴾ موت، فعل مصدر ہے وہ مرے، مَاتَ يَمُوْتُ، قواعد کے لحاظ سے جمع مذکر غائب۔ ﴿ لَنْ ﴾ ہرگز نہیں۔ ﴿ يُقْبَلَ ﴾ قبول کیا جائے گا/منظور، مبرور۔ ﴿ مِلْءُ الْاَرْضِ ﴾ جس سے زمین بھر جائے، مِلْ، پُر ہونا، بھر جائے۔ ﴿ اِفْتَدٰى ﴾ فدیہ دیں۔ ﴿ نّٰصِرِيْنَ ﴾ مدد کرے گا۔

تشریح وتوضیحات آیت ۸۶ تا ۹۱

آیت نمبر ۸۶ میں ارشادِ ربانی ہے كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ کیونکر راہ دے گا، اللہ ایسے لوگوں کو کہ وہ کافر ہو گئے۔ اِس آیت سے بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مُرتد ہونے کے بعد، کسی کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی دراصل حقیقت واقعہ کچھ اور ہے کیونکہ بہت سے لوگ مرتد ہونے کے بعد، ایمان قبول کر کے ہدایت پا لیتے ہیں، وہ گمراہ جو جہل کے سبب قبولِ حق کے انکاری ہیں جب اُن کا جہالت کا پردہ چاک ہو جائے اور حقیقت کا سچا اور روشن چہرہ نظر آئے گا تو وہ اسے پہچان کر دیوانہ وار اس پر قربان ہونے لگیں گے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ حق کو پہچان جائیں اور حضور پُر نور ﷺ کو بھی تسلیم دل وجان کریں، پھر بھی اگر وہ محض تعصب، ضد اور دشمنی حق کی پرانی روش اپنائے ہوئے ہیں تو پھر اُن کے راہ پانے کی توقع عبث ہے اور ایسے ظالموں کو اللہ راہِ ہدایت نہیں دکھاتا۔

آیت نمبر ۸۷ میں اظہارِ بیان ہے کہ اُن کی سزا یہ ہے کہ ان پر ربّ کی طرف سے لعنت ہے اور فرشتوں کی طرف سے بھی اُن پر پھٹکار ہے۔ یعنی وہ بدنصیب ہیں جنہوں نے اپنی فطرتِ سلیم کو بگاڑ دیا اور صلاحیتوں کو مسخ کر دیا۔

آیت نمبر ۸۸ میں وضاحت ہے کہ نہ اُن سے عذاب ہلکا کیا جائے گا نہ انہیں فرصت ر مہلت ملے گی، بلکہ قانون مکافات باری تعالیٰ کا نتیجہ تو ہے کہ اچھے کام کا اچھا نتیجہ اور بُرے کام کا نتیجہ، برائی کی شکل میں ہوگا۔ عزیزانِ گرامی! کہیں اس غلط فہمی کا شکار نہ ہو جانا اور یہ نہ سمجھ لینا، کہ آخرت کی سزائیں بھی دنیا کی سزاؤں کی طرح ہیں یہ تمہارا خیالِ خام ہے۔ اگر مجرم چاہے کے دولت وثروت لٹا کر بچ جائے گا نہیں، قطعی نہیں، بلکہ خالقِ کائنات کی عدالت میں کسی گناہ اور جرم کے بدلے کوئی فدیہ قابلِ قبول نہیں! وہاں اگر آپ معمولی سی معمولی تقصیر اور گناہ کے بدلے تمام کائنات کی ثروت دے دو، اور کُرّہ ارض کو سونے سے بھر دو گے تب بھی تم اس سزا سے بچ نہیں سکتے۔

آیت نمبر ۸۹ میں اظہارِ بیان ہے کہ جن لوگوں نے توبہ کر کے اپنے طرزِ عمل کی اصلاح کر لی البتہ وہ لوگ اس سے قدرے بچ جائیں گے، اللہ بخشنے والا اور معاف کرنے والا ہے۔ توبہ ایک ایسا فطری عمل ہے جو تمام گناہوں سے نجات دلا سکتا ہے بشرطیکہ سچی توبہ ہو، جیسا کہ ابوالاَثر حفیظ جالندھری نے کہا۔

ع میری توبہ کے بعد بھی یہ سماں میرے اللہ، میری توبہ ہے

اسلام نے رحمت حق تعالیٰ سے مایوس ہو جانے سے قطعاً روکا ہے اور سب گمراہوں کو بتا دیا کہ جب وہ صدق دل سے اپنے گناہوں پر ندامت کے ساتھ، اشکبار ہو کر دیدۂ تر کے ساتھ توبہ کریں، تو اُن کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور اُن کو زندگی میں ایک حسین لمحہ میسر آجائے گا تاکہ پاکیزہ زندگی بسر کریں، کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

ع تم جو سمجھو تو اشک سب کچھ ہے اور نہ سمجھو تو صرف پانی ہے

شب کی تنہائی میں، باری تعالیٰ کے خوف سے، احساسِ ندامت سے توبہ تو کیجئے پھر اِس کا ثمر دیکھئے شاعرِ مشرق علّامہ اقبالؔ نے کیا خوب کہا ہے۔

ع موتی سمجھ کر شانِ کریمی نے چُن لے
قطرے جو تھے میرے عرقِ اِنفعال کے اقبالؔ

واقعہ یوں ہے کہ انصار میں ایک مسلمان حارث ابن سوید مُرتد ہو کر مشرکوں سے جاملا، توفیق باری تعالیٰ دیکھئے! لیکن فوری اُسے احساس ندامت ہوا حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں لوگوں سے پیغام بھجوایا کہ ''هَلْ لِّیْ مِنْ تَوْبَةٍ '' کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے اس پر اِن آیاتِ مبارکہ کا نزول ہوا اس سے پتہ چلا کہ اگر کوئی خلوصِ دل سے توبہ کرے اور اپنی اصلاح کر لے تو اللہ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے اور اس کی توبہ قابلِ قبول ہے۔

آیت نمبر ۹۰ میں اظہار بیان ہے کہ بلاشبہ جو لوگ ایمان لا کر کافر ہوئے پھر کُفر میں مبتلا رہے، اُن کی توبہ ہرگز قبول نہ ہوگی، مفسرین بیان کرتے ہیں یہ آیت یہود کے حق میں اُتری، جنہوں نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے بعد، سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کے ساتھ کُفر کیا، اور کُفر، میں بڑھتے ہی چلے گئے یہاں تک کہ نبیِ اکرم ﷺ اور قرآن مجید کے ساتھ کُفر کیا ایک قول مفسرین کا یہ بھی ہے کہ آیت یہود ونصاریٰ کے حق میں اتری، جو محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے اپنی کتابوں میں آپ ﷺ کے اوصاف دیکھ کر آپ پر ایمان رکھتے تھے اور آپ ﷺ کے ظہور کے بعد کافر ہو گئے اور پھر کُفر میں شدید سے شدید تر ہو گئے۔

ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ج

''ایسوں کی توبہ ہرگز ہرگز نہیں قبول ہوگی''

اس سے مفہوم یہ نکلا کہ یہ وہ توبہ ہے جو موت کے وقت ہو، یوں تو توبہ کا در، ہر ایک کے لیے ہر لمحہ اور ہر وقت کھلا ہے اس سے پہلے کی آیت میں قبولیتِ توبہ کا واضح بیان ہے۔قرآن مجید میں باری تعالیٰ نے بار بار قبولیتِ توبہ کا ذکر کیا ہے چنانچہ سورۃ الشوریٰ آیت نمبر ۲۵ پارہ اِلَیْہِ یُرَدُّ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَهُوَ الَّذِىْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ يَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ

''اپنے بندوں کی توبہ وہی قبول کرتا ہے اور ان کی برائیوں کو معاف کرتا ہے''۔(سورۃ الشوریٰ آیت نمبر ۲۵)

یاد رہے کہ یہاں زیر مطالعہ آیت نمبر ۹۰ میں ذکر آخری سانس کی توبہ ہے جو مقبول نہیں حدیثِ مبارکہ میں ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَالَمْ يغرغر

''اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اس وقت قبول کرتا ہے جب تک اسے موت کا اچھوکا/غلبہ نہ لگے''۔(بحوالہ مسند احمد، ترمذی شریف، ماخوذ فیض القدیر، شرح الجامع الصغیر)

گویا یہ بات معلوم ہوئی جان کنی کے عالم میں توبہ قبول نہیں۔

آیت نمبر ۹۱ میں اظہارِ بیان ہے اور جو کافر ہوئے ان میں کسی سے زمین بھر سونا، ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اگر چہ اپنی خلاصی کو دے، ان کے لیے دردناک عذاب ہے وہ لوگ جو تمام زندگی کفر و معصیت میں مبتلا رہے، باز آنے اور پشیمان ہونے کی جو انہیں سعادت مہلت نصیب ہوئی اس سے انہوں نے فیض نہیں اٹھایا، کتنے بدنصیب ہیں کہ موت کی آغوش نے اُن کے چراغِ زندگی کو گل کر دیا۔ ہائے افسوس! ہائے افسوس! اب ان کی بخشش کی کوئی راہ نہیں، اگر بے اندازہ سونا بطور فدیہ ادا کرنے کے لیے آمادہ ہو جائیں تو رد کر دیا جائے گا، شفاعت کی کوئی صورت نہیں۔ بقولِ غالبؔ

ع　کوئی اُمید بَر نہیں آتی
کوئی صورت نظر نہیں آتی　غالبؔ

شفاعت کی توفیق سعادت تو اہلِ ایمان کو ہے جو گناہ سے توبہ کریں، بھلا کافر اور مشرک شفاعت کے کہاں مستحق! شفاعت کی نعمت تو مومن کے لیے عطائے خاص ہے شفاعت تو شافع محشر کریں گے۔ عرض کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

ہم پہ بھی نگاہ اِک کرم، اے رحمتِ تمام
ہم بھی کھڑے ہیں دفترِ عصیاں لئے ہوئے　حضرت بہار کوٹی

❀❀

الحمدللہ تیسرا پارہ تِلْكَ الرُّسُلُ اِختتام پذیر ہوا　الرقوم ۱۳ شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ

عذر ہائے من پذیر

پارہ سوم (۳) تِلْكَ الرُّسُلُ کے مطالعۂ مضامین پر ایک تجزیاتی اور اجمالی نظر

خلاصۂ آیت ۲۵۳ تا ۲۵۶ کی روشنی میں پارہ ۳ رکوع ۳۴ تا ۴۰

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ

الحمدللہ، مجھے زندگی میں جو کچھ ملا، رزق، اولاد، عزّت، قلم، اور بیان یہ سب اللہ تعالیٰ کے انعامات ہیں، اللہ عزّ وجل کا لاکھ لاکھ شکر اور احسان ہے یہ سب نعمتیں، اللہ کے سوا مجھے کوئی نہیں دے سکتا، یقین تو کیجئے! سچ کہتا ہوں۔

ع کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

میں نے اپنے ہی وجود سے اپنے رَبّ کو جانا ہے اللہ کا کس قدر احسان ہے مجھ عاصی پر، مجھے مضامینِ قرآن کے مطالعہ کی نعمت اور سعادت ملی، زَمزم کا صدیوں سے اُبلنا اُس کے پانی کا ختم نہ ہونا۔ بالکل ایسی طرح قرآن کی عظمت کا احساس، اس کا مطالعہ اس پر غور و فکر، قرآن کے پارہ سوئم کا مطالعہ، اُس کے مضامین کے مطالعہ کی سعادت، اللہ کی شان کریمی نہیں تو اور کیا ہے۔ خاتم النبین حضرت محمد ﷺ سے نسبتِ خاص محبت کی سعادت عطاء کرم کی سعادت، عشقِ رسول ﷺ کی سعادت کا اظہار و ذکر، اور میرا قلم، میرا بیان، میری اپنی تحریر، میری اپنی دنیا سنوارنا اور آخرت کا توشہ پانا، نہیں تو اور کیا ہے! میرے چمنِ خیال میں جو کچھ تھا، جو کچھ ہے روشنی کے اس سفر کو تحریر کی شاخوں پر کھلا دیا ہے اے مرے رَبّ! اس کو قبول فرمایئے میں قرآن کے مضامین پر لکھنے کی کوشش کر رہا ہوں، اپنی بخشش کے لیے لکھنا چاہتا ہوں۔

جیسا کہ آپ کو علم ہے اسلام دینِ فطرت ہے۔ جس کی جانب ہر نبی نے اپنے اپنے دُور میں اپنی اپنی اُمّت کو دعوت دی، اسی دعوت کو ''دعوتِ دین'' سے موسوم کیا جاتا ہے۔

قرآن الحکیم نے تورات، انجیل اور زبور کی تصدیق کی، اور غلط باتوں کی تردید کی اور ان امور کی وضاحت کی، اور دعوت دی جو تمام انبیاء کرام ہر زمانے میں دیتے رہے۔

یہ بات تو آپ بھی جانتے ہیں ''عقیدۂ توحید'' سے زندگی آراستہ ہوگی، نیک عملی، اطاعتِ رسول ﷺ اور حُبِّ نبی، زندگی کا شیوہ بن جائے تو اپنی زندگانی پر ناز فرمایئے! زندگی پیہم رواں، ہر دم جواں ہے کے مصداق کسی دوسرے کے عمل ہمارے تو کام آنے کے نہیں، سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۱ تا آیت نمبر ۱۴۱ الجز اوّل الٓمٓ پارہ کا مطالعہ کر کے اس علم ہوا کہ یہ پارہ اوّل دعوتِ ابراہیمی سے وحدت دین کے بیان پر اختتام پذیر ہوا۔

پارہ الٓمٓ کی آیات کا خلاصہ

سورۃ البقرۃ کی ابتدائی آیاتِ مبارکہ کلام اللہ کی حقیقت اور اس کو قبول کرنے کے لحاظ سے کائنات کے انسانوں کی حقیقی تقسیم

کی وضاحت کی آئینہ دار ہیں اس میں بتایا گیا ہے کہ ہر زمانہ و ہر دور، تین ہی انسانی گروہوں کے گرد گھوم رہا ہے، مُؤمن، مُنافق اور کافر۔ اس کے بعد انسان کی آفرینش، پیدائش، وجود، اور خلافتِ ارضی کی تو اریخ بیان ہوتی ہے پھر تواتر کے ساتھ، تاریخ کا ایک سلسلہ ہے جو بنی اسرائیل اور سیدنا ابراہیم ؑ کے خاندان کے عروج و زوال کے اَسباب و عِلل کے بیان پر مشتمل ہے ساتھ ہی ساتھ ہجرت کے بعد مدینہ مُنوّرہ طَیّبہ میں رونما ہونے والے واقعات، حالات، معاملات، اور مسائل کا ضمنی ذکر ہے جو رسالت مآب حضرت محمد ﷺ کو درپیش تھے۔

☆...... پارہ اوّل کے پہلے رکوع میں بیان ہے قرآنِ حکیم کتابِ الٰہی ہے جو انسانوں کی ہدایت کے لیے نازل ہوئی ہے ایمان لانے کے بعد، اطاعت کے بعد پہلا عمل نماز کی پابندی اور قیام ہے آخرت کی کامیابی کا معیار فلاح و صلاح پانے میں ہے۔ اس فانی دنیا کے فنا کے بعد، ہر نفس کو اچھائی اور برائی کے عمل کا بدلہ دیا جائے گا۔

☆...... دوسرے رکوع میں منافق کا بیان، منافق جو کچھ زبان پر لاتے ہیں وہ دل کی گہرائی اور گیرائی میں نہیں ہوتا منافق اسلام کا تو قائل ہے لیکن دنیاوی مفادات کی خاطر، اسلام کے ضابطہ کی پابندی کرنا اور حقوق و فرائض کا بار اٹھانا اس کو قطعی گوارہ نہیں۔

☆...... تیسرے رکوع میں اللہ کی بندگی اختیار کرنے کا حکم ہے بتایا گیا قرآن میں جس طرح کلام اللہ، برحق ہے اور سچا ہے اسی طرح حضور پرُنور کی نبوّت بھی برحق ہے۔ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ فاسق ہیں اللہ گمراہ بھی فاسق لوگوں کو کرتا ہے جو کچھ زمین میں ہے اللہ نے پیدا کیا ہے پہلے کچھ نہ تو انسان کو پیدا کیا۔ ع

نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا

ڈُبویا مجھ کو ہونے نے، نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا   غالبؔ

اللہ زندگی کے بعد موت دے گا، اور پھر نئی زندگی، اس لئے آخرت کی زندگی کی ابھی سے تیاری کرو۔

☆...... چوتھے رکوع میں انسان کو اس کے حقیقی مقام سے آشنا کیا گیا ہے انسان اللہ کا بندہ ہے اور اللہ نے اس کو اپنا نائب مقرر کیا ہے اس کا اظہار بیان ہے فرقانِ حمید نے جن حقائق سے پردہ اٹھایا ہے وہ سب اظہارِ حقیقت کی عکاسی ہیں زمین و آسمان کائنات کی تخلیق اور جملہ چیزوں کو اللہ نے ہی پیدا کیا ہے سیدنا آدم ؑ کو ان تمام اشیاء کا علم دیا جس کی ضرورت اُن کو دنیا میں تھی آدمؑ حوا ابلیس کے فریب میں مبتلا ہو گئے، لیکن ان کو غلطی اور نافرمانی کا شدّت سے احساس ہوا تو گریہ زار ہوئے۔ اللہ سے اپنی خطا کی معافی طلب کی، توبہ قبول ہوئی اللہ نے ہدایت دی کہ جو لوگ میری ہدایت کو تسلیم نہ کریں گے وہ دنیا میں بے کیفی اور گمراہی کی زندگی گزاریں گے اور آخرت میں دردناک عذاب میں ہوں گے۔

☆...... رکوع ۵ تا رکوع نمبر ۱۴ تک کا مطالعہ کیا جائے تو علم ہوتا ہے کہ ان میں مسلسل خطاب بنی اسرائیل سے ہے یہ بات تو روزِ روشن کی طرح عیاں ہے قوم بنی اسرائیل، تاریخ انسانی میں کئی ہزار برس تک، بنی نوع انسان کے سامنے عروج و زوال، ترقی و تنزل کا عبرت ناک نمونہ بنی رہی، ستم بالائے ستم یہ کہ بنی اسرائیل اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات سے بے نیاز اور بے خبر ہو کر اپنی خواہشات کے تابع ہو گئے اور اُن کی تعلیمات میں تحریف کے مُرتکب ہو کر اصل دین کو بھلا بیٹھے، آپس میں

فساد برپا کرتے رہے نتیجہ یہ نکلا کہ کچھ عرصہ بعد، اہلِ مصر نے اس کو مغلوب کر لیا، اور غلامی کا طوق ڈال کر، ان کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا۔ بالآخر سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اُن کو اِس غلامی سے نجات دلائی۔

یاد رہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا دور آیا جس کو بنی اسرائیل کا روشن ترین دور کہا جاسکتا ہے اس عرصہ میں باری تعالیٰ کے انعامات کی اس پر بارش ہوئی لیکن اس رحمتِ باراں سے کوئی فیض حاصل نہ کر سکے پھر انہوں نے دین سے انحراف کیا۔ اور آپس میں فساد برپا ہوا۔ انبیاء علیہم السلام کے بھی دشمن ہوئے، اور بعض انبیاء کو قتل کیا پھر مصائب سے دوچار ہوئے اور عذاب نازل ہوا یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ جب ربّ جلیل نے بنی اسرائیل پر انعامات کی بارش کی تو انہوں نے استبدالِ نعمت کی روش اختیار کی فرعون کی غلامی سے نجات پانے کے بعد، کتاب وفرقان پانے کے بعد انہیں نے بت پرستی کی راہ اختیار کی اور گوسالہ پرستی اختیار کر کے رب کریم کے انعامات کی ناشکری کی۔

رکوع نمبر ۵ تا ۱۰

بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب کی تعلیمات کو بدل ڈالا، اس کے بعد اس پر پے در پے بہت سے نبی اور رسول آئے۔ پھر سیدنا عیسیٰ ابن مریمؑ کو انجیل دے کر بھیجا گیا ان کو صداقت اور سچائی کے لیے بہت سے معجزات عطا ہوئے اور حضرت جبریل امین علیہ السلام کو اُن کی مدد کے لئے مقرّر کیا لیکن وائے ستم، کہ پرانی رَوش اور عادت، پھر یہودی اُن کی مخالفت سے باز نہ آئے اور اُن کے قتل پر تل گئے۔

ذرا ظلم کی داستان کی طرف توجّہ تو فرمایئے یہود کا کہنا تھا، جبرائیلؑ ہمارا دشمن ہے۔

اے طالبِ حسن وعشق ذرا ربّ تعالیٰ کا ارشاد تو سنئے! جبریل امین (علیہ السلام) تو صرف ربّ کا پیغام پہنچانے والے فرشتے ہیں درحقیقت تمہاری یہ دشمنی اللہ کی ذات سے ہے۔

قرآنِ حمید تو پہلی، سابقہ کتب سماوی کی تصدیق کرنے والا، اور ایمان لانے والوں کے لیے نویدِ مسرّت اور ہدایت ہے اصل بات تو یہ ہے کہ جو اللہ کی وحی یا جبرئیل امین علیہ السلام کا مخالف/عدو ہے تو اللہ بھی منکرِ حق کا دوست نہیں۔

حضورِ اکرم ﷺ کی اِتباع کرنے والے، اہلِ ایمان کو ہدایت کے طور پر بتایا جا رہا ہے کہ وہ بنی اسرائیل کے واقعات سے درسِ عبرت لیں اور ان گمراہوں سے قدرے محفوظ رہیں۔

ترجمہ الم کا خلاصہ

دعوتِ حق کی پہچان، اور علامت یہ ہے کہ انبیاء اور رسولوں کی تعلیمات پر عمل کیا جائے اُن کی زندگی اور زندگی کے عمل کو پرکھا جائے دیکھا جائے، برتا جائے، اے اہلِ آواز! یاد رکھو! یہ بات سنّتِ الٰہی کے خلاف ہے کہ جاہل لوگوں کے انکار و خیالات کے مطابق معجزے دکھائے جائیں حاصلِ کلام یہ کہ رکوع نمبر ۵ تا رکوع نمبر ۱۴ میں باری تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے تاریخی جرائم اور حقائق کو بے کم وکاست بیان فرما دیا کہ اے بنی اسرائیل تم نے ان انعامات کی انتہائی ناقدری کی جو تم کو عطا ہوئے تم کو یہ اعزاز ملا کہ تمہیں تمام دنیا کی اقوام کا امام بنایا گیا لیکن مقامِ عبرت ہے تمہارے لیے تم اس منصبِ امامت کا حق ادا کرنے سے قاصر رہے۔

☆......رکوع ۱۵ تا ۱۶: یہ بات یاد رہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری نسل حضرت اسحٰق علیہ السلام کی اولاد، حضرت یعقوب علیہ السلام جن کا لقب اسرائیل تھا اس سے سلسلہ نبوّت جاری رہا جس میں حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام،

رکوع نمبر ۱۵ تا ۱۶

حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت یحیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور بہت سے نبی وارد ہوئے اس شاخ میں پستی، اور تنزّل کا آغاز ہوا تو عیسائیت اور یہودیت کے دو گروہ معرضِ وجود میں آئے۔

باری تعالیٰ کے حکم سے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور ان کے فرزند حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر میں حصّہ لیا، نتیجہ یہ نکلا کہ سابقہ اُمّتوں کے زوال کے بعد، نبوّت منصبِ امامت کی تکمیل کے لیے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری شاخ بنو اسماعیل میں منتقل ہوئی اور اب رضائے باریِ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی اُمّت کو اس دعوتِ حق، دعوتِ ایمان، دعوتِ توحید اور منصب کے لیے چُن لیا تا کہ تا قیامت اقوامِ عالم کی ہدایت کا ذریعہ بنے۔ حقیقتِ احوال تو یہ ہے کہ اللہ کے حضور، ہر گروہ سے یہ نہ دریافت کیا جائے گا تمہارے آباؤ اجداد کون تھے بلکہ یہ پوچھا جائے گا تم خود کیا ہو، اور کیا کرتے رہے اے طالبِ حُسن و عشق! جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ قطعی اس سے غافل نہیں!

خلاصہ

سورۃ البقرہ پارہ ۲ سیقول آیت ۱۴۲ تا ۲۴۶ رکوع ۱

دوسرے پارے کا آغاز، ملتِ اسلامیہ کے مقصدِ وجود اور نصب العین کے اصول کے بیان اور تذکرے پر مشتمل ہے شاعرِ مشرق علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔

ع　میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی

میں اس لئے مسلماں، میں اسی لئے نمازی　اقبالؔ

اے طالبِ حُسن و عشق! یاد رکھو! یہ ایک مسلمان کے فرائض منصبی میں شامل ہے کہ وہ اپنی اصلاح و صلاح کی تکمیل اور تعمیل کے ساتھ ساتھ، تمام دنیا کے انسانوں تک اس دعوتِ حق اور دعوتِ دین کو پہنچائے۔ دوسرے پارہ سیقول میں ان لوگوں کا تذکرہ ہے جو ہجرت کے بعد، مدینۃ المنورہ میں اسلام قبول کرنے کے بعد اکٹھا ہوئے اور اُن تمام وقتی اعتراضات اور ضروری سوالات کا جواب بطریق احسن دیا گیا کہ اسلام، انسانی معاشرہ کو، عالمگیر تہذیب کے دائرے میں استوار کرنا چاہتا ہے اس پارہ میں انفرادی سیرت، تنظیمِ عمل، یک جہتی اور تنظیمی ترتیب اور خاندانی، معاشرتی، تہذیبی، تمدّنی اور اخلاقی نظامِ زندگی کے جُملہ پہلوؤں کو اُجاگر کیا گیا ہے اور باطل پرستوں کے خلاف جہاد کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

سورۃ البقرہ پارہ نمبر ۲ سیقول آیت نمبر ۱۴۲ تا ۱۴۶ ارکوع ۱ کا خلاصہ: سب سے اوّل تحویلِ قبلہ کا حکم صادر ہوا تا کہ اس نئی اُمّت کا ایک مرکزِ ہدایت قائم ہو جائے جن کی پہلی اینٹ ہمارے جدِّ امجد سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے رکھی شاعرِ مشرق علّامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے

ع　اک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے

نیل کے ساحل سے لے کر تا بہ خاکِ کاشغر　اقبالؔ

حضور اکرم ﷺ کچھ عرصہ تک بیت المقدس کی سمت رُخ کر کے نماز ادا کرتے رہے پھر حکم صادر ہوا کہ کعبۃ اللہ کی سمت رُخ کر کے نماز پڑھی جائے، اس کا ماحصل یہ تھا یہود و نصاریٰ کی قیادت اور امامت کا دور اپنے اختتام کو پہنچا اور ختم ہو گیا۔

جب حرمِ کعبہ / بیت اللہ، اسلامی تہذیب و تمدن کا عالمگیر مرکز بنا تو باریٔ تعالیٰ نے حضور پُر نور ﷺ کے ذریعہ انسانوں کے تزکیۂ نفس اور تربیتِ عمل کی دعوت کا طریقۂ کار بتایا ہے یہ دعوتِ فکر و عمل و ایمان حسبِ ذیل خصوصیات کی حامل تھی۔

(❶) اللہ کی آیات پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں۔

(❷) اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں۔

(❸) لوگوں کا تزکیۂ نفس کرتے ہیں۔

(❹) مَنصبِ اِمامت پانے کے بعد اس کتاب حکمت ودانائی کے اَسرار ورمُوز کی عملی تشکیل اور تعبیر سکھاتے ہیں۔

(❺) وہ باتیں بتاتے ہیں، سکھاتے ہیں جو اس سے پہلے کوئی نہیں جانتا تھا۔ تاکہ اہلِ ایمان میں بَصارت، بَصیرت اور فہم و اِدراک کی صلاحیت میں اضافہ ہو جائے اور اُن پر علمِ کمال جاننے کے لیے اِجتہاد کی صلاحیت پیدا ہو سکے۔

☆......اے طالب حسن وعشق! ذرا سوچو تو سہی! منصبِ امامت تک رسائی کوئی آسان کام تو نہیں! کیا آپ نے اس کو پھولوں کی سیج سمجھ لیا ہے اصل بات تو یہ ہے کہ اس راہِ عمل میں سخت مُجاہدہ اور آزمائشوں کے لمحات سے گذرنا پڑتا ہے ہر نوع کی جانی ومالی قربانی درکار ہے، جو لوگ صبر کا دامن تھام لیتے ہیں استقامت سے کام لیتے ہیں مصائب اور مُشکلات کا مقابلہ کرتے ہیں وہ کامرانی کی منزل پالیتے ہیں ان آیاتِ مبارکہ میں بیان ہے کہ ایک مردِ مومن میں یہ صفات کیسے اُجاگر ہوتی ہیں، بات تو یہ ہے کہ بقول علاّمہ اقبال۔

نگاہِ مردِ مؤمن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

مومن کی پہلی صفت صبر ہے۔ صبر کا مقصود رضائے حق ہونا چاہیے، مومن کی دوسری صفت تعلق باللہ ہے نماز با جماعت کا اِہتمام اور اِنصرام، اے اہلِ آرزو! اچھی طرح جان لو! نماز اور اللہ کا ذکر وفکر جسم وجان اور روح کو بالیدگی اور تقویت بخشتا ہے جو لوگ سچی بات بتانے سے گریز کرتے ہیں اور دین پر اپنے معاملات اور مفادات کو ترجیح دیتے ہیں یقین جانیے اللہ اُن پر، اپنی لعنت بھیجتا ہے البتہ ایک موقع ہے ایسے لوگ ان باتوں سے توبہ کر کے اپنی اصلاح کرلیں تو اللہ کی رحمت عام ہے اور جو اُسی کُفر کی کیفیت، اور اِسی حالت میں داعیِ اَجل کو لبّیک کہیں، تو یہ دُوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔

اے اہلِ آرزو! تم صاحبِ حسن وعشق بن جاؤ گے! اگر تم توحید، یعنی اللہ پر، حذرِ جان کے ساتھ! کاملِ یقین اور ایفاء کے ساتھ ایمان لاؤ! اور اس کی راہ میں ثابت قدم رہو، اپنے اِدراک کی قوّتوں کا صحیح اور درستِ سمت اِدراک کرو خدارا! اس بات کو توحق جانو! اللہ کی الوہیت اور اس کی عظمت واحساسِ برتری کا اعتراف کرتے ہوئے اس کی مَعرفت پانے کی کوشش میں لگ جاؤ، اٹھ باندھ کمر، کیا کرتا ہے پھر دیکھ! خدا کیا کرتا ہے! اے ناداں! اس بات کو تو ذرا سمجھ جا، گیتی کائنات کا ایک ایک ذرّہ رحمتِ باری تعالیٰ کا امین ہے! اے غافل انساں! کس قدر بے حس ہے تو، کس قدر بے فکر ہے تو! کیا تجھ کو خبر نہیں زمین و آسمان کی جُملہ چیزیں حمد وثناء باری تعالیٰ میں رطب اللسان ہیں۔ اے صاحبِ حُسن وعشق! اللہ کی معرفت میں ڈوب کر، عقل وبَصیرت سے کام لے! اچھی طرح جان لے! پیروانِ باطل اور مادّہ پرست لوگوں کی اتباع اختیار کرنے سے سوائے پشیمانی، رسوائی اور ذلّت وحسرت کے سوا کچھ حاصل نہیں۔

اَسرار رموز خودی اور ذات عرفان کے ساتھ، تدبیر منزل کا مُتلاشی بن جا اور میں کیا عرض کروں اتنا ہی کافی ہے بقول شاعرِ مشرق علاّمہ اقبالؔ۔

ع خودی کا سرِ نہاں لا الٰہ الا اللّٰہ
خودی ہے تیغ فشاں لا الٰہ الا اللّٰہ
یہ نغمہ فصلِ گُل ل الٰہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا الٰہ الا اللّٰہ

اب طالبِ آرزو! اللہ نے انسان کو خوراک کے طور پر روئے زمین پر جس قدر چیزیں مہیا کی ہیں جو حلال اور طیّب ہیں وہ سب شوق سے کھانی چاہئیں۔ اچھی طرح جان جاؤ! ہر وہ شے جو پاکیزہ اور طاہر نہیں، وہ روح اور جسم دونوں کے لیے یکساں مضر ہے۔ ایسا مال جو ناجائز طریقہ سے حاصل کیا گیا ہے اس کا استعمال اور کھانا حرام ہے مُردار، خون، سُور کا گوشت اور ایسا ذبیحہ جس پر اللہ کے سوا، دوسرے کا نام لیا گیا ہو حرام ہے حق کو چھپانا، سچ کو پوشیدہ رکھنا، اور اس کو غلط رنگ میں پیش کرنا ایک جرمِ عظیم ہے جس کی سزا بڑی المناک ہے اُمت میں اختلافات پیدا کرنا، گروہ بندی کرنا، دین کی وحدت کھو دینے کے مترادف ہے۔

سورۃ البقرۃ پارہ (۲) سیقول رکوع ۶ آیات ۱۷۷ تا ۱۸۲

اے طالبِ حُسن و عشق! جان جایئے! پہچان جایئے! نظام زندگی کے تمام تر تقاضوں کی تکمیل کا نام دین ہے۔ اللہ کے حقوق ادا کرنے کے ساتھ ساتھ، حقوق العباد، اور بندوں کے حقوق کی ادائیگی بھی اچھی طرح کرنی چاہیے۔

قصاص کا حکم، اسلام نظامِ عدل کی عکاسی کرتا ہے اسلام کا نظام عدل تو یہ ہے کہ بدلہ لینے میں ہر انسان، دوسرے انسان کے مساوی ہے سزائے جرم کے وقت آقا، غلام حاکم ومحکوم میں کوئی امتیاز نہیں۔

اب طالبِ آرزو! اسلام نے وصیت کے احکام تین اہم نکات کی وضاحت کی ہے۔

۱)......مرنے والے کی ذمہ داریاں ان کے اپنے مال کے متعلق پوری کی جائیں۔

۲)......تمام اہلِ حق کو مالِ ترکہ سے نفع ملے اور اُن کا حق دیا جائے۔

۳)......وارثِ گناہ اور فضول خرچی سے اِجتناب کیا جائے۔

سورۃ البقرۃ پارہ (۲) سیقول رکوع ۷ آیات ۱۸۳ تا ۱۸۸

اے طالبِ حُسن و عشق! کتنی بابرکت ساعتیں ہیں رمضانُ المبارک کی جن میں نزول قرآن ہوا، روزے کی فرضیت کے احکامات صادر ہوئے روزے کی کیفیت میں، تزکیہ نفس اور معاشرے کی اصلاح کا ایک جامع اور مربوط اصلاحی تربیتی نظام ملا، رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ کی رحمت عام ہے۔ دعا کے قبولیت کی ساعتیں، برکتیں عام ہیں، دیگر اُمتوں سے نبی اکرم ﷺ کی اُمت کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ رمضان المبارک کی راتوں میں میاں بیوی کے آپس کے فطری تعلق کے پیش نظر مباشرت قائم کرنے کی اجازت دے دی گئی۔

سورۃ البقرۃ پارہ (۲) سیقول رکوع ۸ آیات ۱۸۹ تا ۱۹۶

اے اہلِ آرزو! شمس وقمر کی گردش، تمہارے لئے ماہ کے تعین کا باعث ہے اور ایامِ حج دریافت کرنے کی علامت ہیں۔ اصل بات، موضوعِ سخن تو یہ ہے کہ نیکی اور پرہیزگاری اختیار کرو، اور جہاد کرو اللہ تعالیٰ کی راہ میں، جو لوگ تم سے آمادۂ جنگ

ہوں تم بھی اُن سے لڑو مگر کسی حال میں زیادتی کے مُرتکب نہ ہونا، حُرمت کے ماہ، ذی القعدہ، ذوالحجہ ایسے ہیں ان میں لڑنا جائز نہیں! حج کے احکام میں جملہ مناسک حج باری تعالیٰ کے حکم کے مطابق ادا کرو۔

سورۃ البقرۃ پارہ (۲) سیقول رکوع ۹ آیات ۱۹۷ تا ۲۱۰

اے طالبِ حُسن وعشق! یاد رکھو! ایامِ حج میں بعض جائز اُمور بھی ناجائز ہو جاتے ہیں، فسق و فجور سے بچو! تحمّل، بُردباری، تقویٰ اور رحمدلی کی صفات اپناؤ، اکمل زندگی تو ان کی ہے جن کا یہ کہنا ہے اے ربِّ جلیل! میں دینا و آخرت کی سعادت کا طلب گار ہوں، تو مجھے اُن سے نواز دے۔ یاد رکھو! ایمان ویقین کی برکت اور سعادت پانے کے لیے صرف اتنا ہی کافی نہیں! کہ تم اسلام میں داخل ہو جاؤ بلکہ ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ اعتقاد وعمل کے ہر گوشہ لمحات میں ایمان وعمل، اور تسلیم ورَضا کی روح، تمہارے قلوب پر اس انداز سے ''راسخ / محکم'' ہو جائے کہ تم پیکرِ ایمانی کا ایک اعلیٰ اور ارفع نمونہ بن جاؤ شیطان اور باطل نظریات اور باطل قوتوں کی اتباع سے اجتناب کرو یہ سب تمہارے عدو/ دشمن ہیں۔

سورۃ البقرۃ پارہ (۲) سیقول رکوع ۱۰ آیات ۲۱۱ تا ۲۱۶

اے اہلِ آرزو! بنی اسرائیل کی سرگزشت، تمہارے لئے عبرت کا سبق ہے! اللہ نے انہیں کتنی سعادت اور ہدایت کی راہ بتائی، قوموں کا امام بنایا، نعمت سے سَرفراز کیا لیکن دنیا کی طلب، میں انہوں نے شقاوت کا راستہ اپنے لئے چُن لیا، نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا وآخرت میں رُسوائی اور ذِلّت اور لعنت کے مستحق ہوئے۔

کون نہیں جانتا، جب سے دنیا معرضِ وجود میں آئی ہے حق وصداقت کا ایک ہی راستہ ہے شروع میں تو تمام انسان ایک ہی اُمّت تھے، اِن میں اختلاف رائے کے سبب، ربِّ جلیل کی جانب سے ڈرانے اور بشارت دینے والے نبی ورسول آئے۔

مؤمن ہونے کے لئے صرف اتنا کافی نہیں کہ ایمان باللہ کا اقرار کر لیا جائے اور بہشت کے حق دار ہوں گے بلکہ اس لئے لازمی شرط یہ ہے کہ اِن تمام آزمائشوں میں ثابت قدم رہا جائے جو ہم سے پہلے حق پرستوں کو درپیش تھیں۔ آزمائش کی ایک منزل یہ بھی تھی۔

ع　　کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق

عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی　　اقبالؔ

اے طالبِ حُسن وعشق! ذرا توجہ فرمایئے! اپنے مال، اپنی کمائی اور پاکیزہ دولت میں سے، جس قدر ہو سکے خرچ کرو لیکن یہ یاد رہے کہ اول مستحق تمہارے والدین، قرابت دار اور رشتہ دار یتیم پھر مساکین اور پھر مسافر ہیں اللہ کو تمہاری نیکی کا خوب علم ہے! باطل نظریات کے ماننے والوں اور طبقاتی کشمکش میں مبتلا کرنے والوں سے جہاد کرو۔ یاد رکھو! بندہ مؤمن! یہ سب کچھ باری تعالیٰ کی رضا اور آخرت کی کامیابی وکامرانی سے ہم کنار ہونے کے لیے کرتا ہے۔

سورۃ البقرۃ پارہ (۲) سیقول رکوع ۱۱ آیات ۲۱۷ تا ۲۲۱

اے اہلِ آرزو! اشہر الحرام میں قتل وخون گناہ عظیم ہے لوگوں کو اسلام لانے سے روکنا، اور خود دین اسلام کو نہ ماننا، اور سعادت زیارت بیت اللہ سے لوگوں کو منع کرنا اور اہل مکہ کو یہاں سے نکالنا یہ تمام عمل شہر حرام میں مقاتلہ کرنے سے زیادہ گناہ ہیں۔

سورۃ البقرۃ پارہ (۲) سیقول رکوع ۱۲ تا ۱۵ آیات ۲۲۲ تا ۲۴۲

اے لوگو! معاشرتی زندگی کے مسائل کے بارے میں کیا یہ دریافت کرنا چاہتے ہو کہ نکاح، طلاق، ازدواجی زندگی، حقِ مہر، عِدّت، نکاح ثانی کی اصلاح کیونکر کی جائے تو سنو! ایامِ حیض میں عورتوں سے علیحدگی اختیار کرو! اللہ کی پسند ان باتوں میں مُضمر ہے جو ناپاکی، کی جملہ باتوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ غیر ضروری قسمیں کھالینا، نیکی، پرہیز گاری اور مقصدِ اصلاح کے مُنافی ہے اچھی طرح سمجھ لو! جو لوگ اپنی عورتوں کے پاس نہ جانے کی قسم کھا بیٹھیں، وہ چار مہینے کے اندر، قسم توڑ دیں اور اپنی عورتوں سے رجوع ہو جائیں اور قسم کا کَفّارہ ادا کر دیں ورنہ چار مہینے بعد، طلاق کا اطلاق ہو جائے گا۔ طلاق یافتہ عورت کی مدّت دعدّت تین حیض ہے اللہ کا ارشاد ہے مردوں کی طرح عورتوں کے بھی حقوق ہیں۔ کون نہیں جانتا، عورتوں پر مردوں کی فوقیت ایک فطری امر ہے اسلام دینِ فطرت ہے اس کا منشا یہ ہے کہ انسان معاشرتی زندگی میں اعتدال اور توازن کی راہ کو اپنا شعار بنائے۔

سورۃ البقرۃ پارہ (۲) سیقول رکوع ۱۶ آیات ۲۴۳ تا ۲۴۸

اے اہلِ آرزو! لوگوں کی جو جمعیت، جہاد اور موت سے خوف زدہ ہو کر کنارہ کَش ہوتی ہے وہ کسی بھی صورت میں زندگی کی کامیابیاں حاصل نہیں کر سکتی!

بنی اسرائیل کی ایک جماعت نے کثرت تعداد کے باوجود جہاد سے گریز کیا، اور دشمن کا خوف طاری کر کے اپنا وطن عزیز چھوڑ کر بھاگ گئے۔ گویا خود اپنی اخلاقی اور سیاسی موت سے ہمکنار ہوئے پھر نتیجہ کیا نکلا چالیس سال کی صحرانوردی کے بعد، دوسری نسل معرض وجود میں آتی تو باری تعالیٰ نے انہیں دوبارہ زندگی عطا کی اور پھر وہ دشمنوں پر غالب ہوئے یاد رہے کہ جس جماعت میں صبر و استقامت اور اپنے امیر کے حکم بجالانے کی سچی روح بیدار نہیں ہوتی اور جب سعیِ عمل کے موقع پر کوئی آزمائش آجاتی ہے تو پھر یہ لوگ ہی اس موقع پر ثابت قدم نظر آتے ہیں۔

سورۃ البقرۃ پارہ (۲) سیقول رکوع ۱۷ آیات ۲۴۹ تا ۲۵۲

اے طالبِ حق! کیا تمہیں نہیں معلوم! جب طالوت نے اپنے لشکر کے لوگوں کا صَبر و ثُبات اور اطاعت کا امتحان لیا تو سب نا اہل قرار پائے۔ یاد رہے! اللہ کی مدد انہی لوگوں کے ساتھ ہے جو صَبر، عملِ پیہم اور اِستقامت پر کامل یقین رکھتے ہیں ہر جماعت کو اس حال پر چھوڑ دیا جاتا تو نتیجہ یہ ہوتا کہ دنیا ظُلم و فسَاد میں ہی مبتلا رہتی اور حق کا نام و نشان مٹ جاتا۔

عذرہائے من پذیر

مطالعہ مضامین پارہ سوم (۳) تِلْکَ الرُّسُلُ سورۃ البقرۃ
آیت ۲۵۳ تا ۲۸۶ پر ایک تجزیاتی اور اجمالی نظر

تِلْکَ الرُّسُلُ پارہ (۳) آیت ۲۵۳ تا ۲۸۶

تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ "یہ سب رسول ہیں، ہم نے فضیلت دی ہے ان میں سے بعض کو بعض پر"

اے طالبِ حسن وعشق! باری تعالیٰ کے سب رسول نفسِ رسالت میں اور تمام تر انبیاء کرام علیہم السلام نفسِ نبوّت میں مساوی ہیں البتہ فضائل وکمالات، مقامات ومراتب، کرامات اور معجزات میں ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں کسی کو ایک کمال سے شرف بخشا تو کسی دوسرے کو دوسرے شرف سے سرفراز کیا گیا، لیکن ایک ذاتِ مقدّس! افضل البشر محمد ﷺ کی ایسی ہے جو رحمۃ للعالمین ہیں جو مظہرِ کُل ہے تمام کمالات جلالیہ اور ذوقِ جمال وجلال کی، ذرا غور تو فرمایئے! جس قدر کمالات اور مراتب دوسرے نبی اور رسول کو ایک ایک کر کے عطا ہوئے وہ تمام تر، اپنی اکمل ترین اور ارفع واعلیٰ صورت میں نبی اکرم ﷺ کو عنایت کیے گئے، ان اَن گنت معجزات میں، کوئی نبی، کوئی رسول، برابری تو درکنار، محض شرکت کا دعویٰ بھی نہیں کر سکتا ربّ کی شانِ کریمی تو دیکھئے آقائے نامدار ﷺ کو تمام نوعِ بشر بلکہ ساری کائنات، ارض وسماء کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا، اب وقت کی کوئی قید نہیں، جی ہاں! مدت محدود کے لیے نہیں بلکہ ابد تک کے لیے۔

قرآن جیسی کتاب اور رُشد وہدایت عطا ہوئی، جو حکمت ودانائی سے پُر ہے خاتم النبیین کے خطاب سے سرفراز کیا گیا، عطائے خاص تو دیکھئے! آدم علیہ السلام کو صفی اللہ، نوح علیہ السلام کو نجی اللہ، موسیٰ علیہ السلام کو کلیم اللہ، ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ، اسماعیل علیہ السلام کو ذبیح اللہ اور عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کو رُوح اللہ لیکن شافعِ محشر ﷺ کو صفوت، خُلّت[1]، کلام، دیدار کے علاوہ محبوبیت کا تاجِ فاخرہ بخشا گیا۔ سبحان اللہ وبحمدہ۔

علمائے مفسرین نے تصریح فرمائی ہے رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ سے مراد حضور پُر نور محمد رسول اللہ (ﷺ) ہیں لیکن یہ بات یاد رہے کہ کسی نبی کو دوسرے نبی پر یوں فضیلت نہ دی جائے کہ جس سے دوسرے نبی کی تحقیر ہو۔ معاذ اللہ، معاذ اللہ،

اللہ نے اپنی خاص مشیت کے ذریعہ دنیا کو دَارُالعمل بنایا ہے۔

ہم سب مسلمانوں کا ایک عقیدہ راسخ یہ ہے جب سے کائنات معرضِ وجود میں آئی ہے ہر زمانے ہر دَور اور ہر اُمّت میں نبی مبعوث ہوتے رہے، سب کا پیام ایک ہے باری تعالیٰ کی اطاعت، اور اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کرنا۔ اُس لئے اِن سب پر ایمان لانا عمل یقینی ہے یہ اور بات ہے یہودی، عیسائی اور مشرکین میں سے تو اکثر ایمان لائے اور مشرکین کے تکذیب کی، اللہ نے اپنی مشیتِ خاص کے ذریعہ دنیا کو دارالعمل بنایا ہے اور اس میں اعمال اور افعال کی آزادی دے کر انسانوں کا امتحان لینا، باری تعالیٰ کا مقصود رہا ہے جو لوگ کھلی کھلی اور روشن نشانیاں دیکھ کر ایمان کی راہِ مستقیم پاتے ہیں وہ جزا پاتے ہیں جو کُفر وضلالت کی راہ پر چلتے

1: اس کے معنی ہوتے ہیں بے حد محبت رب بے حد دوستی کے۔

باری تعالیٰ کی ذاتِ کائنات کی ہر شے کی تخلیق، اور بقا کی تدبیر کرنے والی ہے

باری تعالیٰ کی ذات کائنات کی ہر شے کی تخلیق، نشو ونما اور بقا کی تدبیر کرنے والی ہے اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہمیں ہر شے عطا کرنے والی ہے اس لئے اللہ کی راہ میں جانی و مالی قربانی سے گریز نہیں کرنا چاہئے کہیں ایسا نہ ہو کہ مال و ثروت کی طمع میں مُبتلا ہو کہ مال اکٹھا کرنے کی آرزو اتنی پیدا ہو جائے کہ مُہلت کی ہی مدّت ہی ختم نہ ہو جائے، اچھی طرح جان لو! مال کے عوض، نیکی کا خریدنا اُس وقت دشوار ہوگا اور نہ بدی کی سزا سے نجات مل پائے گی اور نہ کسی کی کوئی سفارش کام آئے گی رہے نام اللہ کا، یومِ قیامت اِن چیزوں میں سے کوئی بھی شئے کام آنے کی نہیں ابھی موقع ہے عزم کرلو اطاعتِ باری تعالیٰ کا۔ اللہ ہی عبادت اور لائق بندگی ہے نہ اللہ کو نیند آتی ہے اور نہ اُونگھ، ارض وسماء میں جو کچھ ہے اللہ کا ہے اس کے اِذن کے بغیر اس کے سامنے، کسی کی کوئی سفارش قابلِ قبول نہیں، باری تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے دین اسلام کا ایک وضع کردہ اُصول یہ ہے کہ فریضہ تبلیغ ہر مؤمن پر قطعی فرض ہے اللہ اس کا حامی و ناصر ہے جو طاغوت کا انکار کر کے دعوتِ حق اور دعوتِ اسلام قبول کرتا ہے۔ جو کوئی کُفر اور سَر کشی کی راہ اپنائے گویا وہ تاریکی، ظلمت اور اندھیرے میں ڈُوب گیا۔

اے طالبِ حق! اچھی طرح جان جایئے پہلا طاغوت، شیطان ہے جو ہمیں سبز باغ دکھا رہا ہے اور دوسرا خود ہمارا اپنا نفس ہے جو ہمیں جذبات اور خواہشات میں ہیجان پیدا کر کے غلط سمت لینے جانے کی کوشش میں سَر گرداں ہے! اس کے بعد ہمارا اپنا خاندان ہے جو ہمیں گُمراہی کی قندیل روشن کرنے کی دعوتِ گناہ دے رہا ہے اور وہ شخص بھی طاغوت ہے جو کسی غلط نظریہ اور مُضرعمل اور گُمراہ کن مذہب کا بانی ہے تو یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجئے! اور جنہوں نے کُفر کیا ان کے ساتھی شیطان ہیں وہ تاریکی اور ظلمت کی طرف لوٹ جاتے ہیں یہی لوگ جہنمی ہیں۔

ہائے رے ظُلم، حکومت کے غرور میں سرشار ہو کر نمرود خود کو "خدا کہہ گیا"

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دعوتِ حق لے کر نمرود کو پیام دیا، میرا ربّ وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ نمرود غُرور و تکبّر میں مبتلا ہوا اور اُاپنے آپ کو خدا کہہ گیا، اس نے برملا کہا "میں جس کو چاہتا ہوں مارتا ہوں اور جسے چاہتا ہوں رہائی دیتا ہوں" حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا۔ بقول شاعرِ مشرق

ع کھول آنکھ، زمیں دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ
مشرق سے اُبھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ — اقبالؔ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا "میرا ربّ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو تُو نکال لا اُسے مغرب سے" یہ سن کر نمرود کے ہوش اُڑ گئے۔ وہ لاجواب ہو گیا، اور وہ ایمان نہ لایا، اصل بات تو یہ ہے کہ اللہ ظلم کرنے والوں اور بے انصافوں کو راہِ ہدایت نہیں دکھاتا۔

توحید و آخرت اور دعوتِ حق کا ایک مشاہدہ یوں ہوا کہ ایک اُجڑے دیار کا تذکرہ ہے جہاں سے ایک برگزیدہ نبی کا گذر رہوا جب انہوں نے ایک ویران بستی دیکھی جس کی عمارتیں گر چکی تھیں تو گُمان گذرا کہ اس شہرِ خموش کے سب لوگ مَر چکے اور ربِّ جلیل ان کو کیونکر زندہ کرے گا ان پر اُسی وقت موت کا غلبہ طاری ہو گیا۔ بحکم اِذنِ اللہ، اُن کی سواری کا خَر گدھا بھی مر گیا، آپ کی یہی کیفیت سو (۱۰۰) برس تک رہی نہ کسی کو اُن کی خبر ہوئی اور نہ کسی نے انہیں دیکھا، اس دوران بستی از سرِ نو آباد ہو گی،

وہاں کے بادشاہ کا بھی انتقال ہو گیا دوسرا حکمراں آیا گویا اجڑا دیار دوبارہ آباد ہو گیا۔

ربِّ جلیل نے اُن کو دوبارہ زندہ کیا۔ جب وہ دوبارہ حیات پائے تو ربّ نے دریافت کیا! یہاں کتنے عرصہ قیام کیا، تو غور کر کے بتایا "ایک یوم یا اس سے بھی کچھ کم"

آپ علیہ السلام کے گدھے / خر کی تمام ترا ستخوان / ہڈیاں اُسی ترتیب کے ساتھ دوبارہ اکٹھا ہوئیں اور وہ آپ علیہ السلام کے سامنے دوبارہ زندہ ہو گیا جب آپ علیہ السلام نے یہ کیفیّت منظر دیکھا تو کہا، "یقینی طور پر مجھے یقین ہو گیا اب اپنی آنکھ سے مشاہدہ کر لیا، گویا حق الیقین کا درجہ مل گیا بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ موت کے بعد حیات بخشتا ہے

توحید آخرت اور دعوتِ حق کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ موت کے بعد حیات بخشتا ہے! حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بہ غرضِ مشاہدہ ربّ سے کہا، تو موت کے بعد، حیات کیسے بخشتا ہے رَبّ نے جواب دیا! کیا تمھیں اس پر یقین نہیں ہے۔ آپ علیہ السلام نے کہا ایمان کا درجہ تو مل گیا، عَیْنُ الْیَقِین کا طلب گار ہوں، چاہتا ہوں اس مشاہدہ سے قلب ونظر، مطمئن ہو جائے ارشادِ باری تعالیٰ ہوا چار جانور کا انتخاب کر واور چاروں کو اپنے ساتھ قدرے مانوس کر لو، پھر اُن کو ذبح کر واور ان کا گوشت آپس میں ملا کر اس کے مختلف جزو رٹکڑے مختلف پہاڑوں پر رکھ دو۔ اور اُن کے درمیان کھڑے ہو کر اُن کا نام لے کر بلاؤ! جب آپ علیہ السلام نے یہ عمل کیا تو سب کے جزو / حصّے تمام پہاڑوں سے جمع ہو کر آپس میں باہم ملے اور زندہ جانور کی صورت میں آپ کے گرد جمع ہو گئے اس سے پتہ چلا کہ یہ سب ربّ کی قدرت کے کمالات ہیں اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اُس کیلئے کوئی امر بھی ناممکن نہیں اور اس میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور پوشیدہ ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنا کئی گُنا ثواب کا مُوجِب ہے!

اِنفاق فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ، اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنا کئی گُنا ثواب کا مُوجب ہے! اے طالبِ حسن وعشق! قرآنِ حمید کے اس فرمان کو اچھی طرح سمجھ لو، فکر کے ساتھ، غور کے ساتھ، خلوصِ نیّت کے ساتھ، جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں، اِنفاق فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کے مطابق اپنا مال خرچ کرتے ہیں اللہ کی راہ میں اخلاصِ عمل کے ساتھ، تو باریِ تعالیٰ انہیں کئی گُنا اَجر دیتا ہے اس مثال کو یوں جانیے کہ جس طرح زمین میں ایک دانہ بویا جاتا ہے تو کرم باریِ تعالیٰ سے اِس دانے سے سات سو دانے پیدا ہوتے ہیں بعینہٖ نیک اعمال کا اللہ تعالیٰ کئی گُنا ثواب عنایت فرمائے گا جو لوگ بغیر احسان جتائے راہِ خدا میں اپنا مال حاجت مندوں اور ضرورت مندوں پر صَرف کرتے ہیں نہ طَعنہ دیتے ہیں، نہ طَنز کرتے ہیں، تو باری تعالیٰ اس کا پورا پورا بدلہ عنایت کریں گے۔

اے طالبِ آرزو! اتنا تو خیال کر لو، اگر تم کسی ضرورت مند کو کچھ دے نہ سکو تو ازراہِ ہمدردی اس سے نَرم لہجہ میں گفتگو کرو[1] کسی غریب پر احسان جتانا، اس کی عزّتِ نَفس کو مجروح کرنے کے مُترادف ہے کم ظَرف، تنگ دل، سنگدل اور احسان جتانے والا شخص یومِ قیامت رَبّ کی ہم کلامی اور نظرِ کرم سے محروم رہے گا۔

---

[1] قال رسول اللّٰہ ﷺ الکلمۃ طیبۃ صدقۃ وان من المعروف ان تلقیٰ اخاک بوجہ طلق۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا پاکیزہ بات بھی صدقہ ہے اور اسلام میں بڑی نیکی یہ ہے کہ تم اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملو۔

ریا کار اور ایسا فرد جو روزِ قیامت پر یقین نہیں رکھتا ایسے افراد کا صدقہ یا خیرات قابل قبول نہیں! خواہ وہ مؤمن ہی کیوں نہ ہو، اس تمثیل کو یوں سمجھیے کہ جس طرح پتھر پر مٹی نظر آتی ہے لیکن جب بارش ہوتی ہے تو اس مٹی کو بہا کر لے جاتی ہے اور پتھر تو پھر چٹیل ہی رہ جاتا ہے، بعینہ منافق کے اعمال خیر کی یہی کیفیت ہے بظاہر تو بہت کچھ دیکھائی دیتا ہے لیکن یوم قیامت اُن کا عمل ایسا ناپید ہو جائے گا جیسے بارش کے بعد پتھر سے مٹی صاف ہو جاتی ہے۔

یاد رکھیے! جو لوگ ربّ کی رضا کے لیے، خُوشنودی کے ساتھ، اس کے دیئے ہوئے مال میں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا عملی ثبوت دیتے ہیں، ایسے افراد کا شمار انعام یافتہ لوگوں میں ہوتا ہے یوں جانیے ان کی مثال ایک ایسے باغ جیسی ہے جو کسی بلند مقام پر واقع ہو، جہاں کی قدرتی ہوائیں لطیف، پُر کیف، مسرور کن اور بار آور ہوں اور اگر باران رحمت برس پڑے شادابی اور شگفتگی کے سبب باغ میں دُوگنا پھل پیدا ہو جائے اور اگر ہلکی ہلکی پُھوار بھی پڑ جائے تو بہر نوع کچھ نہ کچھ پھل میّسر تب بھی آ ہی جاتا ہے، بھلا اس حقیقت سے کیا انکار کہ جس طرح حضرتِ انسان بدی سے بُرائی کی طرف رَاغب ہوتا ہے اس طرح نیکی سے اس کے میلانِ طبع میں نیکی کرنے کا جذبہ مزید اُجاگر ہوتا ہے کس قدر قابل صد تحسین ہیں وہ لوگ جو نیکیوں میں پہل کرتے ہیں اور بُرائیوں سے محفوظ رہتے ہیں۔

انسان ذرا غور کرے تو پتہ چلتا ہے عالم پیری میں وہ کسی کام کی صلاحیت نہیں رکھتا، اس کے بچّے اگر کم سِن ہوں جو اپنے دُکھ دَرد بانٹنے سے قطعی بے فکر ہوں عین بڑھاپے کے عالم میں اگر معلوم ہو جائے کہ تمام متاع رایئگاں ہوئی تو اندازہ کیجئے اس کے غم کا تدارک کیونکہ ممکن ہے یہ تمام باتیں ہمارے لئے درسِ عبرت اور درسِ حسرت سمیٹے ہوئے ہیں گویا آخرت کا اثاثہ بھی پاس نہیں!

سورۃ البقرہ پارہ (۳) تلك الرسل آیت ۲۶۷ تا ۲۷۳ رکوع ۳۷

اِنفاق حِکمت کی کُلید ہے! جِسے حِکمت مِل گئی اُسے دِین و دُنیا کی بڑی نعمت مِل گئی!

اے صاحبو! اللہ کے راستے میں اپنی پاک صاف سُتھری چیزیں دو، جو تم کو پسند اور عزیز ہوں اِبلیس کا تو شیوہ یہ ہے کہ وہ تمہیں انفاق کی انجام دہی سے روکے گا، کہیں غُربت، و افلاس کا خوف دلائے گا، تو کہیں بے حیائی کے کاموں میں مصروف رکھنے کی کوشش کرے گا، اچھی طرح جان لو! انفاق حکمت کی کلید ہے۔ جسے حکمت مل گئی گویا دین و دنیا کی بڑی برکت اور نعمت مل گئی۔

خیرات پوشیدہ انداز میں دی جائے یا اعلانیہ۔ اللہ تعالیٰ کو سب تمہاری باتوں کی خبر ہے اگر بھلائی چاہتے ہو اور خیر کے طلب گار ہو تو لوگوں کو بے مانگے دے کر اُن کی حاجت روائی کرو۔

سورۃ البقرہ پارہ (۳) آیت ۲۷۴ تا ۲۸۱ کا خلاصہ

رِبا رسُود کو حرام کر دیا گیا

اے اہلِ آرزو! دولت پا جانے کے بعد، باوجود اتنے سنگ دل بلکہ تنگ دل کیوں ہو کہ امداد تو کُجا دُور کی بات ہے قرضہ بھی دیتے ہو تو سود کا مطالبہ پہلے کرتے ہو، سود لینے والوں کے اندر، انسانوں سے محبت اور ہمدردی کے جذبہ کا فُقدان ہو جاتا ہے قرآن نے ہر سود کو حرام کیا آپ کہیں کاروباری سود لینے کی اجازت نہیں دکھا سکتے، سُود خُور کی کیفیت کا حال تو یوں بیان کیا جار ہا ہے جیسے دیوانہ اور پاگل آسیب زدہ آدمی عجیب عجیب حرکتوں کا مرتکب ہوتا ہے جسے دیکھ کر انسان ہنسی ضبط کرنے سے قاصر رہتا ہے اسی طرح یہ سود خور، دولت کی محبت میں مسرور ہو کر ایسی غیر معقول اور ناشائستہ حرکتیں کرتے ہیں جس سے گُمان ہوتا ہے

شاید کسی شے نے ان پر اپنا تسلّط قائم رکھا ہے ان کی دنیاوی زندگی بھی یونہی خسارے میں گزر جائے گی اور یومِ قیامت بھی ان کی حالت مرض جیسی ہوگی۔

بَیع/تجارت کو اللہ تعالیٰ نے اس کے فائدوں کے سبب حلال کر دیا اور سود کو اُس کے نُقصانات کے سَبَب حرام قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سود کو مٹانے اور خیرات کے جذبۂ عمل کو ترقی سے ہم کنار کرنے کا حکم صادر کرتا ہے یہ بات تو اچھی طرح سمجھ جائیے کہ اگر خیرات اللہ کے حکم کے مطابق ادا کی جائے تو معاشرے میں نہ کوئی محتاج نظر آئے گا اور نہ کوئی مُفلس!

جو لوگ اللہ تعالیٰ پر یقین رکھتے ہیں نیک اور صالح عمل کرتے ہیں نماز کا اہتمام کرتے ہیں زکوٰۃ کی ادائیگی برابر کرتے ہیں نہ تو انہیں کوئی خوف ہوتا ہے نہ حُزن وَمَلال۔

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو، اگر سود کی رقم کسی کے ذمّہ واجبُ الادا ہو تو اُس کو چھوڑ دو، اگر سود لینا ترک نہ کیا تو اچھی طرح جان لو! اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا اعلانِ جنگ ہے۔

اگر کوئی تنگیٔ داماں/تنگ دستی کی وجہ سے قرض ادا نہ کر سکے تو افضل امر یہ ہے اس کو معاف کر دو

ربِّ کائنات نے لین دین کے لیے تحریری معاہدہ/ضبطِ تحریر میں لانے کی ہدایت کی ہے

اے طالبِ حسن وعشق! باری تعالیٰ نے کسی خاص میعاد کے لیے قرض کی خاطر یا تجارتی وکاروباری معاملات کے لین دین کے لیے تحریر معاہدہ ''ضبطِ تحریر میں لانے کی ہدایت کی ہے'' اس دستاویز پر شہادت بھی ثَبت ہونی چاہیے تا کہ لوگوں کے مابین باہمی معاملات کو حُسن سلوک سے طے کیا جائے اور کسی فساد کی کوئی نوبت نہ پیش آئے تحریر، تحریر کرتے وقت دو گواہ بھی لازمی ہیں اور گواہوں پر فرض عائد ہے کہ حق بات کریں اور گواہی کے وقت پس وپیش سے کام نہ لیں البتہ دو مرد گواہی کے لیے نہ مل سکیں تو ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قابلِ قبول ہے فقہاء کرام اس بات پر متفق ہیں کہ وثیقہ نویس/کاتب ایسا فرد ہو جسے شرائط اور قواعد اور ضوابط کا مکمل معلومات کے ساتھ علم ہو تا کہ وہ فریقین کے مقصد کی درست انداز میں ترجمانی کر سکے وثیقہ نویس شرعی طور پر اُجرت لینے کا حق رکھتا ہے۔

اگر تم حالتِ سفر میں اُدھار پر لین دین کرنا چاہتے ہو اور تحریر لکھنے سے قاصر ہو تو ایسی صورت میں کوئی شے گِروی/رہن رکھ لیا کرو اور اس کا قبضہ دے دیا کرو جب قیمت ادا کر چکو! تو اپنی گروی شُدہ شے واپس لے لو، یہ بات یاد رہے کہ رَہن/گروی شُدہ چیز سے کوئی نفع اٹھانا شرعاً ممنوع ہے۔

ایمان باللہ اور ایمان بِالآخرت کی بار بار تاکید، ایمان کے کامل ہونے کی دلیل ہے!

اے صاحب آرزو قرآن حمید کا کتنا خوبصورت انداز بیان ہے کہ ہر سورہ کے اختتام میں ہر نفسِ موضوع سخن اور مضمون کو دُہرایا جاتا ہے ابتدائی سورۃِ مبارکہ جن باتوں کی اشکال پیش کی جاتی ہے اختتام کلام پر اُن تمام اصولوں پر مبنی باتوں کو عمل کرنے کی خاطر بیان کیا جاتا ہے جو اسلام کی تعلیمات کی اَساس ہیں۔ یقین تو کیجئے! اگر اللہ کی آیات کا بہ حسنِ نظر ذوق و شوق اور طمانیت قلب سے بغور مطالعہ کیا جائے تو علم وآگہی یہ بتاتی ہے کہ پوری آیت کے آخر میں باری تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ میں کوئی ایسا نکتہ مل ہی جاتا ہے جس سے پوری آیت مبارکہ کا نفسِ مضمون وضاحت کے ساتھ واضح ہو جاتا ہے۔ یہ

بات ذہن نشین کر لیجئے کہ اس طرح مختلف، احکامات اور ہدایت کے مابین، ایمانِ باللہ اور ایمانِ بالآخرت کی بار بار تاکید ہے تاکہ انسان کا ایمان پختہ اور کامل ہو جائے۔

تمام کتب سماوی کو درست ماننا، تمام رسولوں کی رسالت پر ایمان لانا، روزِ قیامت پر ایقان و ایمان رکھنا یہ ہے مکمل ایمان

اے صاحبِ حُسن وعشق یہ تو سب دل وجان سے تسلیم کرتے ہیں اللہ کو اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو، اور اس کے رسولوں کو گویا ایمان کے اجمالی تذکرہ کی وضاحت کی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک ماننا، فرشتوں کو نوری اور ربّ کی اطاعت گذار مخلوق جاننا تمام کتب سماوی کو درست ماننا، تمام رسولوں کی رسالت پر ایمان لانا اور روزِ قیامت پر یقین وایمان رکھنا ہے، یہ ہے کامل ایمان۔

سورۃ البقرۃ کی آخری آیات میں انسانی زندگی کے تقاضوں اور کمزوریوں پر نظر رکھتے ہوئے ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کرنے کی اور نہایت دلکش اور اثر آفرین اور دل کو سکون وقلب عطا کرنے والے دعائیہ کلمات ہیں۔ ربّ جلیل نے مؤمنین کو دعا کرنے کا سلیقہ سکھانے کی تلقین کی ہے بلکہ ان کلمات میں جسمانی وروحانی انفرادی اور اجتماعی، دینی ودنیاوی، ہر نوع کی سعادتوں اور نعمتوں اور انعام پانے کی التجا ہے۔ دارمی نے روایت کیا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کہ سورۃ البقرۃ کی تین آیات اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سے عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ کو جس گھر میں تین یوم متواتر پڑھا جائے تو شیطان اس گھر کے قریب نہیں آتا۔

مسلم شریف میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام، محمد ﷺ کی خدمت میں تشریف لائے تھے کہ اتنے میں آسمان سے دروازہ کھلنے کی کھڑکھڑاہٹ محسوس ہوئی جو آج سے پہلے، کبھی نہیں کُھلا پھر ایک فرشتہ جلوہ فرما ہوا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا" آج زمین پر اس فرشتے کا نزول ہوا ہے جو آج سے قبل کبھی نہیں اترا، وہ فرشتہ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوا، سلام کے بعد اس نے کہا مبارک ہو، مقام مسرّت ہے دو نُور آپ ﷺ کو عطا کئے گئے اس سے پہلے کسی نبی کو اِن نُوروں کی سعادت نہیں ملی اور وہ نور سورۃ فاتحہ الکتاب اور سورۃ البقرۃ کی آخری دو آیات ہیں۔ سبحان اللہ، حضرت محمد ﷺ کا فرمان ہے "سورۃ البقرہ کی یہ آخری آیات مجھے عرشِ عظیم کے خزانہ سے عطا ہوئیں"۔

الحمدللہ یکم رمضان المبارک کو سورۃ البقرۃ کی تفسیر اختتام پذیر ہوئی۔ سبحان اللہ بحمدہٖ

❀❀

سورۃ آل عمران پارہ سوئم تِلْکَ الرُّسُلُ آیت نمبر ۱ تا ۹۱ کے مطالعۂ مضامین پر ایک تجزیاتی اور اجمالی نظر

الٓمّٓ ۝ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ط

''الف، لام، میم، اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں جو زندہ ہے اور سب کا نگہبان ہے''

اے طالبِ حُسن و عشق! کیا تم واقف نہیں ہو انسان کی ہدایت کے لیے خالقِ کائنات نے جو ضابطۂ حیات عطا کیا ہے وہ حق پر مبنی ہے وہ ایک ہی ہے آیئے آپ کو بتائے دیتے ہیں اس کا نام دینِ اسلام ہے یہ ایک مکمل ضابطۂ زندگی ہے اچھی طرح جان جایئے! پہچان جایئے یہ دین انسانی عقل وخرد سے پرے ہے۔ یہ دین اللہ کا دین ہے جو حق ہے اور برحق ہے۔ اسلام کے نام سے منحرف ہونے والے اہلِ کتاب کو صاف صاف واضح طور پر سمجھا دیا گیا، بتا دیا گیا جن انبیاء مرسلین کے نام پر تم جُدا جُدا مذہب کی بنیادیں استوار کرنے کی فکر میں غوطہ زن ہو کیا تمہیں نہیں معلوم اُن سب کا دین تو اسلام ہی تھا بدلے بدلے میرے سرکار نظر آتے ہیں کے مصداق کیا تم نہیں جانتے! تمہارے جدِّ امجد سیدنا ابراہیم خلیل اللہ بھی دین اسلام کے داعی تھے اے سادہ لوح انسان! توجّہ کے ساتھ غور تو کر تجھ کو معلوم نہیں، تجھ کو بھلا کیا معلوم!

قرآن الحکیم نے دین و مذہب کے نام پر بَشَریت کی وَحدت کو، نُقصان دینے والے مُحرکات پر ضَربِ کاری لگائی ہے

قرآن الحکیم نے دین و مذہب کے نام پر بَشَریت کی وَحدت کو، نقصان دینے والے محرکات پر ضَربِ کاری لگائی ہے اور وحدت نوعِ بشر کے لیے ایک ایسی محکم بنیاد فراہم کر دی کہ جب بھی انسان اپنی ذات، اپنی انا اپنے قومی تشخص سے نجات پانے میں کامیاب وکامران ہو گیا تو یقین جانئے! اِتّحاد، مُحبت اور اخوّت کے رشتہ میں اپنے آپ کو پائے گا۔

اچھی طرح سمجھ جایئے! تمام انبیاء کرام ایک ہی دین کی اشاعت وتبلیغ میں مصروف کار رہے۔ یہی تو سبب ہے ہر نبی نے اپنے سے پہلے گذرے ہوئے انبیاء اور مرسلین کی تصدیق کی، اور اپنے اپنے اُمتیوں کو آگاہ کرتے رہے، اور بعد میں آنے والے نبیّوں پر ایمان لانے کی ہدایت کی، اسی سنّت پر عمل پیرا، آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ ہوئے اور تمام انبیائے کرام اور سابق رسولوں کی تصدیق کی۔ حضور اکرم ﷺ کے جلوہ فگن ہونے کے بعد، کوئی اور نبی آنے والا نہیں،

ع وہ دانائے سبل، خَتم الرُّسل، مَولائے کُل جس نے
غبارِ راہ کو بَخشا فرُوغ وَادیٔ سِینا اقبالؔ

محمد ﷺ کی تعلیمات پر صدق دل سے عمل کر کے یوں سمجھے بقول شاعرِ مشرق

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی یٰسین وہی قرآن وہی فرقان وہی طٰہٰ　　اقبالؔ

ذرا اسی بات کو مدِّ نظر رکھئے سورۃ البقرۃ میں یہود کی اصلاح کی حتی المقدور کوشش کی گئی عیسائیوں کے نظریات اور عقائد بہتر کرنے کی تلقین کی گئی اور کوئی تثلیث کا قائل، کوئی کاہن پرستی کا، غرض میں کیا کہوں کہ دنیا کی کیسی غیر حالت تھی'' کے مصداق اُن کے عقیدۂ تثلیث کا اس انداز میں محاسبہ ہوا کہ جس کا جواب مسیح کے ماننے والوں کے پاس تھا اور نہ اب تک ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ سورۃ آل عمران کے زیادہ تر حصہ کا نُزول اس وقت ہوا۔ جبکہ نجران کے عیسائی اہلِ علم دیگر مقتدر حضرات، رسالت مآب حضرت محمد ﷺ کے حضور حاضر ہوئے اور اپنے عقائد کے اظہار کے لیے نبی اکرم ﷺ سے مناظرہ کیا۔

یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ سورۃ البقرۃ میں مسلمانوں کو کافروں کے ساتھ جہاد کرنے کی اجازت مل گئی چنانچہ اس کے بعد کفر و اسلام کی جنگ، اور غزوات کے سلسلے کا آغاز ہوا۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبالؔ نے کیا خوب کہا ہے۔

ع　فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری رحمت کو
اُتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار ابھی　　اقبالؔ

آپ نے دیکھا۔ مُٹھی بھر، مسلمانوں نے باوجود اپنی بے سروسامانی کے مقامِ بدر پر کافروں کو شکست دی، صورتِ احوال تو یہ ہے کہ اس سے دشمنانِ اسلام، یہود اور منافقوں کی کوشش اور سازشوں کا پردہ چاک ہوا۔ اسی تربیت اور تادیبِ حق تعالیٰ کا یہ اعجاز تھا کہ مسلمانوں کا یہ قلیل لشکر، قیصر و کسریٰ کی فوج کو شکست دیتا ہوا گذر گیا۔

سود کا لینا ظالمانہ نظامِ زندگی کا آئینہ دار ہے

سورۂ آلِ عمران میں مسلمانوں کو فرضِ منصبی سرانجام دینے اور مقامِ بلند حاصل کرنے کا طریقہ کار بتایا گیا ہے تم اُمّت خَیْرُ الْاُمَمِ ہو، تمہاری بَرَکات وفُیوض کا دائرہ کار صرف اپنے ہی لئے اور صرف اپنوں کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام کائنات اور نوعِ بشر کے لیے ہے اور یہ منصب جس قدر، بالاتر ہے اتنا ہی مرحلہ وار دشوار گذار ہے۔ اے طالبِ آرزو! تمہارا عزمِ محکم، باہمی اتفاق والفت اس طوفانِ بلا حسد وعناد کو توڑ سکتا ہے شرطِ اول یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کی رسی/ یعنی قرآن اور تعلیمات قرآن کو مضبوطی سے تھام لو! خیال رہے کہ معاشی، ناہمواروں اور بے ترتیب اُصولِ زندگی قومی زندگی میں انتشار پیدا کر دیتی ہے سود/ ربا کا لینا ظالمانہ نظامِ زندگی کا آئینہ دار ہے۔

صداقت اور پیکرِ عظمت سچائی کو اپنا لو!

اے اہلِ آرزو! اس بات کو اچھی طرح جان لو! کہ سورۃ البقرۃ میں مخصوص انداز میں بنی اسرائیل کے حالات کا بیان اور تبصرہ پر مبنی مواد ہے۔ سورۃ آل عمران میں خطاب عمومی لحاظ سے اہلِ کتاب اور عیسائیوں سے ہے اور اہلِ ایمان کو نہایت پُر حکمت انداز میں بات بتائی گئی ہے وہ اُن بُرائیوں کا سدِّ باب کریں جن میں کم نصیبی کے تحت یہ سب گروہ مبتلا رہے ہیں۔ اُس صداقت اور پیکرِ عظمت، سچائی کو اپنا لو جس کا تم خود اقرار کرتے رہے ہو! اصل بات تو یہ ہے نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کی

ذاتِ اقدس ہے جو دین فطرت یعنی دینِ حق کی دعوت دے رہے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حق سے کیا مراد ہے علامہ قرطبی نے اس کا مفہوم "الحجة البالغة" میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے یہ کتاب ایسے دلائل و براہین سے مزّین ہے جس کو فطرتِ انسانی اور عقلِ سلیم تسلیم کرنے کو آمادہ تھی۔

مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لیے فرقان کو نازل کیا، یوں سمجھئے کہ حق اور باطل کو الگ الگ کرنے کو فرقان کہا جاتا ہے امام ابن جریر طبریؒ رقم طراز ہیں! ''حق و باطل میں امتیاز کرنے والی قوّت کو فرقان کہا جاتا ہے۔''

اللہ کی آیات کا انکار کرنا دنیا اور آخرت میں سزا کا مُوجب ہے

ہر دور کے حالات کے مطابق باری تعالیٰ نے اپنے رسول بھیجے اور ان کو ایسی ہدایات سے روشناس کرایا جن سے حق و باطل حرام و حلال دروغ رجھوٹ اور صداقت رسچائی میں فرق کا اندازہ ہو سکے جن لوگوں کو اس بات کا قطعی علم ہے کہ یہ اللہ کی آیات ہیں اور حق تعالیٰ یہ سب کچھ جاننے اور سمجھنے کے لیے ہمارے لئے اتارا ہے جو اس کے منکر ہو جائیں اور اللہ کی بتائی ہوئی باتوں اور احکامات کے مطابق اپنی عملی زندگی کو راہِ ہدایت کے مطابق استوار نہ کریں تو ایسے لوگ رگرُوہ یقینی طور پر سزا اور عذاب کے مستحق ہیں۔ ان کو آگاہ ہونا چاہیے کہ آخرت میں تو سزا ملنی ہی ملنی ہے۔

اے طالبِ حسن وعشق! اللہ نے نازل کی ہے آپ ﷺ پر کتاب اور اس کی کچھ آیات محکم ہیں، امام راغب اصفہانیؒ کا قول ہے ''محکم'' وہ آیت ہے جس کا مفہوم واضح ہو قرآن کی بعض آیات بالکل اور ہر شک وشبہ سے بالاتر ہیں اور یہی کتاب حکمت و دانائی کی اصل ہیں ان میں تاویلات کی قطعی کوئی گنجائش نہیں، اور دوسری آیات میں جو متشابہات ہیں، جب تک حضرت محمد ﷺ کی طرف سے محکم عبارت میں اُن کا بیان نہ ہو، کوئی اہلِ زبان بھی غور وفکر سے ان کی مراد کو نہیں پا سکتا، یوں سمجھ لیجئے کہ جن آیات کا مفہوم حضور اکرم ﷺ کی طرف بیان ہو جائے ان کو اصطلاح میں مجمل کہا جاتا ہے مثلاً نماز، زکوٰۃ، حج اور سود اگر نبی اکرم ﷺ کی طرف سے تسلیم نہ ہو تو متشابہ کہا جاتا ہے جن کے مفہوم و مطالب کو جاننے میں قدرے کچھ شبہ کا گمان ہو سکتا ہے اس کو متشابہات کا علم اہلِ عرفان کو الہام یا تعلیم باری تعالیٰ سے ہو جاتا ہے جیسے سیدنا آدم علیہ السلام کو حق سبحانہ تعالیٰ نے تمام اسماء کا علم عطا کیا

ایک ذی شعور انسان کو محکم آیات سے سکونِ قلب ونظر نصیب ہو سکتا ہے!

جن کہ دلوں میں کجی ہے اور وہ فطرت سلیم اور عقل وخرد سے قطعی محروم ہیں وہ متشابہات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور اپنی خواہشاتِ نفسانی پر عمل پیرا ہو کر معنیٰ گھڑ لیتے ہیں اچھی طرح جان لیجئے! محکمات سے آنکھیں چُرا کر جو صرف متشابہات میں مبتلا رہے گا تو وہ گمراہ ہو جائے گا فہم ودانش کا تقاضا تو یہ ہے کہ اہلِ علم اور علماء کرام سے دین کی ان باتوں کی حکمت اور مفہوم کو سمجھ لیا جائے ایک ذی شُعور، انسان کو محکم آیات سے سکونِ قلب ونظر نصیب ہوتا ہے اور اس کے قلب پر متشابہات کوئی خلجان پیدا نہیں کرتے۔

اے صاحبو! اٹھتے ہیں ہاتھ میرے اس دعا کے ساتھ، اے میرے رَبّ! جب آپ نے سیدھا راستہ دکھا دیا، تو پھر ہمارے قُلوب کو کجی سے بچا لیجئے! عطا کر اپنے پاس سے رحمتِ خاص تو ایک دن سب کو میدانِ حشر میں اکٹھا کرنے والا ہے

بے شک! یہ بات یقینی ہے کہ اللہ اپنے وعدے سے نہیں پھرتا!

بے شک اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے! بھلا اس میں کیا شک ہے!

کفر و شرک اور اِرتداد میں مبتلا رہنے والو، کافرو اور مشرکو! اچھی طرح جان لو! جن لوگوں نے بھی اللہ کے نبیوں کی تکذیب کی اور اُن کی تعلیمات سے انحراف کیا اُن کے گناہوں کے سبب انہیں سزا ملی، فرعون اور اس سے پہلے گروہوں کا انجام تمہارے سامنے ہے، اُن سے عبرت سیکھو!

ع　دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرتِ نگاہ ہے

مری سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہے　مرزا اسداللہ خان غالب

اے صاحبو! تاریخ کے اوراق کا مطالعہ تو کرو علم ہو جائے گا غزوۂ بدر میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی، اس معرکہ حق و باطل میں، قلیل تعداد اور کم سامان حَرب ِ جنگ کے باوجود مسلمانوں نے کفار کو عبرت ناک شکست دی۔

اے صاحبِ آرزو! نُصرت، فتح کامیابی وکامرانی کا دارومدار اس بات پر مُنحصر ہے کہ مسلمان، ہر حال ہر دَور ہر مشکل کے وقت رَبّ پر مکمل تو کّل اور بھروسہ کریں یہی کامیابی کی کلید ہے مانا کہ، طلب دنیا، طمع اور لالچ، مال وثروت، اور حُبِ اولاد اور زیادہ سے زیادہ مال کی کثرت اور دنیا پانے کی حرص کے مصداق نے تم کو دنیا سے غافل کر رکھا ہے لیکن یہ سب دنیاوی جَاہ جَلال ، یہ سب سامان دنیا کی چندروزہ زندگی کے ہیں، نہ جانے کس دمِ زندگی کی شام ہو جائے اور جان لو! دنیا سے کوچ کرتے ہی ان سے ربط باہم اور تعلق ختم ہو جاتا ہے۔

کھو یا نہ جا صَنم کدہ کائنات میں!

اے صاحبِ حسن وعشق، صنم کدہ کائنات میں کھو جانے کی قطعی ضرورت نہیں ہے، اصل زندگی تو آخرت کی حیات دائمی ہے ان چیزوں کی صرف اتنی خواہش رکھ جس کی ضرورت دنیا میں ناگزیر ہے، تقویٰ کو شعار زندگی بنا لیجئے! کتنی بڑی سعادت کی بات ہے باریٰ تعالیٰ نے اہلِ تقویٰ کے لیے دنیا وآخرت میں بہت کچھ عطا کرنے کا وعدہ کیا ہے متقی تو دنیا سے خیر، طلب کرتے ہیں آیئے اہلِ پرہیز گار کی صفات اپناتے ہیں یہ کہہ کر اے اللہ! ہم تجھ پر ایمان لے آئے، ہماری تقصیر اور خطا معاف فرما۔ ہمیں آتشِ دوزخ سے محفوظ رکھ!

اہلِ ایمان، اور اہلِ پرہیز گاروں کی صفت تو یہ ہوتی ہے آزمائش کے وقت صبر کرتے ہیں زبان اور قول کے صادق ہوتے ہیں ان میں منافقت کا عنصر نہیں ہوتا، بڑی سے بڑی، کٹھن آزمائش میں بھی اللہ کی راہ میں ثابت قدم رہتے ہیں اور رَبّ کے عطا کردہ مال کو رضائے الٰہی کی خاطر صَرف کرتے ہیں۔ اے کاش! یہ اوصافِ حمیدہ ہم میں بھی آ جائیں! آمین۔

کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی!

راتوں کا پچھلا پہر ہے اور ہم ہیں دوستو! شب کی تنہائی اور ظلمت کی تاریکی میں، رات کے کچھ حصّہ میں اللہ کے حضور، عجز و

اِنکساری کے ساتھ، اہلِ تقویٰ اپنے گناہوں اور خطاؤں کی معافی طلب کرتے ہیں اور عبادت و ریاضت میں لگے رہتے ہیں ایسے ہی افراد کے لیے اللہ کی نعمتیں ہیں پارہ ۲۹ سورۃ مُزَّمِّلُ آیت نمبر ۲ اور ۳ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قُمِ الَّيۡلَ اِلَّا قَلِيۡلًا ۙ‏ نِّصۡفَهٗۤ اَوِ انْقُصۡ مِنۡهُ قَلِيۡلًا ۙ‏

''رات کو تھوڑی دیر کھڑے رہو۔ نصف رات کو یا اس سے کچھ کم۔'' (سورۃ مزمل آیت نمبر ۲،۳)

راتوں کو اٹھ اٹھ کر اللہ کی عبادت کرنا، اپنے نفس پر بھی قابو پانا، یہ سب صفات اہلِ تقویٰ کی ہیں جن کو یہ سعادت مل جائے ان کا کیا کہنا، بقول شاعر مشرق علامہ اقبال

ع عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو کہ غزالی ہو

کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی اقبالؔ

اے اہلِ آرزو! قربان جائیے، شان کریمی کے، حق تعالیٰ خود اپنی توحید کے بارے میں گواہی دے رہا ہے

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ

''اللہ تعالیٰ شہادت دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں'' (آیت ۱۸ آلِ عمران)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک، انسان کے لیے صرف ایک ہی طریق زندگی، ایک ہی طریقہ حیات درست ہے وہ یہ کہ انسان اللہ کو اپنا مالک کُل اور حقیقی معبود تسلیم کرے اور جو فرقان حمید آقائے نامدار ﷺ پر نازل ہوا ان کی تعلیمات پر صدقِ دل اور دل کی گہرائی اور گیرائی کے ساتھ عمل کرے اور اللہ کی اطاعت اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو شعارِ زندگی بنائے اسی نظام فکر و عمل کا نام دعوتِ حق، دعوت دین ہے۔ جس کو اسلام کہا جاتا ہے۔

حقیقی اسلام وہ ہے جو محمد ﷺ لے کر آئے ہیں!

اے اہلِ آرزو! اسلام، تمام تر کائنات کا دین ہے ہر دور میں، ہر زمانے میں جتنے نبی، رسول علیہم السلام اور نیک لوگ آئے انہوں نے دینِ اسلام کی ہی دعوت دی ہے اچھی طرح جان لو! منکرین حق کا انجام نہ صرف حسرت ناک ہوگا بلکہ عبرت ناک ہے اور ہوگا۔

سورۂ الرحمٰن پارہ نمبر ۲۷ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ آیت نمبر ۹ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَاَقِيۡمُوا الۡوَزۡنَ بِالۡقِسۡطِ وَلَا تُخۡسِرُوا الۡمِيۡزَانَ‏ ۝

''انصاف کے ساتھ، ٹھیک ٹھیک وزن قائم رکھو، اور تول میں کمی نہ کرو''۔ (سورۂ الرحمٰن آیت نمبر ۹)

اسلام کے نظام عدل و انصاف کو سمجھو! اور خوب سمجھو!

دعوتِ اسلام کا پیام یہ ہے کہ دنیا جو افراط تفریط، معاشی ناہمواری اور بے اعتدالیوں کا فتنہ برپا کر چکی ہے اس میں توازن برقرار رکھا جائے اے اہلِ کتاب! تم کو معلوم ہونا چاہیے حقیقی اسلام وہی ہے جو ختم المرتبت حضرت محمد ﷺ لے کر آئے ہیں، وہ نہیں جس کا تم دعوٰی کرتے ہو، تم اہلِ ایمان، کی طرح اللہ کے مطیع ہو جاؤ تو راہِ ہدایت پالو گے! اگر تم کو دعوتِ اسلام جو باری

تعالیٰ کے محبوب ﷺ نے دی ہے وہ قبول نہیں تو، ہم تو اتنا ہی عرض کریں گے ہمارا کام حق تعالیٰ کے احکام بتادینا ہے باقی ہدایت اللہ کے دائرہ اختیار میں ہے اللہ ہر ایک کے ظاہری، باطنی رُموز اور حالات کو خوب اچھی طرح جانتا ہے اور دیکھ رہا ہے۔

قرآن کی دعوت، دراصل وہی دعوتِ فکر وعمل ہے جو توراۃ اور اِنجیل کی تھی!

اے یہود ونصاریٰ! ذرا قرآن کی دعوتِ فکر وعمل تو سنو! اللہ کے احکام کو فراموش کر کے اس کے نبیوں اور نیک لوگوں کے مقابلہ کے لیے مدِ مقابل آنا، اور حق انصاف کی بات کرنے والوں سے آمادۂ فساد، وقتال ہونا، سرَاسر ظلم ہے ایسے لوگوں کے لیے دَردناک عذاب ہے۔ اے اہلِ علم! یہود ونصاریٰ کیا تم خود ہی اپنی خواہش نفس کے تابع ہو کر اپنی ہی کتاب کے احکامات سے رُوگردانی کرتے ہو اور اس میں تبدیلی اور رَدوبدل کے مُرتکب ہوتے ہو! تم تو عجیب وہم وگمان اور خیالِ خام میں پڑ گئے ہو ہماری نسبت فلاں سے ہے اور ہمیں جہنّم کی سزا نہیں مل سکتی! اور ہمارے لئے تو جہنّم چند دنوں کی ہے پھر سیدھے بہشت میں جائیں گے! خدارا! قیامت کے ہولناکی کے منظر اور پسِ منظر کے نتائج پر تو توجّہ دو، کتنے ناداں ہو، تو تم اللہ کے باغی اور نافرمانوں کو اقتدار اور حکومت میں دیکھ کر فریب کھا رہے ہو اللہ کے نیک بندوں کی آزمائش فقر وفاقہ کی زندگیاں تمہیں اس غلط فہمی میں مبتلا کر رہی ہیں۔ اللہ نے تو قرآن میں واضح طور پر بتادیا ہے۔ پارہ نمبر ۲۹ تَبٰـرَکَ الَّـذِیْ سورۃ الملک آیت نمبر ۲ میں ارشادِ ربّانی ہے

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط

''اسی نے زندگی اور موت کو پیدا کیا، تا کہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون اچھے عمل کرتا ہے''۔ (سورۂ ملک آیت نمبر ۲)

اے صاحبِ آرزو! حکومت واقتدار، عزّت وذلّت، شہرت رُسوائی، اللہ کے اختیار میں ہے، سب کچھ باریِ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے ہر نیکی اور بدی اللہ کے اختیار میں ہے ہمیں اس بات کی تلقین کی جارہی ہے تمام کائنات کا حقیقی مالک اللہ ہے جو اللہ کو بھلا کر اپنی خواہش نفسانی پر عمل کرے گا اس کا اقتدار، عزّت وحشمت تو چلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ آج ہے کل نہیں ہوگی۔

اللہ کی قدرتِ کاملہ تمام عالم پر مُحیط ہے

اللہ کی قدرتِ کاملہ تمام عالم پر مُحیط ہے۔ عناصر، قوتیں، حکومتوں کا اقتدار عالمِ افلاک اور رُوحانیت سب کچھ تو باری تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے اے اللہ! تیری حکومت سب پر جاری وساری ہے اور تو تو جس قدر چاہے اپنی رحمتِ خاص سے اتنا بخش دے کہ مخلوق اس کے حساب تک سے عاجز آجائے۔

اے طالبِ حُسن وعشق! مؤمن کو صرف مؤمن سے دوستی زیب ہے۔ کُفّار کا ساتھی، مؤمنین کی دوستی سے محروم ہوجائے گا، کافر کو رفیق کہنا خود بھی تو بُری بات ہے اگر کوئی کفّار سے دوستی کا دم بھرے گا تو اللہ تعالیٰ سے اس کی دوستی کا کوئی تعلق نہیں۔

اے حق کے طالبو! ذرا توجّہ کی ضرورت ہے دِلی دوستی، قلبی لگاؤ، رشتہ داری یہ صرف مؤمنین کے ساتھ مخصوص ہے غیر مسلم سے کسی طور، کسی حال قطعاً جائز نہیں۔ بحیثیت انسانی ہمدردی، وہ جذبۂ خیر خواہی یہ سوائے اہلِ حرب! جو مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہوں ان سے نہیں، دوسروں سے جائز ہے۔ رہا سوال، درجۂ مدارات کا، گویا خُوش خلقی، خُوش کلامی اور دُوستانہ سُلوک و

برتاؤ، یہ تمام غیر مسلموں کے ساتھ اس حد تک جائز ہے ان کے مذہب کو کوئی تقویت نہ پہنچے اگر ایسا ہو تو یہ بھی جائز نہیں۔

جہاں تک درجہ معاملات کا تعلق ہے کاروباری سرگرمیاں، تجارتی طریقہ لین دین، ملازمت، مزدوروں، صنعت وحرفت میں تعاون کاروباری معاملات کے تحت، یہ سب غیر مسلموں سے ایسی صورت حال میں جائز ہے کہ کسی مسلمان کا اس میں خسارہ نہ ہو خود عہدِ رسالت مآب ﷺ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے میں مسلمانوں کے کفّار سے تعلقات بہترین نمونہ ہیں حقیقتِ احوال تو یہ ہے کہ مؤمن کی تمام تر زندگی ایک مقصد کے گرد گھومتی ہے مؤمن کی دوستی اور دشمنی صرف اور صرف اللہ کے لیے ہے لیکن ہم یہود ونصاریٰ اور کافروں اور ہنود کے ساتھ دلی دوستی کا دم بھرتے ہیں جانے ہمیں کیا ہوگیا اقتدار کی طلب، حکومت کرنے کی خواہش نے ہمارے ذہن رسا کو یکسر بدل دیا ہے بلکہ تاریخ شاہد ہے کہ ظلم وتشدد کرنے والوں کا انجام عبرت ناک ہے۔ کفر والوں کے ساتھ دوستی رکھنا۔ سوائے ظلم اور خسارے کے اور کیا ہے باوجود اس کہ ہمارا یہ عالم ہے بقول حمایت علی شاعر۔

ع   شاعر ان کی دوستی کا اب بھی دم بھرتے ہیں آپ
ٹھوکریں کھا کر تو سنتے ہیں سنبھل جاتے ہیں لوگ

یہ بات یقینی ہے ایک روز ایسا بھی آئے گا ہر شخص اپنی کی ہوئی کمائی بھلائی کو خود اپنے سامنے موجود پائے گا اور ایسی طرح جو بُرائی کی ہوگی وہ بھی سامنے خود آجائے گی۔

یہ تو عین ممکن ہے کہ کوئی اپنے دل کی بات لوگوں سے پُوشیدہ رکھے، لیکن وہ اللہ سے نہیں چھپا سکتا! یوم قیامت ہر شخص کی اچھائی اور برائی کا حساب سامنے آجائے گا وہ دن فیصلہ کا ہوگا اور سخت المناک عذاب کا، اللہ ہمیں اپنی دامنِ رحمت میں رکھے آمین۔

حضور اکرم ﷺ کی اطاعت میں ہی باری تعالیٰ کی محبت مُضمَر ہے۔

اے اہلِ آرزو! محبت تو صرف باری تعالیٰ سے ہونی چاہیے! معیار محبت یہ ہے کہ حضور پُرنور ﷺ کی بھرپُور اطاعت اور اتباع کی جائے۔ کسی دوسرے کی بات ماننا، اور دیگر نظریات سے تعلق باہم ایمان سے انحراف ہے۔ کامل ایمان کی علامت تو یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی لائی ہوئی نور ہدایت کو اپنی اپنی متاعِ عزیز کے لیے مشعل راہ بنائے۔

جو حضور ﷺ کی رَسالت اور تعلیمات کا مُنحرِف ہے وہ اللہ کا محبوب نہیں

روشنی کا یہ سفر، تقاضائے محبت کی علامت ہے اس محبت کا صلہ تو یہ ہے کہ رَبّ بھی اس سے محبت کرے گا۔ ذرا اُس دور کے یہودی اور عیسائی کا یہ دعویٰ تو دیکھیے ہم حق تعالیٰ کے فرزند ہیں اور محبوب ہیں یہ بات وضاحت کے ساتھ بیان کردی گئی ہے جو حضور ﷺ کی رسالت، اور تعلیمات کے منحرف ہے وہ کسی طور اللہ کا محبوب نہیں! عیسائیوں کے غلط عقیدہ کی، حرفِ غلط کی طرح تردید کی گئی ہے، ستم ظریفی تو دیکھیے وہ حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام کو بندہ اور رسول تسلیم کے بجائے اللہ کا بیٹا اور ربّ کے کاموں میں شریک تصوّر کرتے تھے، بھلا ان کو اتنی بات بھی نہیں معلوم کہ حضرت آدم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، آل ابراہیم علیہ السلام اور آلِ عمران سب ہی نبی اور رسُول بشر تھے، ایک نسل کے بعد دوسری نسل سے معرض وجود میں آئے، یہی تو ان کی صفتِ کاملہ تھی کہ رَبّ نے ان

سورۃ آل عمران پارہ (۳) تلک الرسل آیت ۱ تا ۳۲ رکوع ۲ کاخلاصہ

سورۃ آل عمران پارہ (۳) تلک الرسل آیت ۳۱ تا ۳۲ رکوع ۲ کاخلاصہ

کو بنی نوع بشر کی اصلاح کے لیے چُن لیا۔

جب عیسیٰ علیہ السلام کی نانی اور عمران بن ماثان اور (ماثان جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے) کی زوجہ عمران نے اولادِ نرینہ کی نذر مانی کہ اس بچے کو اللہ تعالیٰ کے نام پر وقف کر دوں گی یہ ہر وقت عبادت اور خدمتِ کلیسا میں مصروف رہے گا لیکن اس خواہش کے برعکس لڑکی تولد ہوئی، اللہ کا ارشاد ہوا، یہ بیٹی برکت والی ہے۔ حضرت عمران دورانِ حمل وفات پا چکے تھے۔

حدیثِ مبارکہ میں آیا ہے کہ ہر بچے کو، ولادت کے وقت شیطان ضرور مَس کرتا ہے مگر حضرت مریم علیہا السلام اور ان کا بچہ اس سے محفوظ رہے یہ ایک نیک اور برگزیدہ خاتون کی دعا کی تاثیر تھی، حضرت مریم علیہا السلام بیت المقدس کی عبادت گاہ (ہیکل) میں مصروف عبادت رہیں اور حضرت زکریا علیہ السلام انبیاء بنی اسرائیل کے مشہور نبی حضرت یحییٰ علیہ السلام کے والدِ محترم، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت آپ ہی کے ذِمّہ رسپرد تھی، حضرت محمد ﷺ کا ارشاد گرامی ہے حضرت زکریا علیہ السلام نجار، بڑھئی کے پیشے سے وابستہ تھے زکریا عجمی نام ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی یہ آرزو تھی کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ابھی تک کوئی اس نبوّت کے علم کا وارث نہ تھا چنانچہ انہوں نے حضرت مریم علیہا السلام کے اوصاف حمیدہ سے متأثر ہو کر دعا طلب کی اے باری تعالیٰ! مجھے ایک نیک اولاد سے سرفراز کر دے، ان کے کوئی اولاد نہ تھی بیوی بانجھ تھیں خود ضعیف تھے حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا مبرور ہوئی اور اللہ نے انہیں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کی بشارت دی، حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کا تذکرہ اس لئے ہوا کہ عیسائیوں کے باطل عقیدہ کی وضاحت ہو جائے جو وہ حضرت مسیح ابنِ مریم علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا اور الٰہ سمجھتے تھے۔

حضرت مسیح ابنِ مریم علیہ السلام کی ولادت بہ سعادت ایک معجزہ ہے!

حضرت مریم علیہا السلام کو باری تعالیٰ نے برگزیدہ بنایا اور اُن کو تمام کائنات کی عورتوں پر فوقیت عطا کی، جب مریم علیہا السلام کو حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی بشارت کی نوید دی گئی تو حضرت مریم علیہا السلام نے کہا یہ کیونکر ممکن ہے مجھے کسی مرد نے چُھوا تک نہیں، رَبِّ کائنات نے کہا اس بچّے کی ولادت پر تعجب کی کوئی بات نہیں ہے اس بچّے کو دنیا و آخرت میں عزّت و حشمت ملے گی، وہ خود ہی کلام کرے گا۔ اللہ کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی کام کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو صرف حکم دیتا ہے ہوجا! بحکم رَبی وہ کام ہو جاتا ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت بہ سعادت اور ان کی تعلیمات ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ سچّے نبی تھے اور اس دینِ اسلام کی گفتگو کرتے، جو سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور اس سے بیشتر تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام لے کر آئے تھے، ایک بڑی دلیل ان کی صفات اور معجزات ہیں جو رَبِّ کائنات نے ان کو سرفراز فرمائیں۔ بحیثیت رسول بنی اسرائیل انہوں نے کہا۔

☆......میں منجانب اللہ، کتاب وحکمت، مخصوص طور پر تورات اور انجیل کا علم لے کر آیا ہوں۔

☆......میں بہ اِذْنِ رَبی مُردوں کو زندہ کر دیتا ہوں۔

☆......میں تمہارے سامنے مٹی سے پرندہ کی صورت بناؤں گا پھر اس پر پُھونک ماروں گا تو رَبّ کی اجازت سے وہ پرندہ

بن جائے گا، زندہ سلامت، یہ پھونک مارنا میرا معجزہ ہے۔

☆...... نیز میں مادرزاد اندھوں اور کوڑھوں کے مرض میں مبتلا لوگوں کو تندرست کر دوں گا۔

☆...... تم اپنے گھروں سے جو طعام کھا کر آئے اور باقی جو چھوڑ آئے ہو وہ بھی بتا دیتا ہوں۔

حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ کی معجزانہ پیدائش اور ان کی تعلیمات اور معجزات کا ما حصل اور مقصد تو یہ تھا کہ انسان دوسرے انسان کی غلامی سے نجات پا کر، اندھی تقلید کے بجائے درست سمت میں ربّ جلیل کی تعلیمات کے مطابق سیدھی رُوش اختیار کرے لیکن انہوں نے سیدھی راہ اختیار کرنا تو درکنار، کافروں نے خفیہ چال چلی، انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف سازش کی، بادشاہ کو باور کرایا یہ شخص ملحد ہو گیا ہے تورات میں تبدیلی کر کے دین کو ختم کرنا چاہتا ہے اُن کی گرفتاری اور قتل کا حکم حاصل کیا۔ ادھر اللہ کی حکمت اپنا کام سرانجام دے رہی تھی، اللہ کو اُن کو بچانا مقصود تھا اللہ ہی سب سے بہترین تدبیریں کرنے والا ہے۔

حضرت مسیح ابن مریم کی پیدائش مثل حضرت آدم علیہ السلام ہے

سوئے ظن تو دیکھئے، یہاں ذرا رکئے، ٹھہریئے اور سوچ کے پہلو کو اُجاگر کیجئے تو سہی، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اے عیسیٰ علیہ السلام میں تم کو واپس بلانے والا ہوں اور اپنی بارگاہ میں بلند مرتبہ دینے والا ہوں''

یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہا، اور اللہ انہیں نہ صرف بچانا چاہتا تھا بلکہ اپنی عظمت کی ایک علامت، اپنے محبوب نبی ﷺ کی نبوت کے نشان کے طور پر باقی بھی چاہتا تھا کیا شان ہے اور قدرتِ باری تعالیٰ کے مظاہر تو دیکھئے آسمانوں پر اٹھایا جانا، اور پھر نزول، اس کے بعد آغوشِ موت، یہ تمام تر اُمور قدرتِ باری تعالیٰ کے مَظاہر ہیں۔ باری تعالیٰ نے فرمایا لوگوں کے منصوبے اور سازش یتہ خاک ہو جائے گی اے عیسیٰ (علیہ السلام) تمہاری پیدائش کا جو مُدّعا ہے وہ تکمیل پالے گا، اور تمہیں اصل اور صحیح حالت وکیفیت میں اپنی طرف رجوع کر لوں گا وہ بھلا تمہیں صلیب پر چڑھانے کیسے کامیاب ہو سکتے ہیں ذِلّت رُسوائی ان کا مقدّر ہو گی اور انہیں دنیا و آخرت میں سخت سزا دی جائے گی۔

یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجئے حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے بابت، تمام حقائق سے آقائے نامدار محمد ﷺ کو آگاہ کیا، جن کے بارے میں اہلِ کتاب آپ ﷺ سے آمادۂ فساد تھے۔

عیسائیوں کو دعوتِ مباہلہ دی گئی لیکن مباہلہ کی نوبت نہیں آئی!

واضح کیا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے ہیں، اللہ کے بیٹے نہیں! حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دنیا میں آمد، حضرت آدم علیہ السلام سے قدرے مماثلت رکھتی ہے سیدنا آدم علیہ السلام صفی اللہ جب جلوہ فرما ہوئے تو آپ کے نہ والد تھے اور نہ والدہ ماجدہ، بھلا بتائیے تو سہی اس میں حیران کُن ہونے کی کون سی بات ہے مسیح ابن مریم علیہ السلام کے بھی والد نہیں تھے، نہ جانے کیوں لوگوں نے نتیجہ اخذ کیا کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں ایسی تو کوئی بات نہیں گو کہ عیسائیوں کو دعوتِ مُباہلہ دی گئی۔ مباہلہ یہ ہے کہ اپنے اپنے فرزند، اور عورتوں کو دونوں فریق لے کر خود بھی حاضر ہوں۔ شہر سے دور، میدان میں اکٹھا ہو کر جو کاذب ہو، اس پر لعنت ٹوٹ پڑنے کی سب مل کر بددعا کریں۔ حضور پُرنور ﷺ اس فیصلہ مباہلہ کے لیے میدان میں تشریف لائے لیکن عیسائیوں کے کچھ اہلِ

بُرد! اور سمجھدار لوگوں نے شر پسند کو ڈانٹ کر خاموش کر دیا اور پھر مباہلہ کی نوبت نہیں آئی۔

اللہ کی اطاعت کو شعارِ زندگی بناؤ!

جان لو! رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔

اے اہلِ آرزو! باری تعالیٰ کا ارشاد ہے اے اہلِ کتاب! آؤ تو سہی، مان تو جاؤ! ایک ایسی کتاب پر اتفاق رائے ہو جائے جو تمہارے اور ہمارے مابین مسلّم ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا، کسی کی عبادت نہ کریں اور عبادات میں کسی کو اللہ کا شریک نہ بنائیں خواہ صنم ہو! بت ہو! یا شیطان! فرشتہ ہو یا پھر انسان، اور نہ کسی کو وَحدتُ الوجود ہونے میں اس کا شریک ٹھہرائیں تمام کُتُب سماوی میں موجود ہے۔ تورات ہو یا انجیل، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ ہو یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذات صفاتِ باری تعالیٰ، اس کی وحدانیت کا اقرار کرو عبادت کے لائق صرف اللہ، اور اللہ ہے، رَبّ کی ذات شرک سے پاک اور بالاتر ہے۔ اللہ کا تنہا ہونا، یکتا ہونا، اور سب انبیاء کی مشترک دعوت ہے اور یہی دعوتِ تعلیم، اسلام بھی دے رہا ہے تو آؤ تو سہی، متفق ہو جائیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو شعارِ زندگی بناؤ۔ اچھی طرح جان لو! رسول اللہ ﷺ کی اطاعت، اللہ کی اطاعت ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص خلافِ شرع حکم کرے تو اس کی اطاعت جائز نہیں! حدیثِ مبارکہ میں ارشاد نبی ﷺ ہے۔

لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق او کما قال

اللہ کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔ الحدیث

اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے کس قدر لطیف احساس کے ساتھ تبلیغ کا طریقہ اور سلیقہ، سکھایا اے رسول (ﷺ!) انہیں معرفتِ حق کی طرف بلایئے انانیّت اور خود غرضی کے خول سے نکالئے جہاں ان کے دل اللہ کے لیے صاف ہوں تو اے حبیب (ﷺ) تیری عظمت سے وہ انکار نہ کر سکیں گے اور انہیں دولت ایمان نصیب اور میسر آئے گی۔

عظمتِ باری تعالیٰ سے دلوں کو منوّر کیا جائے۔

دعوتِ دین کے طریق کا اصول یہ ہے کہ عظمت باری تعالیٰ سے دلوں کو آشنا کیا جائے۔ اور قلب کو منور کیا جائے غیر اللہ سے امید مبہم کا سلسلہ منقطع کیا جائے اللہ کی توحید کو تسلیم کر کے حضور انور ﷺ کی اتباع اختیار کی جائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جس دین کے داعی ہیں وہ تو دین حنیف ہے!

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے اے اہلِ کتاب! تمہیں (سیدنا) ابراہیم (خلیل اللہ علیہ السلام) کے دین کے بارے میں جھگڑا کرنے کا حق حاصل نہیں ہے تمہاری حالت تو یہ ہے تورات اور انجیل کی تعلیمات کو محفوظ نہ رکھ سکے بھلا سوچو تو سہی! تم سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی بات کس طرح کرتے ہو! کیا ستم ظریفی ہے یہود بھی اُن کے طریقہ پر چلنے کے دعویٰ دار ہوں اور نصاریٰ بھی ہوں! حالانکہ تورات اور انجیل تو اُن کے بعد نازل ہوئیں، ایک محتاط تاریخی اندازے کے مطابق تقریباً ایک ہزار سال بعد، حضرت موسیٰ علیہ السلام جلوہ فرما ہوئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُن کے بھی دو ہزار سال بعد تشریف لائے۔

دین کے معاملات میں تمہارا اتباعِ ابراہیمی کا دعویٰ جہالت نہیں تو اور کیا ہے! کیا تمہیں اتنی سی عقل نہیں! ایک غلام آدمی بھی اس حقیقت سے انکار نہیں یہودی اور نصرانی مذہب نہ تھا، تمہاری یہ گروہ بندیاں، درجہ بندیاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سینکڑوں برس کے بعد کی اِختَراع ہیں۔

اس اُمّت کے ہادی برحق حضرت محمد ﷺ "دعائے خلیل" کے مطابق مبعوث ہوئے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سیکڑوں سال بعد، موسوی تعلیم میں اختلاف کے بعد، بلکہ یوں کہیے! بگاڑ کے وقت یہودیت نے جنم لیا، اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے تقریباً دو ہزار پانچ سو سال بعد، تعلیم عیسوی میں، بگاڑ کی صورت میں عیسائیت معرضِ وجود میں آئی، ذرا دیکھئے تو سہی! دونوں فرقے / طبقے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہودی اور عیسائی بتانے میں اپنا علم استعمال کرتے ہیں باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ "اہلِ کتاب ہو کر ایسی خلافِ عقل بات کیوں کرتے ہو"

حضرت ابراہیم علیہ السلام تو سیدھے سادے مسلمان تھے اور اللہ کے مطیع تھے، ان کی نسبت دعویٰ تو اسی کو زیب ہے جو ان کی اتباع کرے، اُن سے نسبت کے داعی تو وہ لوگ ہیں جو خاتم النبین حضرت محمد ﷺ پر ایمان لائے اور آپ کی اُمّت ہونے کا جن کو شرف ہوا، سبحان اللہ وبحمدہٖ اس اُمّت کا ہادی برحق حضرت محمد ﷺ "دعائے خلیل" کے مطابق مبعوث ہوئے۔

اے اہلِ کتاب! مانا کہ تم میں بعض کی یہ آرزو ہے! جس طرح وہ خود گمراہ ہیں! اسی طرح سے مسلمانوں کو بھی راہِ حق سے ہٹانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ لمحے بیت گئے، صدیاں بیت گئیں، جو تم جان بوجھ کر آیات باری تعالیٰ کا انکار کرتے رہے۔ تمہیں تو کچھ خبر ہی نہیں ان باتوں کی، ہوش وخرد سے کام لو! اے اہلِ کتاب! اللہ سے حیا کرو! حق کو باطل کے ساتھ ملاتے ہو، تمہاری اپنی کتابوں میں بعثت محمدی ﷺ کا ذکر موجود ہے۔ ذکرِ حبیب ﷺ موجود ہے پھر قرآنِ حمید کا اللہ کی کتاب ہونا بالکل واضح ہے! حق کو کیوں جان بوجھ کر چھپاتے ہو! آقائے نامدار محمد ﷺ کے اوصافِ حمیدہ جو تمہاری کتابوں میں موجود ہیں کیوں ظاہر نہیں کرتے!

یہود کی سازش، خلافتِ راشدہ میں تاریخ عالم پر اُبھری،

ہزاروں مسلمانوں کو خاک وخون میں ملا گئی اور سانحۂ کربلا تک جا پہنچی!

یہود کی سازش کا اندازہ تو کیجیے! یہود کو مسلمانوں کو راہِ حق سے ہٹانے کے لیے ایک ترکیب سوجھی، وہ یہ کہ اسلام کو قبول کر لو! مسلمانوں کے ساتھ ہو جاؤ، پھر کوئی نہ کوئی اعتراض اٹھا کر مسلمان ہونے سے انکار کر دو! نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمان بدگمان ہوں گے اُن کے ذہنوں میں شک وشبہ پیدا ہو جائے گا وہ اسلام سے کُفر کی طرف مائل ہو جائیں گے یہود کی یہ کوشش عبداللہ بن سبا کی صورت میں ابھری، دور خلافتِ راشدہ شہادت امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت اس کی مثال ہے آخر کار خلیفہ چہارم حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اسی کا شکار بنے اور ہزاروں مسلمانوں کو خاک وخون میں ملا گئی بالآخر سانحۂ کربلا تک جا پہنچی! بقول مولانا محمد علی جوہر

ع اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

اے اہلِ آرزو! ذرا یہودیوں کی سازش تو دیکھیے! فیصلہ کیا صرف اس شخص کو دل سے قبول کر لو جو تمہارے مذہب کو قبول

کرے، ورنہ مسلمانوں کوفریب/دھوکہ میں رَکھو!۔

ہدایت تو وہی ہے جواللہ کی طرف سے ہو!

ارشادِ باری تعالیٰ ہے اے حبیب ﷺ! آپ فرما دیجئے۔

''اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ لا '' ''ہدایت تو وہی ہے جواللہ کی طرف سے ہو''

اور یہ بھی تو کہو جو کچھ اللہ کی طرف سے تم کو پہلے ملا تھا ایسا ہی کسی دوسرے کو آج مل گیا۔

اے طالبِ حُسن وعشق! بات سچ کہتا ہوں ذرا غور سے سُنو! اللہ کا دین تو یہ ہے کہ جس کسی نے اپنا وعدہ اقرار وفا لے کر اللہ کی توحید، اس کے انبیائے کرام کو تسلیم کیا، بہ رغبت دل و جان! اپنی حیات کو ربّ کے حکم کے مطابق گذارا کُفر وخیانت سے دامن بچاتا رہا، تو یقیناً اللہ ایسے اہلِ تقویٰ کو پسند کرتا ہے۔

کافر کو آخرت میں اچھائی کا اُجر نصیب نہیں! اجرِ آخرت کا مدار عقیدہ پر ہے اگر آخرت کو کوئی مانتا ہی نہیں یا ایسا نہیں جانتا جیسے محمد مصطفیٰ ﷺ نے ماننے کا حکم دیا ہے تو پھر وہ شخص اجرِ آخرت سے محروم رہا۔

خدارا! اس بات کو سمجھنے کی کوشش کیجئے! اولیاء اللہ کو القا/الہام ہو جاتا ہے تو انہیں شرعی معاملات کی تشریح توضیح یا اُن پر قائم رکھنے کا مُوجب ہوتا ہے کسی کا اِلہام/القا خلاف شریعت قابل قبول نہیں! اصل ارشادات محمد رسول اللہ ﷺ کے ہیں جب نوعِ بشر کے پاس ربّ کے کلام کو حاصل کرنے کا واحد ذریعہ یہی ہے تو کسی انسان کو جرأت نہیں ہونی چاہیے کہ رَبّ اسے نبوّت اور رسالت عطا کرے پھر وہ لوگوں کو اللہ کی عبادت سے ہٹا کر اپنی پرستش پر لگا لے۔ معاذ اللہ

اللہ والے بن جاؤ، اللہ والے ہو جاؤ اور ربّ کے اطاعت شعار بن جاؤ

انبیاءِ کرام کی تعلیمات کا خلاصہ تو یہ ہے کہ اللہ والے بن جاؤ! مکمل رَبّ کے اطاعت شعار بن جاؤ! کسی نبی کا یہ کہنا نہیں ہے کہ فرشتوں یا اللہ کے نبیوں کو اپنا ربّ مانو! یا اپنی ضروریات کا کفیل سمجھو! لوگوں نے غیر اللہ کو رَبّ بنایا اور حاجت روا جانا، یہ کُفر کی بات ہے۔ نبی کا کام تو مسلمان بنانا ہے۔ وہ تو صرف اللہ والا بنانے کی دعوتِ عمل وفکر کو برقرار رکھنے کے لیے کتاب دانائی اور نبوّت لے کر آتا ہے۔

تمام اَنبیاء اور رُسل کی بعثت کا واحد مدعا اقامتِ دین اور تبلیغِ دین ہے۔

دعوتِ حق کے بنیادی اور اساسی اصول کو سمجھا جائے تو پتہ چلتا ہے تمام انبیاء ورُسل کی بعثت کا واحد مدعاء، اقامتِ دین اور تبلیغِ دین ہے۔ تمہارے پاس اللہ کا رسُول آئے جو تمہاری بھی تصدیق کرنے والا ہو، تو تمہیں ایمان لانا ہوگا اور اس کا ساتھ دینا ہوگا۔

اے اہلِ آرزو! اتنا تو یاد رکھئے! کتاب کے ساتھ، حکمت اور دانائی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کتاب الٰہیہ کے معانی و مفاہیم بھی مِنْ جانب اللہ، حکمت کے نام سے نبی اور رسول کو بتائے جاتے ہیں اور کوئی ایسا مفہوم اور معنیٰ پیغمبر کے ارشاد کردہ معانی کے عین مطابق نہ ہو ہرگز قابلِ قبول نہیں! اصل فیضانِ باری تعالیٰ کو عطا ہوا، اس تمام کا واحد، واسطہ اور

سلسلہ محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ بابرکت صفات ہے جو عطائے رَبّ کی اصل رحمت ہے نبوّت ہو، رسالت ہو، یا قُربِ باری تعالیٰ کے مرحلے اور منازل، یا جنّت الفردوس جملہ عطائے بخشش کی اساس رحمت ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ رحمتِ مجسّم۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''آپ (ﷺ) کہہ دیجئے! ''ہم مانتے ہیں اور تمام نبیوں کو اُن کے رَبّ کی طرف سے جو کچھ ملا ہم نے سب کچھ مان لیا ہم کسی نبی پر فرق نہیں کرتے''

اے طالبِ حُسن وعشق! ہم تو اللہ کے فرمانبردار ہیں۔ ہمیں نبی نے توحید کی دعوت دی، اور اپنی نبوّت کا اقرار لیا اور محمد ﷺ کی نبوّت کا اقرار لیا، عبادات اور فروعات ہر دور، ہر زمانے اور ہر قوم کے لیے اپنے تھے، گویا جب بھی کوئی نبی مبعوث ہوا اس کی تابعداری کا نام اسلام ہے اب تمام انبیاء، رسل علیہم السلام پر ایمان اور حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی اطاعت اسلام ہے ابھی خواہ کچھ بھی ہو، اس کے سوا، دوسری راہ اپنانا، کسی صورت قابلِ قبول نہیں، بلکہ وہی انسان اور فرد ابدی اور دائمی خسارے اُٹھانے والا ہوگا اور ہمیشہ کی ذِلّت آمیز بربادی کا شکار! سب کچھ کرگزرنے کے بعد بھی توبہ کرلے تو مغفرت سے محروم نہ رہے گا جو لوگ ایمان لانے کے بعد مرتد ہوئے تو ایسوں کی توبہ بھی قبول نہ ہوگی، ایسے ہی لوگ گُم کردہ منزل ہیں جن لوگوں نے کُفر کیا، اور اسی پر مرے، یعنی کُفر پر موت آجائے تو نجات کی کوئی راہ نہیں! انہیں سزا بھی دردناک ہوگی اور جہنّم میں ہمیشہ کے لیے ٹھکانہ ہوگا۔

الحمدللہ تیسرا پارہ تِلْکَ الرُّسُلُ اختتام پذیر ہوا

محمد لقیط خان

المرقوم شب جمعہ

۷/ رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ

رموزِ اوقاف قرآنِ مجید

ہر زبان کے اہل زبان، جب باہم گفت وشنید کرتے ہیں تو کہیں کہیں رُک (ٹھہر) جاتے ہیں کہیں پر رُکنا، اور ٹھہرنا کم ہوتا ہے۔ کہیں پر تو زیادہ ٹھہر جاتے ہیں۔ اور کہیں پر بالکل کم ٹھہرتے ہیں۔ گو صحیح اندازِ گفتگو، اور بیان کا صحیح مطلب سمجھنے میں اس اندازِ تکلّم اور اندازِ تخاطب کو بڑا دخل ہے۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ قرآنِ حکیم کی عبارت بھی گفتگو کے انداز کی بھرپور نمائندگی کرتی ہے۔ اسی لئے اہل علم نے اس کے ٹھہرنے، اور نہ ٹھہرنے کی مختلف علامتیں مقرر کردی ہیں۔ ان علامات کو رموزِ اوقاف قرآنِ مجید کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت کی سعادت حاصل کرنے والوں کے لئے یہ امر ضروری ہے اِن رموز کو تلاوت کرتے وقت ملحوظ رکھیں۔ یہ علاماتِ رموز درج ذیل ہیں۔

ο...... چھوٹا سا دائرہ وہاں لگا دیتے ہیں جہاں بات پوری ہوجاتی ہے۔ دراصل گول (ت) جو بصورت (ۃ) لکھی جاتی ہے۔ اور یہ وقفِ تام کی علامت کہلاتی ہے اس علامت پر ٹھہرنا چاہیے، اب (ۃ) تو لکھنے کا رواج نہیں رہا۔ اب (ۃ) تو نہیں لکھی جاتی ہے چھوٹا سا ''دائرہ'' بنادیا جاتا ہے اس کو آیت کہتے ہیں، دائرہ پر اگر کوئی علامت نہ ہو تو ٹھہر (رُک) جانا چاہیے، ورنہ علامت کے مطابق عمل کیا جائے۔

یہ بات یادرکھنے کی ہے کہ علامت ''ο'' دائرہ آیت کے ختم ہوجانے کی نشانی ہے۔

جہاں صرف علامتِ دائرہ ہو، وہاں پہنچ کر ٹھہر جانا چاہیے۔ دائرے کے اوپر ''لا'' درج ہو تو ٹھہرنا اولیٰ ہے۔ ضرورت ہو تو ٹھہر لیا جائے تو کچھ حرج نہیں، دائرے پر جو رمز وقف بھی ہوگی۔ وقف ووصل کے لئے اسی کا اعتبار ہوگا۔ یہ آیت کوفی ہے۔ اس کا حکم بھی وہی ہے جو دائرہ کا ہے۔

م...... لفظ لازِم کا مختصر ہے۔ اس رمز سے پہلے کلمے پر ''ٹھہر'' جانا لازمی ہے۔ گویا یہ علامت وقفِ لازم کی ہے۔ اس پر ضرور ٹھہرنا چاہئے، اگر نہ ٹھہرا جائے تو احتمال یہ ہوسکتا ہے کہ مطلب کچھ کا کچھ ہوجائے، اس کو یوں سمجھنا چاہیے کہ کسی سے یہ کہنا ہو کہ ''اٹھو۔ مت بیٹھو'' جس میں قواعدِ گرائمر کے لحاظ سے 'اٹھنے' کا اَمر اور 'بیٹھنے' کی نَہی ہے۔ تو اٹھو، پر ٹھہرنا لازم ہوا، اگر ٹھہرا نہ جائے تو ''اٹھو مت۔ بیٹھو'' ہوجائے گا۔ جس میں ''اٹھنے'' کی نَہی اور بیٹھنے کے اَمر کا احتمال ہے۔ اور یہ قائل کے مطلب کے خلاف ہوجائے گا۔

ط...... وقفِ مطلق کی علامت ہے مُطلَق کا مخفف ہے اس رمز سے پہلے کلمے پر مطلقاً ٹھہر جانا چاہئے۔ یہ علامت وہاں ہوتی ہے جہاں مطلب واضح اور پورا نہیں ہوتا، اور بات کہنے والا ابھی مزید کچھ اور کہنا چاہتا ہے۔

ج...... وقف جائز کی علامت ہے یہاں ٹھہرنا بہتر اور نہ ٹھہرنا جائز ہے۔

ز...... یہ علامت وقفِ مجوّز کی ہے۔ یعنی یہ وقفِ جائز کی رمز ہے۔ یہاں نہ ٹھہرنا بہتر ہے۔ یہاں سے تجاوز کر جانا، یعنی گزر جانا چاہئے۔

ص...... یہ علامت وقف مرخص کی ہے۔ یہ لفظ مُرَخَّص کا مختصر ہے، یہاں ملا کر پڑھنا چاہئے۔ لیکن پڑھتے پڑھتے، سانس ختم ہوجائے یا کوئی تھک کر ٹھہر جائے تو "ص" کی رمز وقف سے پہلے کلمے پر ٹھہر جانے کی رخصت ہے۔

صلے...... یہ اَلۡوَصَلُ اَوۡلٰی کا مختصر ہے۔ وَصَلُ وہ مقام جہاں ملا کر پڑھنا بہتر ہے۔

ق...... قِیۡلَ عَلَیۡہِ الۡوَقۡفَ ۔ (کہا گیا کہ اس مقام پر وقف ہے) یہاں ٹھہرنا نہیں چاہیے۔

صل...... قَدۡیُوۡصَلُ کا مخفف ہے یہاں ٹھہرا بھی جاتا ہے اور کہیں نہیں، بوقت ضرورت وقف کر سکتے ہیں۔

قف...... یہ لفظ قِف ہے۔ یُوۡقَفُ عَلَیۡہِ کا مخفف، جس کے معنی ہیں ٹھہر جاؤ یہاں سانس روک کر وقف کرنا چاہیے۔

سکتہ...... یہ سکتہ کی علامت ہے، یہاں سانس لیے بغیر کسی قدر ٹھہر جانا چاہیے، پڑھنے والا، یہاں کسی قدر ٹھہر جائے سانس نہ توڑے۔

وقفہ...... یہ لمبے سکتہ کی علامت ہے، یہاں سکتہ کی نسبت زیادہ ٹھہرنا چاہیے۔ لیکن سانس نہ توڑیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ سکتہ اور وقفہ میں کیا فرق ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ 'سکتہ' میں کم ٹھہرنا چاہیے، اور وقفہ میں قدرے زیادہ۔

لا...... "لا" کے معنی 'نہیں' کے ہیں، 'لا' کی علامت کہیں آیت کے اوپر استعمال کی جاتی ہے، اور کہیں عبارت کے اندر، عبارت کے اندر ہو تو ہرگز نہیں ٹھہرنا چاہیے، آیت کے اوپر تو بعض کا خیال ہے کہ ٹھہرنا چاہیے، بعض کے نزدیک نہیں ٹھہرنا چاہیے، لیکن ٹھہرا جائے یا نہ ٹھہرا جائے اس سے مطلب کی وضاحت میں خلل واقع نہیں ہوتا۔

علاماتِ متفرقہ

ک...... کَذٰلِکَ کا مخفف ہے۔ اس سے مراد یہ لی جاتی ہے کہ جو رمز پہلی آیت میں آچکی ہے۔ اس کا حکم اس پر بھی ہے۔

...... یہ نقطے' تین نقاط والے ہوتے ہیں دو 'وقف' کے قریب قریب آتے ہیں۔ ان کو (مُعَانَقَه) 'معانقہ' یا مُرَاقَبَه کہتے ہیں کبھی اس کو مختصر کر کے (مع) لکھ دیتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ دونوں وقف گویا معانقہ کر رہے ہیں۔ معانقہ حاشیہ پر لکھی جاتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ تین جملوں میں سے جن دو کو چاہو ملا لو۔ حاشیہ پر 'مع' ہوتا ہے دو آیتوں کے درمیان دو مقام پر " " دیئے جاتے ہیں۔

وقف معانقہ میں پہلے تین نقطوں پر وصل کر کے دوسرے تین نقطوں پر وقف کیا جائے، یا پہلے تین نقطوں پر وقف کر کے دوسرے تین نقطوں پر وصل کیا جائے۔

قواعدِ عربی کے چند آسان اصول

۱)......کلمہ: ہر بامعنیٰ لفظ کو "کلمہ" کہا جاتا ہے اس کی تین اقسام ہیں (ا) اسم، (ب) فعل، (ج) حرف۔

(ا) اسم......وہ ہے جو کسی شئے کا نام ظاہر کرے مثلاً کِتَابٌ (کتاب) مَاءٌ (پانی)۔

(ب) فعل......جو کسی کام کے ماضی، (گذشتہ)، موجودہ اور آئندہ ہونے کے معنیٰ کا اظہار کرے۔ ماضی: گذرا ہوا زمانہ، حال: موجود زمانہ، مستقبل: جن میں آنے والا زمانہ پایا جائے، مثال کے طور پر ذَهَبَ: وہ گیا، يَذْهَبُ: وہ جاتا ہے یا جائے گا۔

فصل کی چار اقسام ہیں، ماضی، مضارع، (حال و مستقبل)، امر و نہی

(ج) حرف......جو اسم اور فعل کے مابین رابطہ کا کام سرانجام دے، یا باہم دو اسم کو ملا کر ان کے معانی پورے کرتا ہو، کسی بھی حرف کے معنی دوسرے لفظوں سے مل کر واضح ہوتے ہیں۔

عربی زبان کے چند حروف اور ان کے عمومی معانی: فِيْ (میں) مِنْ سے، كَ مانند، عَلىٰ پر، اِلٰى طرف، عَنْ سے، حَتّٰى تک یا یہاں تک، بِ ساتھ، لِ لئے وغیرہ وغیرہ، الفاظ کے ساتھ مثالیں۔ فِي الْجَنَّةِ: جنت میں، اِلَى الْبَيْتِ گھر تک، عَلَى الْمَلٰئِكَةِ، فرشتوں پر۔

۲)......حرکاتِ عربی......(ـَ) زبر، (ـِ) زیر، (ـُ) پیش، میں سے ہر ایک کو حرکت کہا جاتا ہے، اور اعراب بھی کہا جاتا ہے، دو زبر (ـً) دو زیر (ـٍ) دو پیش (ـٌ) کو تنوین کہا جاتا ہے۔ جس حرف پر تشدید (ـّ) ہو وہ مُشَدَّد کہلاتا ہے، مثلاً مُحَمَّدٌ میں دوسرا "م" مُشَدَّد ہے۔

(ا)......رَفَع یا ضمہ پیش (ـُ) کو کہتے ہیں۔ وہ حرف جس پر (ـُ) پیش ہو مَرْفُوْع کہلاتا ہے اور وہ لفظ بھی مَرْفُوْع کہلاتا ہے، جس حرف کے آخر میں پیش ہو جیسے كِتَابُ یا كِتَابٌ اس میں بُ، بٌ مرفوع ہیں اور كِتَابُ كِتَابٌ دونوں مرفوع ہیں۔

(ب)......نَصْب، فَتْحَه: (ـَ) زبر کو کہا جاتا ہے اور مَنْصُوْب، مفتوح وہ حرف، لفظ ہے جس کے آخری حرف پر (ـَ) زبر یا (ـً) دو زبر ہوں۔ جیسے رَحْمَةَ، رَحْمَةً، میں رَ، مَ، اور ةَ مفتوح ہیں اور رَحْمَةً پورا مفتوح ہے اس لئے کہ آخری حرف پر زبر (ـَ) یا دو زیر (ـٍ) ہیں۔

(ج)......جَر یا کَسرہ (ـِ) کو کہا جاتا ہے مجرور یا مکسور وہ حرف یا لفظ ہے جس پر، یا جس کے آخری حرف پر زیر (ـِ) ہو جیسے نَفْسِ۔

(د)......سُکون: جزم (ـْ) کو کہا جاتا ہے اور مجزوم یا ساکن وہ حرف یا لفظ ہے جس پر، یا جس کے آخری حرف پر جزم ہو، مثال کے طور پر يَفْتَحْ۔

۳)......مذکر اور مؤنث: ہر اسم ان دو حالتوں مذکر اور مؤنث میں ہوتا ہے۔ مذکر کی مثال: رَجُلٌ، مرد، اَحْسَنُ، خوبصورت حسین مرد۔ مؤنث کی مثال:......اِمْرَاةٌ عورت، حُسْنٰى = خوبصورت عورت۔

۴)......واحد: تثنیہ اور جمع، ایک کو واحد، دو کو تثنیہ اور دو سے زائد کو جمع کہا جاتا ہے۔ واحد مذکر کی مثال......عَبْدٌ، بندہ، عَابِدٌ، عبادت گزار۔ واحد مؤنث کی مثال......عَابِدَةٌ عبادت گزار عورت، مُؤْمِنَةٌ، ایمان والی عورت۔

(ا)......تثنیہ بنانے کا قاعدہ: واحد کے آخر میں انِ یا ينِ لگانے سے تثنیہ بن جاتا ہے ان دونوں سے پہلے والا حرف مفتوح ہونا چاہیے۔ مثلاً عَبْدٌ سے عَبْدَيْنِ، اَمَةٌ سے اَمَتَيْنِ۔

(ب)......جمع بنانے کا قاعدہ (یعنی جمع سالم) اسم واحد مذکر کے آخر میں وْنَ بحالتِ رفع یا ينَ (بحالت نصب وجر) بڑھانے سے جمع بن جاتا ہے اسے جمع سالم کا نام دیا جاتا ہے کیونکہ اس میں واحد کی صورت، سلامت رہتی ہے۔ مثال کے طور پر، مُسْلِمٌ سے مُسْلِمُوْنَ، (بحالتِ رفع) یا مُسْلِمِيْنَ، (بحالت نصب وجر) مُؤْمِنٌ سے مُؤْمِنِيْنَ اسم مؤنث ہونے کی صورت میں اس کے آخر میں، ات کا اضافہ ہوتا ہے، یعنی علامت مؤنث کو حذف کر کے، اگر پہلے سے موجود ہو جیسے مُسْلِمَةٌ سے مُسْلِمَ پھر، مُسْلِمَاتٌ۔

(ج)......جمع مکسر: یہ جمع کی ایسی قسم ہے جس کے بنانے کا کوئی خاص/قاعدہ/اصول نہیں، بلکہ یہ صرف سننے پر یا پند مخصوص اوزان پر آتی ہے اسے جمع مکسر کہا جاتا ہے، اس لئے کہ اس میں واحد کی صورت ٹوٹ جاتی ہے مثال کے طور پر، رُسُلٌ، رَسُوْلٌ کی جمع، ہے یاد رہے! بہت سارے لفظوں کی تذکیر و تانیث، وحدت اور جمع غیر قیاسی ہوتی ہے گویا ان کا کوئی قاعدہ/ضابطہ نہیں ہوتا، جس کی روح سے وہ بنیں، ایسے لفظوں کو "سماعی" کہا جاتا ہے

جو اہلِ زبان سے سنے گئے ہوں۔ مثال: خَلِیْفَةٌ واحد مذکر اس کی ۃ تانیث کی نہیں ہے اسی طریقہ سے سَنَةٌ (سال) جو مؤنث ہے اس کی جمع سِنُوْنَ آتی ہے (جو خلافِ قیاس ہے) اِمْرَاۃٌ کی جمع نِسَاءٌ آتی ہے اسی طرح سے اَرْضٌ مؤنث کا صیغہ ہے (جو بظاہر مذکر معلوم ہوتا ہے)

۵)......قیاسی اور سماعی الفاظ: جو الفاظ کسی قاعدہ کی روح سے بنائے جائیں انہیں قیاسی کہا جاتا ہے جو بغیر کسی کُلیہ کے یعنی اہلِ زبان کی گفتگو کے مطابق بولے جائیں انہیں سماعی کہا جاتا ہے۔

۶)......مرکبات: دو یا دو سے زائد کلمات باہم مل کر مرکب بنتے ہیں، مرکب کی دو اقسام ہیں

(ا) مرکب تَامْ: مرکب تام وہ ہے جس میں کوئی بات پوری طور پر سمجھ میں آ جائے مثال: اَللّٰهُ لَطِيْفٌ ، اللہ باریک بین ہے، اَلرَّجُلُ حَسَنٌ ، مرد حسین ہے۔

(ب)......مرکب ناقص: مرکب ناقص وہ ہے جس میں بات پوری طور پر سمجھ میں نہ آ سکے، بلکہ وہ بات ادھوری ہی رہے۔ مثال: رَجُلٌ حَسَنٌ ، (کوئی ایک خوبصورت مرد) مرکب ناقص کی کئی قسمیں ہیں پہلے کی صفت/خوبی بتائے مثال: رَجُلٌ ، صَالِحٌ ، کوئی ایک نیک مرد، یہاں لفظ صَالِحٌ لفظ رَجُلٌ کی خوبی نیکی کا اظہار کرتا ہے۔ پہلے لفظ کو موصوف اور دوسرے کو صفت کہتے ہیں، یہ بات یاد رہے کہ اردو میں عربی کے برعکس صفت پہلے آتی ہے اور موصوف بعد میں آتا ہے۔ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ، بڑا/شدید عذاب، اگر موصوف واحد استعمال ہو تو صفت بھی واحد ہوگی۔ مرکب اضافی وہ مرکب ہے جس کے دونوں جزو اسم ہوں، اور پہلا دوسرے کی جانب منسوب ہو، اگر بزبان اردو ترجمہ کیا جائے تو بالعموم اس میں (، کا، کے، کی) میں سے کوئی لفظ استعمال ہوتا ہے۔ مثال: رَسُوْلُ اللّٰهِ (اللہ کا رسول) اس میں پہلا لفظ رَسُوْلُ مضاف ہے اور لفظ اللّٰہ مضاف الیہ ہے عربی زبان میں مضاف پہلے آتا ہے اور بعد میں مضاف اِلیہ۔

۷)......اسم ضمیر: وہ اسم جو دوسرے اسم (ظاہر) کی جگہ آئے اس کو ضمیر کہا جاتا ہے مثال: يٰاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ (اے آدم تو اپنی اہلیہ کے ساتھ رہ) اس میں اَنْتَ (تو) اور کَ، (تیری) ضمیریں ہیں اور ان کا مَرجع (یعنی جس کی طرف ضمیر لوٹے) اٰدَمُ ہے جو اسم ظاہر ہے۔ ضمیر کی دو قسمیں ہیں منفصل جو فقرے میں بالکل الگ تھلگ مستعمل ہو جیسے، اَنْتَ، اوپر کی مثال میں ملاحظہ فرمائیے۔ اَنْتَ وَزَوْجُكَ. (ب) متصل، جو کسی اسم یا فعل کے ساتھ مل کر ایک کلمہ کی نوعیت اختیار کریں، جس طرح زَوْجُكَ میں کَ۔

۸)......اَسْماءِ الاشارہ: اسم اشارہ سے مراد جن سے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جائے یہ دو قسم کے ہوتے ہیں، اشارہ قریب: یہ ایک کتاب ہے هٰذَا كِتَابٌ اشارہ بعید کے لئے وہ کتاب ذٰلِكَ الْكِتَابُ ان دونوں مثالوں میں هٰذَا اور ذٰلِكَ، اسماء اشارہ میں اور کتاب مشارٌ الیہ۔

۹)......اسم موصول: جس سے کسی خاص چیز کا پتہ چلتا ہو، اس کو اسم موصول کہا جاتا ہے اور جس کا مفہوم اس کے بعد آنے والے جملہ سے پورا ہو، اس جملے کو اس کا صلہ کہا جاتا ہے مثال: بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اس میں الَّذِيْنَ اسم موصول ہے اور اٰمَنُوْا اس کا صلہ ہے۔

۱۰)......مادہ: عربی زبان میں حروف اصلی یا بنیادی حروف کو مَادّہ کہا جاتا ہے یہ مختلف افعال اور اَسْماء میں سے تین سے پانچ تک ہوتے ہیں تمام تر اسمِ مُشْتق کے حروف اصلی اپنے صیغہ ماضی، (واحد غائب مذکر) سے پہچانے جاتے ہیں۔ مثال: نَاصر اسم مشتق ہے جس کا مادّہ نصر، نَصَرَ سے ہے جو درحقیقت صیغہ ماضی واحد مذکر غائب ہے، نَصَرَ اس نے مدد کی، نَاصِرٌ الف کے اضافے کے ساتھ اسمِ فاعل ہے مصدر: یعنی جس سے کسی کام کا کرنا یا ہونا بغیر زمانے کے معلوم ہو، کسی بھی مادّہ کے معانی کا صدور اس کے مصدر سے ہوتا ہے مثال: عَبْدٌ مادّہ ہے جب کہ عِبَادَةٌ/عبادت کرنا، تَعْبِيْدٌ ، غلام بنانا اس کے مصدر میں نصر مادّہ ہے اور نَصْرٌ (مدد کرنا) مصدر ہے۔

۱۱)......فعل ماضی: فعل ماضی کے مختلف صیغوں کی تبدیلی ان حروف کی بناء ہوتی ہے، ا، و، ت، م، ن اور تمن ماضی مطلق حروف کی گردان، یعنی جس کا فعل معلوم ہو اس کو بالعموم حرف ماضی لکھا جاتا ہے۔ فَعَلَ ، اس ایک مرد نے کیا، واحد، غائب مذکر فَعَلَتْ اس عورت نے کیا واحد، غائب مؤنث، فَعَلْتَ تو ایک مرد نے کیا واحد مخاطب/ حاضر مذکر، فَعَلْتِ، تو ایک عورت نے کیا، واحد، مخاطب/ حاضر مؤنث، فَعَلْتُ۔ میں نے کیا واحد، متکلم مذکر و مؤنث، فَعَلْنَا ہم نے کیا، تثنیہ جمع متکلم، مذکر مونث۔ ماضی مجہول: یعنی جس کا فاعل نہ معلوم ہو، ماضی کے پہلے حرف پر (ـُ) پیش اور ماقبل آخری سے پہلے پر (ـِ) زیر لگانے سے ماضی معروف ماضی مجہول بن جاتا ہے جیسے فَعَلَ سے فُعِلَ۔

۱۲)......فعل مضارع: اس میں حال اور مستقبل کے دونوں معنی آتے ہیں ماضی سے پہلے ی، ت، (الف)، ن لگا کر یا اس میں کچھ تبدیلی کر کے مضارع

بنایا جاتا ہے اور انہی کو علامت مضارع کہتے ہیں مضارع معروف جس کا فاعل معلوم ہو، اس کو بھی عام طور پر حروف مضارع لکھا جاتا ہے۔ مثال: یَفۡعَلُ / وہ کرتا ہے، کرے گا۔ واحد غائب مذکر، یَفۡعَلُ وہ کرتی ہے، کرے گی، واحد غائب مؤنث اَفۡعَلُ ، میں کرتا ہوں، کرتی ہوں، /کروں گا، کروں گی، واحد، متکلم مذکر، مؤنث۔ مضارع مجہول: جس کا فاعل نہ معلوم ہو، مضارع معروف میں علامت مضارع کو (ُ) پیش اور ماقبل آخر کو (َ) زبر دینے سے مضارع مجہول بن جاتا ہے، یعنی یُفۡعَلُ، مثال: یَعۡلَمُ / وہ سکھاتا ہے یُعۡلَمُ / وہ سکھایا جاتا ہے، یَقۡبَلُ، وہ قبول کرتا ہے یُقۡبَلُ وہ قبول کیا جاتا ہے۔

۱۳)......فعل امر و نہی: امر کے معنی حکم کے ہیں فعل امر وہ ہے جس میں کسی کام دینے کا حکم ظاہر ہو، فعل نہی جس میں کسی کام سے روکا جائے۔ امر حاضر جس میں مخاطب کو حکم دیا جائے، فعل مضارع کی علامت ہٹا کر اس کی جگہ، ھمزۃ الوصل، یعنی وہ وصل کرکے پڑھنے میں نہیں آتا، مثال: وَانۡصُرۡ اس میں "ا" نہیں پڑھا جاتا، لکھا جاتا ہے اور آخری حرف پر جزم آجاتا ہے اِفۡعَلۡ تو ایک مرد کر، واحد مذکر، اِفۡعَلِیۡ تو ایک عورت کر، واحد مؤنث اِفۡعَلَا / تم دو مرد کرو، اِفۡعَلُوۡا / تم سب مرد کرو، جمع مذکر، اِفۡعَلۡنَ / تم سب عورتیں کرو، جمع مؤنث۔ نہی حاضر! یعنی جس میں مخاطب کو کسی کام سے روکا جائے لَا تَفۡعَلۡ تو ایک مرد نہ کر واحد مذکر لَا تَفۡعَلِیۡ تو ایک عورت نہ کر واحد مؤنث۔ لَا تَفۡعَلَا تم دو مرد / دو عورتیں نہ کرو، تثنیہ مذکر لَا تَفۡعَلُوۡا تم سب مرد نہ کرو، صیغہ جمع مذکر لَا تَفۡعَلۡنَ تم سب عورتیں نہ کرو، جمع مؤنث۔

۱۴)......مُعرَب و مبنی: جن لفظوں کے آخر میں اعراب یا حروف بدلتے رہتے ہیں ان کو معرب کہا جاتا ہے یہ اعراب اور حروف کا تبدیل ہونا قیاسی ہوتا ہے جب کہ اس کے علاوہ جو لفظ ہیں ان کو مبنی کہا جاتا ہے۔ مثال: عِلۡمٌ کو بعض مرتبہ جملے میں عِلۡمًا لکھا جاتا ہے، رَحۡمَةٌ یا رَحۡمَةً وغیرہ اسم معرب ہے۔

۱۵)......فعل ماضی کی اقسام: ماضی کے شروع میں "ما" لگادینے سے ماضی منفی بنتا ہے۔ ماضی قریب: ماضی پر قد اضافہ کردینے سے اکثر ماضی قریب کے معنی ہوجاتے ہیں مثال: قَدۡ جَاءَ، وہ آیا ہے۔ ماضی بعید کان ماضی پر لگادینے سے ماضی بعید ہوجاتا ہے کَانَ ذَهَبَ، وہ گیا۔ ماضی استمراری کان مضارع پر لگادینے سے یہ ہوجاتا ہے مثال: کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ، وہ کرتے تھے۔

۱۶)......اسم مشتق و جامد: وہ اسم جو مادّہ و مصدر سے بنایا جائے، اسم مشتق کہلاتا ہے جب کہ جامد وہ ہے جو کسی دوسرے لفظ سے نہ نکالا گیا ہو، بلکہ اپنا الگ مستقل وجود رکھتا ہو اسم مشتق کی حسب ذیل قسمیں ہیں، اسم فاعل: یہ اس ذات کو بتاتا ہے جو کام کرنے والا ہو اسم مفعول: یعنی وہ ذات جس پر فعل واقع ہو، صفت مشبہ: یہ اسم اس ذات کو بتاتا ہے جس میں مصدری یا کوئی وصف پائیداری کے ساتھ پایا جائے، اسم تفصیل: اس ذات کو بتاتی ہے جس میں مصدری معنی اوروں کی نسبت زیادتی کے ساتھ پائے جائیں۔ اسم مبالغہ: جو کسی فعل میں کوئی خوبی، کثرت اور شدت کے ساتھ بتائے۔ اسم ظرف زماں، مکان۔ ظرف مکان وہ ہے جو وقوع فعل کی جگہ کو اور ظرف زماں وقوع فعل کے وقت کو بتاتا ہے۔ اسم آلہ: یہ اس آلہ کو بتاتا ہے جس سے کوئی کام لیا جائے۔ اسم صفت وہ ہے جس میں اسم فاعل اسم مفعول اور صفت مشبہ اسم تفصیل اور اسم مبالغہ موجود ہو۔

۱۷)......کلمات الاستفهام: یعنی وہ حروف جن سے کوئی سوال یا چیز معلوم کی جائے۔ مَا، مَاذَا، اَیٌّ، کَیۡفَ، اَنّٰی.

❁❁

محمد شفیق

رجسٹرڈ پروف ریڈر محکمہ اوقاف

حکومت سندھ پاکستان

رجسٹریشن نمبر:R.R.OAUQ2002/338

تاریخ:02-04-2005

تصدیق نامہ

میں نے تفسیر عزیزی پارہ تلک الرسل (۳) کے متن قرآن کریم کو
بغور پڑھا جو کمی نظر آئی اصلاح کردی گئی۔
اب الحمدللہ اس میں کوئی غلطی نہیں انشاء اللہ۔

محمد شفیق

فاضل جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

ادارۂ نشریاتِ ولی

18/927 سمن آباد فیڈرل بی ایریا کراچی